



ایمان ————— تقویٰ

حجرت فی سبیل اللہ

مصنف

صوبیدار، فرمان علی چوہدری
(اے ای سی)

عساکر پاکستان کے جنرل ہیڈ کوارٹرز کے
طرف سے منظور شدہ بمطابق

جو انٹ سٹاف ہیڈ کوارٹرز آئی ایس پی آر

ڈائریکٹریٹ چھٹی نمبر (۲) PR/62/5149

مورخہ ۳۰ اگست ۱۹۶۹ء

افواجِ پاکستان کے نصب العینؑ پر ایک جامع کتابؑ

ایمان ————— تقویٰ

جہاد فی سبیل اللہ

ایمان کا مفہوم اور اسکے اجزاء اور درجات۔ اہل ایمان کی صفات، جہاد فی سبیل اللہ کا مفہوم اور اس کی اہمیت، جہاد کی اقسام قرآن و حدیث سے اس کی فضیلت، سیرت پاک اور صحابہ کرام کے ایمان افروز واقعات، جہاد کے مختلف فرائض اور آداب، شہادت کی فضیلت، تقویٰ کا مفہوم اور اس کے ثمرات،



مصنف

صوبیدار (ر) فرمان علی چوہدری
(اے، ای، سی)

شرکت خنقیہ (ملٹیڈ) کے ڈائریکٹر الحاج امجد علی چشتی کی تحریری اجازت سے طبع کی گئی
بتعاون

سید ضیاء النور شاہ آستانہ عالیہ سہروردیہ سوہدرو شریف تحصیل ذریاباد

ضلع محمدانوالہ

اس کتاب کے محاصل زاویہ فاؤنڈیشن کے علمی و تحقیقی مقاصد کے لیے وقف ہیں



جملہ حقوق محفوظ

زیر اہتمام

محمد رضا الذین صدیقی
نجابت علی تارڑ

زاویہ

۸-سی دربار مارکیٹ، لاہور

۷۱۱۳۵۵۳

۱۹۹۹ء

بار دوم ————— ایک ہزار

پہلے = ۱۵۰ روپے

مرکز ترسیل

مکتبہ زاویہ

۹-مرکز اولیاء، دربار مارکیٹ، لاہور

۷۳۲۳۹۳۸

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۳۹	رسولوں پر ایمان	۲۱	ویباچہ
۴۰	یومِ آخرت پر ایمان	۲۷	تعارف مصنف
۴۲	تقدیر پر ایمان	۲۹	<u>ایمان</u>
۴۳	مرنے کے بعد زندہ ہونا	"	مفہوم
۴۴	ایمان اخلاص کا نام ہے	"	ایمان کیا ہے ؟
"	حضرت عثمانؓ کا ایمان	۳۰	مسئلہ رانحضرت اور جبرائیلؑ
۴۵	ایمان کامل	۳۱	اسلام اور عقائد
۵۰	ایمان کامل کے متعلق اعلیٰ حضرت	۳۲	ابدان کی صفیں
	بریلویؒ کا قول	۳۳	ایمان مجمل اور ایمان مفصل
۵۱	حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ایمان	۳۳	<u>ایمان کی شاخیں</u>
۵۳	ایمان کی نشانیاں	"	توحید
۵۴	<u>ایمان کے درجات اور عمل</u>	۳۴	ایمان بالغیب
"	ایمان کی اعلیٰ صفات	"	دعا خدا کا مسلح شکر ہے
"	ایمان کا ضعیف درجہ	۳۶	تاریخ اسلام کا ایک حیرت انگیز
"	حلاوت ایمان	"	اور ایمان افزو واقعات
۵۵	ایمان اور عمل	۳۷	دعا کا فائدہ
۶۲	تجدید ایمان	۳۸	ملائکہ پر ایمان
۶۵	ایک بے عمل مسلمان کا ایک کافر کو	۳۹	کتابوں پر ایمان

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۹۳	دعوتِ عمل	۶۵	دعوتِ اسلام دنیا
۹۴	<u>جہادِ قوی</u>	۶۶	ایمان اور پاکیزگی
۹۵	ہمارے دینی شغف کا حال	۶۷	ایمان اور حیا
۹۷	جہادِ قوی کی مثالیں	۶۸	حیا ایمان کا شعبہ ہے
۹۷	حضرت ابوذر غفاریؓ	۶۹	جب حیا چھن جاتی ہے
۹۷	جنگِ یرموک	//	ایمان اور صبر
۹۸	فتح بخارا ۹۰ھ	۷۰	مصائب پر صبر کا اجر
//	فتح اندلس	۷۲	ایمان اور شکر
۹۹	صلیبی جنگیں	۷۳	حضرت عائشہؓ کا بیان
۹۹	مختلف ذرائع	۷۴	ایک بزرگ کا واقعہ
۱۰۲	<u>جہادِ فکری</u>	۷۷	اخلاق ایمان والوں کی صفا اور درجات
۱۰۳	حالات کا رخ بھاپنا	//	ایمان اور اخلاق
۱۰۳	مسلمانانِ ہند اور آرزوئے اقبالؒ	۸۵	ایمان والوں کی صفات
۱۰۴	اقبال اور تصورِ پاکستان	۸۳	ایمان والوں کے درجات
۱۰۵	دقت کا اہم تقاضا	۸۶	<u>جہاد فی سبیل اللہ</u>
۱۰۸	آزادی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے	//	مفہوم
۱۰۹	دعا مومن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے	۸۷	حضرت علیؓ کا عمل
۱۱۱	<u>مالی جہاد</u>	۹۱	جہاد فی سبیل اللہ کا طرہ امتیاز
//	غزوہ تبوک کا واقعہ	۹۲	عمل کا انحصار نیت پر ہے
//		۹۳	جہاد کا دائرہ کار

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۱۲۷	دو در حاضر کی جنگ	۱۱۲	دفاعی اخراجات میں مالی مدد کا طلب
۱۲۸	تقدیر اور انسانی تدبیر	۱۱۳	حضرت عثمانؓ کی شہادت سے
۱۲۹	انسان کی مثال طفل بے شعور کی ہے		پہلے تقریر
۱۳۰	جہاد کفار کبھی فرض میں اور کبھی فرض کفایہ ہوتا ہے	۱۱۴	نا جائز مال سے پرہیز بھی جہاد میں شامل ہے
۱۳۱	جہاد اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم	۱۱۵	عملی جہاد
۱۳۲	جہاد کا دائرہ عمل اور آخری حد	۱۱۶	جہاد کی قسمیں
۱۳۳	پاکستان میں لڑائی کی آخری حد	۱۱۶	جہاد نفس
۱۳۴	نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم	۱۱۷	جہاد شیطان
۱۳۴	محکم ربانی	۱۱۹	شیطان کا محبوب نمائندہ
۱۳۶	خفیہ دعوتِ اسلام	۱۲۰	حضرت خواجہ حسن بصریؒ کا قصہ
۱۳۷	اعلانہ تبلیغِ اسلام		جہاد کفار
۱۳۸	حضور پر نورؐ کی مشکلات	۱۲۲	جہاد کا حکم کب نازل ہوا
۱۳۹	ہجرت مدینہ	۱۲۳	دعوتِ جہاد
۱۴۰	اہل مدینہ کا استقبال		ایک صحابی کا واقعہ
۱۴۱	نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دفاعی حکمت عملی	۱۲۴	جہاد فرض ہے
۱۴۲	حضور اقدسؐ کا عمل دورانِ جنگ	۱۲۵	انسانی فطرت کا تقاضا
۱۴۳	صحابہ کرامؓ اور ابتدائے اسلام	۱۲۶	مجاہد کی شہادت قوم کی حیات ہے
			دین صرف دینِ اسلام ہے
			قومیں خون کی آبیاری سے پھلتی پھرتی ہیں

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۱۱	جہاد میں مسلمان کی اپنی فلاح ہے	۱۵۵	اسلام اور ہجرت
۲۱۳	مومن اور کافر کی جنگ میں فرق	۱۶۹	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
۲۱۵	مومن کو اللہ کی حمایت حاصل ہے	۱۶۶	حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ
"	ناکامی کا ذمہ دار کون ہے	۱۵۹	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
۲۱۷	شامتِ اعمالِ مادرِ صورتِ آتش	۱۷۲	حضرت علی کرم اللہ وجہہ
"	گرفت	۱۷۶	حضرت بلال رضی اللہ عنہ
۲۲۰	<u>ترغیباتِ جہاد</u>	۱۸۱	حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ
"	دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہو	۱۸۵	حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
۲۲۱	مومنوں کو جہاد کی ترغیب دو	۱۸۶	حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ
"	آخرت کی زندگی اور نفع ہی حقیقی ہے	۱۸۸	حضرت خبیب رضی اللہ عنہ
۲۲۳	مومن اللہ کی راہ میں لڑتا ہے	۱۹۱	حضرت جناب بن الارت رضی اللہ عنہ
۲۲۵	مجاہد فی سبیل اللہ اللہ کا مہمان ہے	۱۹۱	حضرت عامر اور انکی والدہ کا قصہ
۲۲۶	مجاہد کی دعا قبول ہوتی ہے	۱۹۲	حضرت صہیب رضی اللہ عنہ
۲۲۷	مومن کی جان و مال کا رسولِ خدا	۱۹۳	بیڑ معونہ کی لڑائی
۲۲۸	مومن سے زیادہ خدرا ہے	۱۹۷	اسلام میں دفاع کی اہمیت
"	ترکِ جہاد باعثِ غضبِ الہی ہے	۱۹۹	شرعی عذر
۲۲۹	مجاہد کا طرزِ عمل	۲۰۰	وطن کا دفاع ایک مقدس فریضہ ہے
۲۳۰	مجاہد اور غیر مجاہد برابر نہیں	۲۰۱	اسلامی جہاد کے مقاصد
۲۳۲	<u>جذبہ جہاد</u>	"	منظوموں کی مدد میں جہاد
		۲۰۳	منافقوں اور عہد شکنوں سے جنگ
		۲۰۷	دشمن کی سرکوبی میں کاہلی اور کم ہمتی
			نہ دکھاؤ

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۵۲	مستقبل کی جنگ	۲۳۲	غزوہ اُحد میں نوجوانوں کی شرکت
۲۵۶	مجاہد کی تیاری	۲۳۳	رحمتِ دو عالم کی حفاظت مبارک کا شوق
۲۵۷	فائر کی مشق جاری رہنی چاہیے	۲۳۴	غزوہ خیبر اور عمیر ابی الحکم
"	سامان کی دیکھ بھال	"	حضرت امیر حمزہ کا قصہ
۲۵۸	صحت اور صفائی	۲۳۶	طارق بن زیاد فاتح اُندلس
"	عسکری مشقیں	۲۳۷	حضرت خالد بن ولید جنگِ سلاسل
۲۶۰	سامان جہاد بنانے والے	۲۳۸	بابائے قوم نے فرمایا
۲۶۱	جنگی سامان پہچانا	"	ہمت نہ ہو تو ہتھیار بے کار ہے
۲۶۱	قطرہ قطرہ بل کر دریا بن جاتا ہے	۲۳۹	حضرت اُمّ عمارہ مازینہ کی بہادری
۲۶۲	احتیاط ضروری ہے	۲۴۱	ہمارے مجاہدین کے کارنامے
۲۶۲	<u>جہاد کے مختلف فرائض</u>	۲۴۲	نشانِ جیدر کے اعزاز
۲۶۳	پہ گری ایک مقدس فریضہ اور	۲۴۳	چونڈہ کی جنگِ العالمین کی جنگ
	بہترین ذریعہ معاش ہے		سے بڑی جنگ تھی
۲۶۵	سردوں کا پہرہ	۲۴۶	جزل کا جواب سن کر صحابی کے ہاتھ
۲۶۶	گشت کا ثواب	"	سے نوٹ بک اور ٹیپ ریکارڈ گریٹا
۲۶۶	سفر جہاد کا ثواب	"	چونڈہ محاذ پر فضائیہ کی شاندار کارکردگی
۲۶۷	سمندر میں سفر اور جہاد کرنا	۲۴۷	جوڑیاں کی فتح
۲۶۹	<u>جنگی اسباب</u>	"	۱۹۶۵ کی پاک بھارت جنگ
۲۷۰	سر پہ موت کی مہم سے آنحضرت کا خطاب	۲۵۱	<u>جہاد کی تیاری</u>
۲۷۲	اظہارِ اسلام کے بعد حکم	۲۵۳	تیاری میں مصروف رہو

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
	مصابیب اور حادثات درستی	۲۷۳	انتقامی کارروائی کر سکتے ہیں۔
۲۹۵	اعمال کا باعث ہے	۲۷۴	ماہ حرم میں جنگ
۲۹۵	تعمیل حکم	۲۷۷	حدود حرمین شریفین میں جنگ منع ہے۔
۲۹۶	مجاہد اور سالار اعلیٰ کی دید میں فرق ہے	۲۷۸	موت اٹل ہے
۲۹۸	تعمیل حکم کھیلے ارشاد باری تعالیٰ	۲۷۸	
۳۰۰	حضرت طاہوت علیہ السلام کی فوج کا قصہ	۲۸۰	انسان کے ذہن میں محاذ جنگ کا تصور
۳۰۲	منافق کی پرکھ جہاد ہے	۲۸۰	موت اور احکام الہی
۳۰۳	ظالم بادشاہ کے سامنے کفر حق کہنا	۲۸۱	موت کا وقت انداز اور جگہ مقرر ہے۔
۳۰۹	جہاد سے پیچھے ہٹنے والا جہنمی ہے	۲۸۲	موت بند قلعوں میں بھی آجاتی ہے
۳۱۱	جنگی چال کے تحت موہ چھوڑنا جائز ہے	۲۸۳	تقدیر کے سامنے ناکامی تدبیر
۳۱۲	قصہ ان تینوں کا جو تیچھے رہ گئے	۲۸۶	جو موت سے ڈر کر بھاگے
۳۱۹	میدان جنگ سے بھاگنا شیطانی بہکاوا ہے	۲۸۷	ایک دلچسپ واقعہ
۳۲۰	گرفت کن پر ہے	۲۸۷	ملک الموت روزانہ گھر میں چکر لگاتا ہے
۳۲۱	ہیں قیامت میں رونا پڑے گا	۲۸۸	حضرت موسیٰ اور ملک الموت کا واقعہ
۳۲۲	ایمان والوں کی لغزش معاف ہوتی ہے	۲۸۸	احتیاطی تدابیر
۳۲۳	جہاد اور نصرت الہی	۲۹۱	جہاد ایمان کی کسوٹی ہے
۳۲۴	مجاہد دین کی اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے	۲۹۲	جانی اور مالی آزمائش
۳۲۸	فرشتوں کی مدد	۲۹۳	غزوہ تبوک
۳۲۳	غزوہ بدر میں حضور کا کھریاں پھینکا		

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۳۵۵	پاک بھارت جنگیں	۳۳۱	غزوہ احزاب
۳۵۷	مجاہدین کا مقام	۳۳۳	غزوہ احد
۳۵۷	جنت کے سو درجات کافر اور کافر کو مارنے والا کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔	۳۳۶	جنگ اور ذکر الہی
۳۵۸	مجاہد کے زخم	۳۳۸	تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا
۳۵۹	جہاد کی فضیلت	۳۴۱	غزوہ بدر میں حضور اقدس کی دعا جہاں میرا ذکر ہو میں وہاں موجد ہوتا ہوں
۳۶۰	مجاہد سب سے افضل انسان ہے	۳۴۱	ایک بار درود اور دس بار رحمت ذکر کی فضیلت
۳۶۱	شہید زندہ ہے	۳۴۶	مجاہدین میں ذکر الہی کرنے والا سب سے افضل ہے۔
۳۶۳	شہدا کے واقعات	۳۴۷	معراج شریف کا واقعہ قرآنی دعائیں
۳۶۴	حضرت خبیثؓ کی لعش	۳۵۰	صبر مجاہد کا بنیادی ہتھیار ہے
۳۶۴	حضرت امام حسینؓ	۳۵۱	حضرت فنا کی اپنے بیٹوں کو نصیحت
۳۶۶	حضرت ابو بکر و راقؓ	۳۵۲	فتح کا انحصار طاقت اور تعداد پر نہیں
۳۶۷	شہاب الدین خوری	۳۵۳	غزوہ احزاب
۳۶۸	اللہ کی راہ میں ہجرت اور تکالیف	۳۵۴	جنگ یرموک
۳۷۱	جہاد میں اپنی بھلائی ہے	۳۵۴	فتح آندلس
۳۷۳	مجاہد کو اللہ تعالیٰ جنت کی ضمانت دیتا ہے۔	۳۵۵	محمد بن قاسم فاتح سندھ
۳۷۳	جہاد کی نیت سے نکلنا ہی عظیم نعمت ہے		

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۳۹۰	شہادت کی فضیلت	۳۷۳	مجاہد جنت کی تینوں منازل کا مکمل ہے جہاد کے پہلے روز ہی تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔
"	شہید بار بار راہ خدا میں قربان ہونے کی تمنا کرتا ہے۔	۳۷۵	
"	اللہ جل شانہ، شہدا سے بلا حجاب گفتگو فرماتا ہے۔	۳۷۶	شوق شہادت
۳۹۱	شہید کے قرض کے علاوہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔	۳۷۷	حضور سید عالم کو پہاڑوں اور درختوں کا سلام کہنا۔
۳۹۲	شہادت کی تکلیف چوٹی کے کاٹنے کی مثل ہے۔	۳۷۸	جنگ نہادند اور حضرت ساریہ کو حضرت عمر کی لٹکار
۳۹۳	شہدا بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔	۳۸۱	حضرت عبداللہ بن حبش اور سعد بن ابی وقاص کی دعائیں۔
۳۹۴	قیامت کے گواہ	۳۸۲	لنگڑے صحابی کا شوق شہادت
۳۹۵	تمہیں بولنا کس نے سکھایا	۳۸۳	حضرت منذر شہادت چھوڑ کر جانا مجھے پسند نہیں۔
۳۹۶	جنت تملواروں کے سائے میں	۳۸۴	ابن بلعم خارجی کو مار دیا۔ تو مجھے شہادت کس کے ہاتھ سے نصیب ہو گی (حضرت علی رض)
۳۹۷	ایک سیاہ فام بد صورت کا واقعہ	۳۸۵	موت شراب سے زیادہ محبوب ہے اللہ تجھ غازی کو کامیاب و کامران کرے
۳۹۸	اللہ شہدا کی ناپاکی بھی دور فرماتا ہے	۳۸۶	حضرت عمر بن العاص کا قصہ
۳۹۹	شہید کی موت کے ساتھ جنت کے معاملات شروع ہو جاتے ہیں	۳۸۷	شہادت کی اقسام
۴۰۰	شہدا کے چھ انعام	"	
۴۰۱	تقویٰ	"	
"	تقویٰ کے معنی	"	

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۲۵	تقویٰ کا مفہوم	۲۰۲	تقویٰ کے مراتب
"	تقویٰ کی قسمیں	۲۰۳	تقویٰ کی قسمیں
۲۲۶	قرآن کریم متعین کیلئے ہدایت ہے	"	تقویٰ بہترین زادراہ ہے
۲۲۷	دعوتِ تقویٰ	۲۰۴	تقویٰ کی کان
۲۲۹	اللہ سے ڈرو جیسا کہ حق ہے	۲۰۶	یاسِ تقویٰ
۲۳۰	اعلیٰ منزلت کا انسان	۲۰۸	متقی کون ہے
۲۳۱	شیطان کا حسین جال	"	تقویٰ نیکی کی بنیاد ہے۔
۲۳۲	تقویٰ گناہوں کی پسر ہے۔	۲۰۹	تقویٰ جملہ عبادات اور نیکیوں کی جان ہے
۲۳۳	فواحش سے اجتناب	"	انصاف اور تقویٰ
۲۳۴	جرائم کا اثر	۲۱۰	مصائب پر صبر
۲۳۵	زنا بے حیائی اور بُرا راستہ ہے	"	تقویٰ پسندیدہ امور کی بنیاد ہے۔
۲۳۸	زنا بالجبر کی سزا	۲۱۱	تقویٰ اور معاونت
"	کثرتِ زنا باعثِ دہال ہے	۲۱۲	محض اللہ کا ڈر ہو
۲۳۵	زنا کی چار خرابیاں	۲۱۳	تقویٰ الفت و محبت اور دنیا و
۲۳۱	لواطت حرام ہے	۲۱۵	آخرت کی فلاح کا ذریعہ ہے۔
۲۳۲	لوطی ملعون ہے	۲۱۵	تقویٰ کی تکمیل
"	شراب نوشی	۲۱۶	تقویٰ حکمت اور دانائی کا منبع ہے
۲۳۳	شراب نوشی ہر لحاظ سے نقصان دہ ہے	۲۱۹	تقویٰ کی اہمیت اور فضیلت
۲۳۵	شرابی کی سزا	"	متقیوں کی صفات
۲۳۷	آخرت کا عذاب	۲۲۱	متعین کا اجر
۲۳۹		۲۲۳	جنت کی مثال
		"	جو اللہ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرے

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۵۲	بیت المال کے وظیفہ میں کسی		اُس کے لیے دو جنتیں ہیں
۲۵۵	وظیفہ کی واپسی	۲۵۲	حضور انور صابہ کرام اور تقویٰ
۲۵۶	حضرت عمرؓ		حضور کی ایک جنازہ سے واپسی پر
۲۵۷	صدقہ کا دودھ	۲۵۲	ایک عورت کی دعوت۔
۲۵۶	مشک کی تقسیم	۲۵۳	حضرت ابو بکر صدیقؓ
۲۵۶	حضرت علی بن ہند	۱۱	ایک غلام کا ہن کے کھانے سے قے کرنا
۲۵۶	صحبت صالح ترار صالح گفتند		کتاب کے بارے میں علماء اور دانشوروں کے تبصرے
۲۵۸			

حرفِ آغاز

مسلمانوں کی عزیز ترین متاع اور دولت گراں مایہ ان کا ایمان ہے جس سے دوسرے محروم ہیں۔ یہی ایمان ہے جو مسلم و غیر مسلم کے مابین خط امتیاز کھینچ کر ان دونوں بنیادی طور پر دونوں قوموں کو جدا کر کے دو قومی نظریہ کی بنیاد بنتا ہے۔ ایمان کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد کا پایا جانا اور دلوں کا جذبہ جہاد سے سرشار رہنا ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے اٹنے اور زندہ رہنے کے لیے پرندے کو اپنے دونوں پروں کی ہمہ وقت ضرورت رہتی ہے۔

افسوس! آج مسلمان کہلانے والوں میں ایسے حضرات کی بھی کمی نہیں جو اتنا بھی نہیں جانتے کہ ایمان کس چیز کا نام ہے کیا یہ شتم ظریفی نہیں کہ آج کہتے ہی صاحبانِ حُجُبہ و دستارِ ایمان کی بنیادی شقوق یعنی عقیدہ توحید و رسالت کے مفہوم و مطالب میں ایک دوسرے سے دست درگریاں ہیں۔ ایک دوسرے کو توحید و رسالت کا منکر قرار دے کر اسلام سے خارج بتا رہے ہیں۔ آخر غیر اسلامی عقائد و نظریات کو اسلام میں شامل کیا گیا تو یہاں تک نوبت پہنچی۔ آخر یہ سب سے بنیادی چیز ایمان کا معاملہ ہے کوئی آئین کہنے کا مسئلہ نہیں کہ اونچی آواز سے کہی جائے یا نیچی آواز سے کہی جائے۔

جب اصل متاعِ عزیز پر خودِ میثہ زنی کر لی تو جو کوشش اتحاد اور جذبہ جہاد

کی کیسے خیر رہ سکتی تھی۔ دینی، سیاسی اور طبقاتی لحاظ سے مسلمان یوں یوں علیحدہ علیحدہ جماعتوں میں بٹے ہوئے ہیں کہ اپنے خرمین اتحاد میں خود ہی آگ لگائی ہوئی ہے۔ غیر مسلموں کی دست برد سے ایمان کی دولت کو بچانے کے لیے جہت کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے لیکن جو اجتماعی طاقت کافروں سے مقابلہ کرنے کے لیے وقف رہنی چاہئے تھی۔ اسے ٹکڑوں میں بانٹ کر ایک دوسرے کی مخالفت پر شب و روز صرف کیا جا رہا ہے ایک دوسرے سے وہ حریفانہ رقابت ہے کہ عقل نش اپنا سر پیٹ کر رہ جاتی ہے۔

ان لرزہ خیز حالات میں ہر خیر خواہ ملک ملت کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلمان کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد کر وائے۔ اختلافات پیدا کرنے والے کانٹوں کو توڑ کر پھینک دے تاکہ اتفاق و اتحاد کی وہ نسیم جانفزا چلنے لگے جو دلوں اور دماغوں کو مسرور کر دے یہ اسی وقت ممکن ہے جب غیر اسلامی عقائد و نظریات پر پابندی لگے اور ان کی نشر و اشاعت کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

جناب صوبیدار فرمانے علی سے صاحب تحمین و شکر کے مستحق ہیں جنہوں نے مذکورہ امور میں سے جہاد کے موضوع پر قلم اٹھایا اور اس سچے ہوتے جذبے کو بیدار کرنے کی بساط بھرسعی فرمائی ہے۔ فوجی زندگی گزارنے کے باعث موصوف نے سپاہیانہ سپرٹ اور جوش جہاد کے الفاظ کے اندر خوب اظہار کیا ہے۔ موجودہ علمی ہستیوں کا اس کتاب کو سراہنا مصنف کے لیے کامیابی کی ضمانت ہے۔

شرکت حنفیہ کے ڈائریکٹر صاحبان خصوصاً لطیف احمد چشتی مینجنگ ڈائریکٹر شکر کے مستحق ہیں جو ایسی

ولولہ انجیز اور مفید کتاب کو زیورِ طبع سے آراستہ کر کے منظرِ عام پر لا رہے ہیں تاکہ پاکستان کے مسلمان اپنے اسلاف کی طرح شمشیر و سناں سے محبت کرنے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کی کوشش کریں اور طاؤس و رباب سے بھول کر بھی دل نہ لگائیں۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین۔

يَا اِلٰهَ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِہَا
سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اٰجْمَعِيْنَ

احقر العباد: - عبد الحکیم خواجہ اختر

مجددی، مظہری، شاہجہاں پوری

لاہور



دیباچہ



ایمان اسلام کا بنیادی عنصر ہے۔ تقویٰ اس کی نشوونما اور پھل پھول لانے کے لیے پہلا بنیادی جزو ہے۔ دین اسلام کے شجر کی حفاظت اور ترقی کے لیے جہاد فی سبیل اللہ زناعی فصیل کا کام دیتا ہے۔ ملک و ملت کے قویٰ نیچے ہوں۔ بازو کمزور ہوں تو بیرونی قوتیں وار کرنے میں مجتہد سے کام لیتی ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ہے جرم ضعیفی کی نزامرگِ مقابلات
مسلمان کی حقیقی زندگی کے سوتے "ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ ہی کے
شجر سے پھوٹتے ہیں۔ اسلامی طریقہ زندگی کا منہاٹے مقصود یہی ہے۔ علمائے کرام
اور مورخین نے ان موضوعات پر مختلف تصانیف میں موضوع کی مطابقت کے لحاظ
سے بہت کچھ تحریر فرمایا ہے۔ ان میں سے اکثر کتب ضخیم قیمتی اور نایاب ہیں۔ جو
عام انسان کی دسترس سے باہر ہیں۔ پھر کسی ایک کتاب میں اس موضوع کی تمام
تفصیلات کا ملنا بھی مشکل ہے۔

بری افواج کے سربراہ جناب جنرل محمد ضیا الحق نے چیف آف سٹاف کا عہدہ سنبھالتے
ہی افواج پاکستان کو "ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کا نصب العین دیا۔ اس
اعلان کے بعد ہفت روزہ فوجی ہلال میں اس موضوع پر مختلف حضرات نے
مضامین لکھے یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ ایک مضمون یا چند صفحات پر اس کا احاطہ
نہیں کیا جاسکتا۔ افواج کے نصب العین کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ اس کے اہم

پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔ قرآن پاک احادیث اور تاریخی مثالوں سے اجاگر کیا جائے۔ ایمان کیا ہے۔ اس کا دائرہ کار کہاں تک ہے۔ تقویٰ کیا ہے۔ اس کے معنی کیا ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے اور یہ مسلمان کی زندگی کے کن کن پہلوؤں پر عادی ہے۔ تاکہ افواجِ پاکِ تانِ ذن سے کلی طور پر مستفید ہو سکیں اور ملی زندگی میں رہنمائی حاصل کر سکیں۔ یہی وہ پہلو ہے جو زیر نظر کتاب کا محرک ہے۔

مجھے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا پورا پورا احساس ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بے پناہ کرم نوازیاں ہیں۔ جس نے مجھے اس حقیر سی کوشش میں کامیابی عطا فرمائی۔ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ اس کتاب کے مضمومات کو الگ الگ بیان کیا جائے ایک باب کے ضمن میں بیان ہونے والی باتیں دوسرے باب میں مکرر نہ آئیں۔ لیکن کچھ قرآنی آیات اور حوالہ جات کا مختلف ابواب میں مکرر ذکر ناگزیر تھا۔ لہذا میں امید کرتا ہوں کہ قارئین حضرات اکتاہٹ محسوس نہیں کریں گے۔ قارئین اگر کوئی کمی یا خامی پائیں تو مجھے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اسے دور کیا جاسکے۔

ابتدا ہی سے غیر مذاہب اسلام کی روحانی قدروں کی شکست و ریخت میں بڑی سرگرمی سے مصروف رہے ہیں۔ وہ مختلف انداز اور طریقوں سے اسلام کی روحانی قدروں کو اور خاص کر کشف و کرامات کو غیر حقیقی بنا کر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض ضمنی پہلوؤں کے بیان میں اولیا اللہ کے اقوال و کشف و کرامات کا ذکر بھی کیا ہے۔ ہماری نئی پود انتہائی مادی دور کی زد میں ہے۔ وہ روحانیت کی طرف کم اور مغربی طرز زندگی پر زیادہ دواں دواں ہے۔ سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی زندگی کے متعلق مغربی مفکرین کے اقوال و انکار کو زیادہ ذرا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے سب کچھ اسلام سے حاصل کیا ہے۔ اُسے اپنے الفاظ کا لبادہ پہنا کر شہر کر دیا ہے۔ موجودہ سائنسی ترقی، خلائی سفر، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ کی ایجاد کا منبع معراجِ البقیٰ اور کشف و کرامات اولیا اللہ ہیں۔ ان کے سماجی اور مادی فلسفے کی

بنیاد زیادہ تر اسلامی نظریات سے لی گئی ہیں۔ ایک چھوٹی سی مثال ہے۔

اقبال میسولینی :- سفر اٹلی کے دوران علامہ اقبالؒ کی ملاقات خصوصی طور پر میسولینی سے ہوئی گفتگو کے دوران میسولینی نے کوئی اچھوتا مشرہ

طلب کیا۔ علامہ اقبال نے جواب دیا "شہر کی آبادی مقررہ کر کے اسے حد سے نہ بڑھنے دو اس سے زیادہ بسنے والوں کو نئی بستیاں مہیا کی جائیں۔ میسولینی نے حیران ہو کر کہا اس میں کیا مصلحت ہے؟ علامہ نے جواب میں فرمایا۔ شہر کی آبادی جس قدر بڑھتی ہے۔ اس کی تہذیبی اور اقتصادی توانائی کم ہوتی جاتی ہے اور ثقافتی توانائی

(CULTURAL FORCES) کی جگہ محرکات شر (EVIL FORCES) لے لیتے ہیں۔ علامہ نے مزید فرمایا کہ یہ میرا ذاتی نظریہ نہیں ہے۔ بلکہ پیغمبر اسلام نے تیرہ سو برس قبل یہ مصلحت آمیز ہدایت فرمائی تھی کہ مدینہ منورہ کی آبادی ایک حد سے تجاوز کر جائے تو مزید لوگوں کو آباد ہونے کی اجازت دینے کی بجائے دوسرا شہر آباد کیا جائے۔ یہ حدیث نبوی سنتے ہی میسولینی کرسی سے اٹھ گیا اور دونوں ہاتھ میز پر زبرد سے مار کر کہا۔

WHAT AN EXCELLENT IDEA کتنا عمدہ خیال ہے۔

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ شہری آبادی کے انتظامی مسائل گونا گوں مشکلات سے دوچار ہیں اور شہری آبادی کو ایک مناسب حد تک رکھنے کے لیے ہر ملک میں کوشش کی جا رہی ہے۔ لہذا ہمیں اپنے مسائل کے حل کے لیے قرآن مجید اور دین اسلام جو ہر لحاظ سے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

جہاد صرف ملک کی سرحدوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ یہ مسلمان کی زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے۔ جہاد نفس سب سے بڑا جہاد ہے۔ جس سے مسلمان ابتدائے زندگی سے لے کر آخری سانس تک دوچار رہتا ہے۔ اس لیے مختصر طور پر جہاد نفس اور جہاد شیطان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مسلمان کو جہاد زندگی میں کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ جانی، مالی اور جہاد نفس کی مثال کیا ہے۔ اس کا تصور قائم کرنے کے لیے ابتدائے اسلام میں مشرف باسلام ہونے والے چند صحابہ کرامؓ کی مشکلات اور

مصائب کا حال بیان کیا گیا ہے۔ جان دہالی قربانیوں اور عشق رسولؐ کی بنیاد فراہم کرنے کے لیے خلفاء راشدین اور چند صحابہ کرام کی قربانیوں کا ذکر شامل کیا گیا ہے۔ اور ان میں طوالت سے بچنے کے لیے صرف ایک یاد و واقعات کا ذکر بطور نمونہ نقل کیا گیا ہے تاکہ قارئین کے سامنے کوئی نہ کوئی عملی مثال موجود ہو۔

اس کتاب کو کسی صورت میں اس موضوع پر کامل نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال مجھے امید ہے اس کے تمام پہلوؤں پر اس حقیر سی کوشش سے مفید معلومات حاصل ہونگی۔ قارئین زہدگی کے بعض شعبوں میں رہنمائی حاصل کر سکیں گے۔

انذریاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
میری گذارش ہے قارئین دعا فرمائیں اگر مجھ سے لاعلمی میں کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو
تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور میری مغفرت فرمائے۔

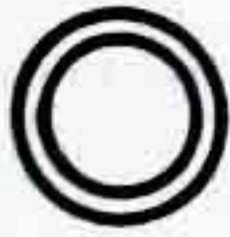
آخر میں میں اپنے معاذین لانس نائیک سعید الرحمن جموعہ اور لانس نائیک صفی محمد صدیق کا ذکر کرتا ہوں ان حضرات نے مسودہ کی تحریر میں انتہائی اعانت کی ہے۔ یونٹ کے مولوی صاحب مولانا احسان الحق عباسی نے مسودہ کو ساتھ ساتھ پڑھا اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ پیر طریقت حضرت مولانا حامدی علی نقشبندی مجددی ، حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب، حضرت مفتی غلام مصطفیٰ رضوی صاحب حضرت مفتی فاروق احمد صاحب، جناب بشیر احمد صاحب اسٹنٹ پرنسپل اسلامیات اور جناب مختار حسین ترابی لیکچرار اُردو نے اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود کمال مہربانی سے کتاب کو مطالعہ کا شرف بخشا اور اپنے تائیدی بیانات سے نوازا۔ جنہیں میں اس کتاب میں شامل کر رہا ہوں۔ میں ان تمام حضرات کا شکور ہوں۔ میری دعا ہے اللہ تبارک تعالیٰ ان سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمیدرض)

ماخذ کتب کی فہرست کے علاوہ ہفت روزہ فوجی ہلال اور بعض اخبارات میں نٹائج ہونے والے مضامین سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو میری معادنت کا وسیلہ بنایا ہے۔ جس کے لیے میں بے حد مشکور ہوں۔

اللہ تعالیٰ سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ
 صَلَوةً تُسَمِّلُ بِهَا عَلَيْنَا جَمِيعَ الْأُمُورِ -

محتاج دعا
 فرمان علی چوہدری





تعارف

کسی باشعور شخص کو اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ہر دور میں نوع انسانی کا تعلق کسی مذہب و ملت سے رہا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ وہ مذہب واقع میں مبنی برصدقت ہے یا نہیں۔ ہر شخص اپنے مذہب کو ہدایت و صداقت کا سرچشمہ سمجھتا ہے۔ درنہ وہ ہمیشہ اس پر قائم نہیں رہ سکتا۔ لیکن حقیقتہً کسی مذہب کے مبنی برصدقت ہونے کا اصل معیار کیا ہے؟ اس کا صحیح اندازہ اس مذہب کے موجد کی ذات سے لگایا جاسکتا ہے۔ یعنی جس مذہب کا بانی د موجد جتنا عظیم و خیر اور نوع انسانی کے فطری حالات سے آگاہ ہوگا۔ مذہب اتنا ہی جامع اعلیٰ اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر مکمل طور سے حاوی ہوگا۔ اس کے برعکس کسی مذہب کے بانی کی جہالت اور انسانی حالات سے بے خبری اس کے مذہب کی کمزوری قرار پائے گی اور کسی صورت وہ مذہب نوع انسانی کی فطرتوں پر منطبق نہیں ہوگا۔ اس کسوٹی پر اگر اقوام عالم کے مذاہب کو رکھا جائے تو بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو تمام مبنی نوع انسان کی فطرتوں کے مطابق ہے اور انسانیت کے لیے مکمل ضابطہ حیات ہے۔ کیونکہ اس کا موجد خالق کائنات ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اس کے علم و قدرت سے کائنات کا کوئی ذرہ باہر نہیں۔ لہذا اسی کا پیدا کردہ مذہب ہی نوع انسانی کے لیے ہدایت اور نجات کا سرچشمہ ہو سکتا ہے۔

اسی حقیقت کو قرآن مقدس نے یوں بیان کیا ہے۔ اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ لَاسْلٰمٌ
بِشك اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ

اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔
اور وہ آخرت میں زیاں کارواں سے ہے۔

پھر مذہب کے کچھ بنیادی ارکان ہوتے ہیں جن پر اس کا تشخص قائم رہتا ہے
اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایمان، تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ اہم ترین رکن ہیں۔
محترم جناب صوبیدار فرمان علی صاحب نے اسلام کے انہیں ارکان کو اپنی کتاب کا موضوع
بنایا ہے۔ کتاب کو دیکھ کر اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ جناب صوبیدار صاحب
اسلامیات سے گہری معلومات رکھتے ہیں اور کتاب کی ترتیب و تدوین میں نہایت
تحقیق اور عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ اور دورِ حاضر کی بے راہروی میں فرزندِ ان
اسلام کی صحیح رہنمائی کی ہے۔ مسلم معاشرہ کی بعض پرہاتھ رکھ کر جامع نسخہ تیار کیا ہے
جو مسلم معاشرہ کے لیے دستاویزی حقائق کا حاصل ہے۔

میں نے اکثر و بیشتر مقامات سے کتاب کا مطالعہ کیا ہے ماشاء اللہ کتاب بہت
ضخیم ہے۔ اسلوب تحریر شستہ اور دلنشین ہے۔ مسائل کو قرآن و احادیث اور اقوال
ائمہ اسلام کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کے مضامین جمہور علمائے اسلام کے
عقائد و اعمال کی ترجمانی کرتے ہیں۔ کتاب کی افادیت اس لائق ہے کہ اسے سکولوں،
کالجوں، یونیورسٹیوں اور لائبریریوں میں رکھا جائے۔ یہ کتاب ملتِ اسلامیہ کے لیے
ادربالخصوص افواجِ پاکستان کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

دعا ہے خدائے ذوالجلال بصدقہ و جیب اطہر علیہ الصلوٰۃ والسلام مصنف کی
سچی جیل کو شرف مقبولیت بخشے اور کتاب کو مفید عام بنائے (آمین)

آخر میں مصنف کا مختصر تعارف پیش کرتا ہوں



مصنف کا تعارف

جناب صوبیدار فرمان علی اے۔ ای۔ سی ۱۹۴۲ء میں مقبوضہ کشمیر موضع کھنوال میں پیدا ہوئے۔ زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۹۴۶ء میں والدین کے ساتھ ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ ۱۹۶۰ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۲ء میں پاکستان آرمی میڈیکل کور میں بطور کلرک بھرتی ہوئے۔ ملازمت کے دوران پرائیویٹ طالب علم کی حیثیت سے مطالعہ جاری رکھا۔ اس طرح ۱۹۶۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۹ء کے شروع میں آرمی ایجوکیشن کور میں بطور جونیئر کیشڈ آفیسر (۵۵ فی) منتخب ہوئے۔ ۵ نومبر ۱۹۶۹ء کو تمام مراحل کامیابی سے طے کرنے کے بعد نائب صوبیدار بنا دیئے گئے۔ اس طرح ۱۹۶۹ء کے آخر میں فوج میں محکمہ تعلیم سے منسلک ہو گئے۔ اب تک مختلف یونٹوں کے ساتھ خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ مذہبی کتب کے مطالعہ کا خصوصی ذوق رکھتے ہیں۔

مفتی محمد فاروق احمد منہجم دارالعلوم جامعہ نظامیہ عبدالحکیم
ضلع ملتان شریف۔

۲۹ محرم ۱۳۹۸ھ

ایمان

ایمان کے لغوی معنی "مان لینا اور امن دینا ہے" کسی چیز کی حقیقت مفہوم یا صداقت کو اس طرح تسلیم کر لینا کہ زبان سے اقرار کرے اور دل اس کی تصدیق کرے حال اور قال میں فرق نہ ہو۔ اس کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ تذبذب اور تامل نہ ہو وہ کیسے ہے، کیونکر ہوا، منطقی یا سائنسی طور پر ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں کیا اس میں کوئی رد و بدل ہوگا یا نہیں اور اس قسم کے دوسرے خیالات اور وسوسے یکسر ختم کر دیئے جائیں۔ مختصراً کسی بات کو خلوص نیت سے قبول کر لیا جائے۔ یہ ایمان ہے۔

اسلام کی رو سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار، انبیاء اور الہامی کتابوں کو بیح ماننا، نماز، روزہ اور اگر استطاعت ہو تو حج کرنا ایمان کہلاتا ہے۔ ان کے اقرار اور پابندی میں خلوص نیت سے کام لیا جائے۔ ان ارکان میں سے کسی میں بھی کوتاہی نہ کی جائے اس کو کامل ایمان کہیں گے۔

حدیث پاک ہے۔

ایمان کیا ہے؟ (۱) حضرت ابو فراس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کی یا رسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ حضور نے فرمایا: خلاص (بیہقی)

ایک اور حدیث پاک میں فرمایا

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا حضور ایمان کیا ہے؟ فرمایا اگر نیکی کرنے کے بعد سچے کو خوشی حاصل ہوتی ہو اور گناہ کے بعد تیرا دل رنجیدہ ہوتا ہو تو سمجھ لے تو مومن ہے (امم)

ایمان کی حقیقت، تعریف اور تشریح کے متعلق سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے بے شمار ارشادات اور احادیث موجود ہیں۔ اختصار کے لئے مذکورہ دو حدیثوں پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

ایمان کی تعریف کے متعلق حسب ذیل ارشادات ملاحظہ ہوں۔
 ۱:- ایمان یہ ہے کہ کسی کو خوشش کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کیا جائے۔ نعمتِ خدا داد پر دوسرے کی تعریف نہ کی جائے۔ محمودیت پر دوسرے کی مذمت نہ کی جائے اور رزق کا توسیعاں ہے کہ حریص کی حرص اسے کھینچ نہیں سکتی اور کسی کا تنفر اسے روک نہیں سکتا۔

۲:- دل سے اعتقاد، زبان سے اعتراف، اعضاء سے عمل کرنا اسی کو ایمان کہتے ہیں۔

ایمان کی وضاحت کے لئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور جبرائیلؑ کا ایک مکالمہ پیش ہے۔

مکالمہ (آنحضرتؐ اور جبرائیلؑ) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص نمودار ہوا جو انتہائی سفید کپڑے پہنے ہوا تھا۔ اور اس کے بال بے حد سیاہ تھے نہ تو وہ مسافر نظر آ رہا تھا۔ اور نہ وہ ہم میں سے ہی تھا وہ آیا اور رسول کریمؐ کی طرف بڑھا اور اپنے گھٹنوں کو رسول کریمؐ کے گھٹنوں سے ملا کر ہاتھوں کو حضرتؐ کے دونوں زانوؤں پر رکھ کر بیٹھ گیا اور گویا ہوا۔ اے محمدؐ اسلام کی تعریف کیجیے۔
 رسول کریمؐ :- "اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی وحدانیت، محمدؐ کی رسالت کی گواہی دو اور نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، روزے رکھو اور اگر استطاعت ہو تو حج کرو"
 نو وارد :- "پس فرمایا آپ نے"

حضرتؐ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے پوچھنے پھر تصدیق کرنے پر سخت تعجب ہوا)

نو وارد :- اچھا ایمان کی وضاحت فرمائیے

اللہ کی توحید کا اقرار کرنے کے بعد ایمان کے عقائد کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان الہامی کتابوں، انبیاء، ملائکہ پر ایمان لائے اور آخرت کے ہونے اور اس کی جزا سزا پر ایمان لائے۔ چنانچہ مسلمان ہوتے وقت انسان انہی صفات کے ساتھ اپنے آپ کو متصف کرتا ہے اور تفصیل سے اپنے ایمان کا اظہار کرتا ہے۔

ایمان کی صفتیں

ایمان مجمل

أَمِنْتُ بِاللَّهِ كَمَا هُوَ بِأَسْمَائِهِ
وَبِعِفَاتِهِ وَقَبِلْتُ جَمِيعَ أَحْكَامِهِ
أَقْرَأُ رَمَّ بِاللِّسَانِ وَتَصَدِّقُ لِي
بِالْقَلْبِ ط

میں اللہ پر ایمان لایا۔ جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور صفتوں کے ساتھ ہے اور میں نے اس کے تمام احکام قبول کئے۔ زبان سے اقرار کرتے ہوئے اور دل سے تصدیق کرتے ہوئے۔

ایمان مفصل

أَمِنْتُ بِاللَّهِ وَرَمَّكَ نَبِيَّهِ
وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدَرِ
خَيْرِهِ وَشَرِّهِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى
وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ط

میں اللہ پر ایمان لایا۔ اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور اس پر کہ اچھی بڑی تقدیر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور موت کے بعد اٹھانے جانے پر۔

ایمان کے اجمال اور تفصیلی خاکے میں بنیادی عقائد کی طرف اشارہ ہے۔ اب ان مختلف بنیادی ارکان کو کس طرح قبول کیا جائے۔ ان کے متعلق عقیدہ کیا ہے۔ یہ اپنی جگہ بڑی اہم بات ہے۔ اگر ان میں کوئی کمی، خامی یا غلطی ہو تو ایمان ناقص ہوگا۔ اور انسان آخر تک خسارے میں رہے گا۔

بنیادی اور ابتدائی سے غلطی آخر تک ایمان کی پاکیزہ عمارت کو ناقص رکھے گی۔
مولانا رومی فرماتے ہیں۔

تاثریامی رود دیوار کج

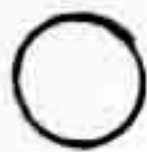
نشت اول چوں نہد معمار کج

لہذا ضروری ہے کہ تمام بنیادی عقائد کی الگ الگ تفصیل بیان کی جائے تاکہ ایمان سے کیا مراد ہے۔ اس کی وسعت اور دائرہ کار کہاں تک ہے۔

اسلام کے معنی ہیں سرسجدے میں رکھنا یعنی اطاعت
اسلام اور ایمان میں فرق کرنا۔ اسلام میں ظاہر کرنا معتبر ہے۔ مراد ظاہراً اقرار

کرنا لازمی ہے۔ اور ایمان چھپی ہوئی چیز ہے۔ اگر کسی کے عقائد درست نہ ہوں۔ لیکن وہ اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتا ہو۔ جیسے منافقین تو وہ مسلم ہوگا مومن نہیں ہوگا۔ ایسے ہی اگر کوئی شخص ایمان لے آیا۔ مگر اس کو اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کا موقع نہ ملا تو وہ مومن ہوگا۔ مسلم نہ ہوگا۔ جس شخص کے عقائد بھی درست ہوں۔ اقرار بھی کرتا ہو۔ لیکن اعمال خراب ہوں وہ فاسق ہے۔ جس کے اعمال درست اور عقائد بھی درست ہوں وہ مستقیم ہے۔

یہاں ایک خیال رکھنا ضروری ہے کہ باننا پہچاننا اور ہے۔ ماننا کچھ اور۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاننے پہچاننے کا نام ایمان نہیں۔ بلکہ ماننے کا نام ایمان ہے۔ کفار مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جاننے پہچانتے تھے۔ امانت داری اور پاکبازی کے قائل تھے۔ مگر کافر ہے۔ کیونکہ ماننے نہ تھے۔ مطلب آپ کی نبوت پر ایمان نہ لائے۔ پھر ماننا تین قسم کا ہے۔ ایک محض ڈر سے ماننا۔ دوسرے لالچ سے ماننا۔ تیسرے دلی نیت سے ماننا۔ پہلے دو ماننے والے ایمان والے نہیں کہ منافق بھی ڈر اور لالچ سے ماننے تھے۔ محبت سے ماننا ایمان ہے اور یہی اصل ایمان ہے۔



ایمان کی شاخیں

نماز اچھی حج اچھا روزہ اچھا اور زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلمان ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا کی عزت
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

○
ظفر علی خان

صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں۔ سب سے اعلیٰ شاخ یہ کہنا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب سے ادنیٰ شاخ یہ ہے کہ راستے میں پڑی ہوئی رکاوٹ ہٹا دی جائے۔ اسی طرح جیابھی ایمان ہی کی ایک شاخ ہے۔

توحید یعنی اللہ کی وحدانیت کا اقرار، یہ ایمان کی اولین شاخ ہے۔ تمام مومن اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسلمان کو اس بات کا بیخبرہ یقین سے کہ اللہ تعالیٰ ایک

ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اس کو فنا نہیں۔ وہ زمان و مکان کی حدود سے بالا ہے وہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے۔ ہمارے ظاہری اور باطنی احوال سے باخبر ہے۔ سب کا خالق اور رازق ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے۔ اس نے ہر ذی روح کو پیدا کیا وہی موت دے گا۔ موت کے بعد زندہ کرے گا اور پھر ہمارے اعمال کا حساب لے گا اس کے بعد جنت اور جہنم کا فیصلہ فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات ہیں کوئی دوسرا شریک نہیں وہ واحد ہے لا شریک ہے۔ جس کسی نے اس کی ذات کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرایا وہ سب سے بڑا مجرم ہے اور یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (پ ۲۱ - لقمہ)

صحیح مسلم میں ہے حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جو اس شکر کے ساتھ مرا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جنت میں داخل ہوا۔ جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا كَبِيْرًا (نساء)

جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا۔

اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے والے کے لئے نجات کی کوئی راہ نہیں وہ سخت

عذاب میں مبتلا ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ایمان بالغیب : الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (بقرہ) جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

لفظ يُؤْمِنُونَ۔ ایمان سے مشتق ہے۔ ایمان کے لغوی معنی امن دینا اور مان لینا ہیں۔

جیسا کہ اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ چونکہ مومن اپنے عقائد اختیار کر کے اپنے آپ کو ہمیشہ کے عذاب سے امن دے لیتا ہے۔ اس لیے اپنے عقائد کو اختیار کرنے کا نام ایمان

مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ ہر اچھی اور بُری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ روز ازل سے لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی انجام کے مطابق تدبیر کرتا ہے۔ قضاے ربانی کو انسان اپنی حکمت اور تدبیر سے ٹال نہیں سکتا وہ ہو کر رہتی ہے۔ چنانچہ سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

مشیت الہی جب نافذ ہونے لگتی ہے تو عقلمندوں کی دانائی سلب ہو جاتی ہے البتہ انسان اللہ تعالیٰ سے دُعا کر کے تبدیلی کی آرزو کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اچھے کو بُرے اور بُرے کو اچھے میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اس کی تدبیر اور تقدیر سب پر غالب ہے۔

دُعا کے متعلق سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا خُدا کا مسلح شکر ہے فرمایا۔

۱:- دُعا خُدا کے مسلح شکروں میں سے ایک مسلح شکر ہے۔ جو قضا یقینی کو بھی دفع کر دیتا ہے۔

۱۲:- دُعا سے رد بلا ہوتا ہے۔

۱۳:- دُعا عبادت ہے۔

۱۴:- دُعا سے قضا دور ہوتی ہے۔ نیکی سے رزق بڑھتا ہے اور گناہوں سے رزق میں کمی ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

أَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا قَبُولِ كَرَامَاهُ يَكْرَهُ دَالِ لَيْ كِي جَب
دَعَا نَ فُلَيْسَ تَجِيبُوا لِي وَ الْيَوْمَ نُوَا مَجْهَ پَكَارَ سَ تَوَا نَهِيں چَا يَئِي سِي رَا كَم مَانِيں ادر مَجْهَ پَر
بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (پہ: البقرہ ۸) اِيْمَان لَائِيں كِه رَاه پَائِيں۔

مومن کی دُعا اللہ تعالیٰ کبھی رد نہیں فرماتا۔ کبھی بعینہ اُسے قبول فرمالتا ہے اور کبھی اُس کے ذریعے کوئی دوسری مصیبت ٹال دیتا ہے۔ کبھی آخرت کے لئے اُسے ذخیرہ فرمادیتا ہے۔ اور کبھی مناسب حال نہ ہونے کی وجہ سے بھی قبولیت سے محروم رہتی ہے۔

تاریخ اسلام کا ایک حیرت انگیز اور ایمان افروز واقعہ

ایک دفعہ ذکر ہے کہ المنصور نے سرحدی ریاست کے واقعہ کے قلعہ لیون کا محاصرہ کیا۔ ریاست کا عیسائی حکمران رومیرو جو بڑا بہادر اور جوشیلا تھا۔ اور جس کی عمر بھی صرف بیس برس کی تھی۔ خود اپنی فوج کی قیادت کر رہا تھا۔ وہ اپنی فوجوں کو جوش دلاتا ہوا آگے بڑھا اور قلعہ سے باہر مسلمانوں کا مقابلہ ہوا۔ بڑا سخت معرکہ ہوا۔ طرفین نے خوب بہادری کے جوہر دیکھائے۔ مگر کچھ عجیب اتفاق ہوا کہ مسلمان سپاہی عیسائیوں کے حملہ کی تاب نہ لاسکے۔ انکے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ تیزی کے ساتھ افزائفری کے عالم میں پسا ہونے لگے۔ گویا ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ اور عیسائی ان کوئی خیمہ گاہ تک دھکیلتے ہوئے لے گئے۔ ابن ابی عامر المنصور جو ایک اونچے تخت پر جنگ کا سارا نقشہ دیکھ رہے تھے اور وہاں سے فوج کا حوصلہ و ہمت بھی بڑھا رہے تھے۔ یہ کیفیت دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ ان کے لئے یہ سب کچھ قطعاً خلاف توقع تھا۔ انہوں نے ایسی شرمناک پسا پی کا شاید کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔ جب انہوں نے اپنی فوج کو اس طرح پسا ہو کر بھاگتے دیکھا تو وہ مارے غم و غصہ کے تخت سے نیچے اتر آئے اور فرشِ خاک پر سجدہ ریز ہو گئے اور اپنے اللہ کے حضور گڑ گڑا کر فتح کی دعا میں مانگنے لگے۔ یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ المنصور نے یہ عجیب و غریب حربہ استعمال کیا تھا۔ بلکہ وہ ایسے نازک موقعوں پر جب ان کی فوج کو دشمن کی زبردست طاقت سے واسطہ پڑتا تھا اور ان کی فتح مشتبہ ہو جاتی تھی تو یہی حربہ استعمال کرتے تھے اور ہمیشہ کامیاب رہتے تھے سلطان محمود غزنویؒ بھی یہی حربہ استعمال کرتا تھا اور کامیاب رہتا تھا۔ پسا ہوتے ہی سپاہیوں کی نظر جب اپنے محبوب بادشاہ پر پڑی اور انہیں اس طرح اللہ کے حضور گڑ گڑاتے دیکھا تو انہیں اپنی پسا پی اور کم ہمتی پر سخت ندامت ہوئی۔ ان کی خوابیدہ غیرت دفعتاً بیدار ہو گئی۔ ان کے سینہ میں ایمان کی شمعیں فروزاں ہو گئیں۔ اور یک بیک ان کے پسا ہوتے ہوئے قدم رک گئے۔ ان کے قدم رک کے ہی نہیں بلکہ انہوں نے پلٹ کر دشمن پر انتہائی بے عکبری

اور جو انہرودی کے ساتھ حملہ کر دیا۔ اس غیر متوقع جوانی حملہ نے عیسائیوں کے ہوش گم کر دیئے ان کے بڑھتے ہوئے قدم یکا یک رک گئے۔ اب وہ آگے بڑھنے کی بجائے۔ پیچھے کی طرف بھاگ رہے تھے اور مسلمان مجاہدین ان کا نہایت سختی کے ساتھ تعاقب کر رہے تھے۔ لڑائی کا پانسہ پلٹ چکا تھا۔ مسلمانوں کی شکست فتح میں اور عیسائیوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو چکی تھی۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کا قلعہ کے دروازے تک پہنچا کیا اور مار مار کر ان کے کشتوں کے پتے لگا دیئے۔ مسلمانوں کی اس بے مثل جرات و ہمت اور اپنی زبردست پٹائی سے عیسائی اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ بالآخر انہوں نے اپنی شکست قبول کر لی اور ہتھیار ڈال دیئے۔

یہ ہے وہ حیرت انگیز اور ایمان افروز واقعہ جس کی مثال ساری دنیا کی تاریخ میں شاید ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی۔ مسلمانوں کی یہ فتح بلاشبہ ایک معجزہ سے کم نہ تھی۔ مگر اس قسم کے معجزے مجاہدین اسلام کے نزدیک کوئی غیر معمولی چیز نہیں ہیں۔ انہیں ایسے معجزوں سے اکثر واسطہ پڑتا رہتا ہے اور ماضی ہی پر کیا موقوف ہے۔ اس قسم کے معجزے آج بھی رونما ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ہم اپنے اسلاف کے اخلاق و کردار کی انہی بلندیوں کو چھولیں۔ یہ جیسے نظم و ضبط اور اتحاد و اتفاق اپنے اندر پیدا کر لیں اور انہیں جیسے ایمان کی مقدس شمعیں اپنے سینوں میں فروزاں کر لیں۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایمان پیدا

اگ کر سکتی ہے اندازِ گلستان پیدا (اقبال)

انوائے وقت بہ جولائی ۱۹۶۶ء

دُعانا دل شدہ اور نادل ہونے والی مصیبتوں کے دفاع میں
دُعَا كَا فَاؤْدَه :- مفید ہے۔ خدا کے بندو دعا کو اپنا وسیلہ بناؤ، غیب پر یقین کامل مسلمان کو حقیقی ایمان سے متصف کر دیتا ہے۔ وہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے۔ اپنی کوشش اور محنت کے بعد نتائج کو اس کے سپرد کر دیتا ہے۔ وہ ہر عطا کو اللہ کا کرم، محرومی مصیبت اور بلا کو اپنے عمل کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ سارا حق میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ دنیا پر

آخرت کو اختیار کرتا ہے۔ یہ صفتیں مسلمان کے ایمان کو مکمل کرتی ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

تین عنقشیں ایمان کو کامل بنا دیتی ہیں اور انسان کامل الایمان ہو جاتا ہے۔ پہلے کہ کاہنہ حق میں کسی کی ملامت کی پرداہ نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ اپنے عمل کی کسی چیز پر نگاہ نہ ڈالے تیسرے یہ کہ جب دو کام بیک وقت سامنے آجائیں ایک آخرت کا کام ہو اور دوسرا دین کا۔ تو وہ امرِ آخرت کو کارِ دنیا پر ترجیح دے۔

ملائکہ جمع ہے۔ ملک کی اس کے عرفی معنی ہیں۔ فرشتہ۔ یہ اللہ ملائکہ پر ایمان :- تعالیٰ کی ایسی مخلوق ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا کیا ہے۔ انسان ان کو دیکھ نہیں سکتا۔ ان کی تعداد کا علم اللہ ہی کو ہے۔ ہیں ان پر ایمان لانے کا حکم ہے۔ یہ ہر وقت اللہ تعالیٰ اطاعت اور حکم بجا لاتے ہیں۔ یہ گناہوں سے پاک ہیں۔ ان میں گناہ کرنے کی طاقت نہیں۔ ان میں چار بڑے فرشتے ہیں۔ جن کے کام مخصوص ہیں۔

۱:- جبرائیل :- اس فرشتے کا کام پیغمبروں تک اللہ تعالیٰ کے احکام یعنی وحی پہنچانا تھا۔
۲:- میکائیل :- اس کے ذمہ بارش برسانا اور خلائق کی روزی کا انتظام ہے۔
۳:- عزرائیل :- اس کا کام تمام جانداروں کی روح قبض کرنا ہے۔

۴:- اسرافیل :- یہ قیامت کے دن صور پھونکے گا۔ جس سے تمام مخلوق تباہ ہو جائیگی۔

مسلمان کو تمام الہامی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم ہے۔ جو کتابوں پر ایمان :- اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر نازل فرمائیں ان میں مشہور الہامی کتابیں یہ ہیں۔

۱:- توریت :- حضرت موسیٰ علیہ السلام پر۔

۲:- زبور :- حضرت داؤد علیہ السلام پر۔

۳:- انجیل :- حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر۔

۴:- قرآن پاک :- حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔

قرآن کریم اللہ کی طرف سے آخری الہامی کتاب ہے۔ ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ
 وَأُتُوا مِنْ قِبَلِكَ رِيبًا (بقرة) اع اتارا گیا اور جو نبی سے پہلے اتارا گیا۔

اس سے مراد کتاب (قرآن مجید) جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نازل ہوئی۔ اس کی تعلیمات و ہدایات پر صدقِ دل سے ایمان لائے اور دوسرے یہ کہ جو کتابیں آپ سے پہلے نبیوں پر نازل ہوئیں۔ انہیں بھی حق اور خدا کی طرف سے مانا جائے۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہے کہ قرآن مجید میں صرف آخری نبی کی کتاب اور آپ سے پہلے نبیوں کی کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ کے بعد ہونے والے نہ کسی نبی کا ذکر ہے اور نہ کتاب کا۔ یہ آخری کتاب ہے۔ اس کے احکام اور الفاظ میں تبدیلی نہیں۔ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم میں لے رکھا ہے

إِنَّا نَحْنُ مُنَزِّلُوهُ وَإِنَّا لَهُ الْخٰفِضُونَ
 ہم نے اسے نازل کیا اور ہم اس کے محافظ ہیں۔ (پہا - ع)

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نورانی کلام کو سینوں میں محفوظ فرما دیا ہے۔ کلام پاک کے علاوہ یہ شرف اور کسی الہامی کتاب کو نہیں کہ وہ حرف بحرف انسان کے سینے میں محفوظ ہو سکے۔ یہ اعجاز صرف قرآن پاک کو ہے۔ تحریف اور تبدیلی سے بچانے کا یہ انوکھا طریقہ ہے۔ کوئی عبارت بدلنے کی کوشش کرے۔ چھپائی لکھائی میں ہیر پھیر کرے۔ جیسا کہ جھوٹے مدعیان نبوت نے کیا۔ لیکن حفاظ قرآن پاک کے سینے ایسے قلعے ہیں۔ جہاں کسی کی رسائی نہیں۔ یہ اپنی عبارت اور الفاظ پر قیامت محفوظ رہے گا۔ انسان کی دنیوی اور اخروی زندگی کے احکام و امور اس میں موجود ہیں۔ ان پر عمل پیرا ہو کر ہم دنیا و آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ دنیا و ما فیہا کا ذکر اس میں موجود ہے۔

ذَكَارَطْبٍ وَ لَا يَأْبِسُ (الْاِنْفِ كِتَابٍ مَّيْنٍ) (پہا - ع)
 نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک ردشن کتاب میں نہ لکھا ہو۔
 ہر کوئی اپنی ہمت کے مطابق گوہر مقصود حاصل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے ہر زمانے
رسولوں پر ایمان اور ہر قوم میں رسول بھیجے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق

راہِ حق کی نشان دہی کرتے رہے۔ عوام الناس کو حق کی طرف بلا تے رہے۔ تمام انبیاء علیہ السلام اور رسولوں کی تعلیمات کا منبع اور مقصود ایک ہی تھا۔ ان میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخر میں باعثِ تخلیق کائنات، صاحبِ لولاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہر مسلمان کے لئے اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ تمام انبیاء علیہ السلام پر ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلق کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے۔ تمام کی تعلیم برحق ہے۔ کسی نبی نے نبی برحق کی تعلیم کی مخالفت نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ اس کے بنی برحق ہونے کی تصدیق کی۔ تمام انبیاء علیہ السلام اور ان کی تعلیم کو برحق ماننا جزو ایمان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یہ کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر اترا اور جو ابراہیم پر اترا اور اسمعیل اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اور جو دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے بلا۔ ہم ان سب میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔ اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں

تَوَلَّوْا۟ اٰمَنًا بِاللّٰهِ وَمَا اُنزِلَ اِلَيْنَا۟ وَمَا اُنزِلَ اِلٰى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَاٰیْمُوْبَ وَاِلٰسَآءَ وَاٰوْتٰی مٰوْسٰی وَاٰیٰی وَاٰوْتٰی النَّبِیُّوْنَ
مَنْ رَآہُمْ لَوْ فَرَّقَ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْہُمْ وَنَحْنُ اِلَیْہِ مُسْلِمُوْنَ
ر پ ۱۔ بقرہ - ۱۷۷

مسلمان تمام انبیاء علیہ السلام کو سچا مانتے ہیں۔ کسی کا انکار نہیں کرتے۔ جتنے بھی نبی اور رسول آئے ہیں۔ خواہ وہ کسی زمانہ میں ہوں اور کسی بھی ملک اور قوم کی طرف بھیجے گئے ہوں سب ایک ہی پیغام حق لائے تھے۔ ان کا انکار کفر اور اقرار ایمان ہے۔ البتہ عمل صرف ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور کتاب (قرآن مجید) پر باقی ہے۔

یہ دنیا فانی ہے اللہ کی ذات کے بغیر باقی سب کچھ قیامت یومِ آخرت پر ایمان کے دن ختم ہو جائے گا۔ قیامت کب ہوگی اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ اس دن انسان کے اعمال کا حساب ہوگا۔ جزا اور سزا ہوگی۔ انسان کو اس

دن کے عذاب کو نہیں بھولنا چاہیے۔ ہمیشہ نیک عمل کرے زادِ زاد جمع کرنے کی سعی میں مصروف رہے۔

ارشاد ہے۔

اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص کسی کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہوگی۔ اور نہ اس کی طرف سے بدلہ لیا جائے گا۔ اور نہ ان کو مدد ملے گی۔

وَتَقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ
عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا
شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ
وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ط
(پہ - بقراءہ - ع)

یہاں دن سے مراد یومِ قیامت ہے۔ اس دن دنیاوی لذتوں کو چھوڑنے اور نیک کام کرنے کا انعام دیا جائے گا۔ برے کاموں پر سزا بھگتنی پڑے گی۔ ہر شخص کو اپنے اعمال کام آئیں گے۔ کسی دوسرے کا کوئی عمل یا سفارش کام نہ دے گی۔ ایسا خیال کہ قیامت میں اعمال کی باز پرس نہ ہوگی قطعی باطل ہے۔ ایسا شخص ایمان سے خالی اور خارج از اسلام ہے۔ یومِ قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ۔ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یقین سے مراد ایسا علم ہے۔ جسے دلائل سے استقدر واضح کر دیا جائے کہ اس میں شک و شبہ کی کوئی مجالش نہ ہو۔ یہ دنیا دار العمل ہے اور عارضی زندگی ہے۔ اس کے بعد آنے والی دنیا دار الخیر ہے۔ جس میں انسان کے کام کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس میں شک نہیں کہ محض عبرت کے لئے کچھ جھاڑ پھٹک۔ یہاں دنیا میں بھی ہوتی ہے۔ لیکن جزا سزا قیامت کے لئے محفوظ رکھی جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک مستقل دن مقرر کر دیا ہے۔ اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی سے دنیا میں نیکی اور بدی کی تمیز ہوتی ہے۔ آخرت میں جزا و سزا ہوگی۔

ارشادِ باری ہے۔

الْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ط
لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ط
(۱) آج ہر جان اپنے کئے کا بدلہ پائیگی۔ آج کسی پر
کالا ظلم الیوم ط ان اللہ سریع الحساب ط (پہ الامن ع) زیادتی نہیں۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے
(۲) اس آیت کا حکم حکمرین اسلام کیلئے ہے۔ یہودی مسلمانوں کیلئے شفاعت قرآن و حدیث سے ثابت ہے)

قیامت میں نیک اپنی نیکی کا بدلہ پائیں گے۔ اُس دن کسی پر کوئی ظلم، زیادتی اور نا انصافی نہ ہوگی۔ تو جو ان سب کو نہ مانے وہ گمراہ ہے۔ ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَكَاتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا
 بَعِيدًا۔ (پہ۔ سورہ نساء ع)

اور جو نہ مانے اللہ کو اور اُس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو تو وہ ضرور دور کی گمراہی میں پڑا۔

انسان بڑی حد تک اپنے ارادے اور مرضی کا مالک ہے۔ اکثر تقدیر پر ایمان۔ افعال پر اسے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ مگر بعض کام اس کی طاقت اور اختیار سے باہر ہیں۔ مثلاً زندگی اور موت، سورج اور چاند کا نکلنا، دن رات کا ہونا وغیرہ جو کام ہمارے اختیار میں ہیں اور جو ہمارے اختیار میں نہیں ہیں ان سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اس کے حکم کے بغیر کوئی پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ ظاہری اسباب انسان کرتا ہے۔ لیکن فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ انسان کے افعال اور مقسوم ازل سے لوح محفوظ میں درج ہیں اور قادر مطلق اسی کے مطابق تدبیر کرتا ہے۔ جب تک حکم ربی نہ ہو۔ کوئی ذی روح کچھ نہیں کر سکتا۔ کسی بھی مخلوق کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر انجام نہیں پاتا۔ یہاں تک کہ درختوں کے پتے بھی اسی کے حکم سے گرتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا لَعَلَّمَهَا رِبَّ الْاِنْعَامِ ع

اور جو پتہ گرتا ہے وہ (اللہ) اُسے جانتا ہے۔

ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور علم سے ہوتا ہے۔ انسان کا کوئی حال اُس سے

چھپا نہیں ہے۔ راحت، آرام، دکھ اور مصیبت سب کچھ ایک فطری نظام کے تحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور یہ سب اپنے اپنے انداز میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ مصائب میں انسان اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ تکلیف پر صبر کرتا ہے۔ اس طرح اُس کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ آرام کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے۔ یہ باعثِ ثواب اور قربِ خداوندی ہے۔ جب انسان میں یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہی رضائے

رہی ہے۔ تو پھر مصائب اس کے لئے مصائب نہیں رہتے۔ وہ انہیں اللہ کی نعمت اور اپنے اعمال کی درستی کا ذریعہ سمجھ کر صبر و سکون سے برداشت کرتا ہے۔ آرام و آسائش مصائب، زندگی اور موت یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ لہذا کسی معاملے میں سوچنے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ صفت ایمان میں ذکر ہے۔

وَالْقَدْرُ خَيْرٌ وَ شَرٌّ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى اور اچھی اور بُری تقدیر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے یہی نجاتِ ایمان ہے جس سے انسان اللہ تعالیٰ سے گلہ شکوہ سے محفوظ رہتا ہے۔

چنانچہ رحمت و دعا عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

تقدیر پر ایمان رنج و غم کو ختم کر دیتا ہے۔ آپ نے مزید فرمایا، ہر شے کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور ایمان کی بھی ایک حقیقت ہے۔ جس تک انسان اُس وقت تک نہیں پہنچتا۔ جب تک اس کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ جو چیز ملنے والی ہے وہ مل کر رہے گی اور جو مقدر میں نہیں وہ کبھی نہیں ملے گی۔

مرنے کے بعد زندہ ہونا :- قیامت کا ایک دن مقرر ہے۔ جس کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اور کسی کو نہیں۔ مقررہ وقت آنے پر

فرشتہ اسرافیل علیہ السلام حکم الہی سے صور پھونکیں گے۔ تمام ذی روح موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ زمین تمام نباتات اور جمادات سے صاف ہو جائے گی۔ کچھ وقفہ کے بعد اسرافیل علیہ السلام دوسری مرتبہ صور پھونکیں گے۔ اس سے تمام مخلوق دوبارہ زندہ ہوگی اور قبروں سے نکل کر میدانِ قیامت کی طرف چل پڑے گی۔ اس کا ذکر ایمان مفصل میں وَالْبَعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ آیا ہے۔ کلامِ پاک میں بارہا اس کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

مِنَّمَا خُلِقْتُمْ وَ فِيهَا نُعِيدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى

(پہلا - طہ - ۶)

ہم نے زمین ہی سے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔ (اعلٰی حضرت بریلویؒ)

اس سے مراد یہ ہے کہ نوع بشر کے جدِ اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور یہ اولادِ آدم علیہ السلام موت کے بعد اسی مٹی میں دفن کی جائے گی اور قیامت کے دن اسی مٹی سے تمہیں دوبارہ زندہ کریں گے۔ اور اعمال کا حساب ہوگا۔

مزید ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ رِپَا - الحج - ۷۸

مطلب بے جان نطفے سے پیدا فرمایا۔ مقررہ عمر کے بعد موت دے گا اور پھر روزِ قیامت حساب کتاب کے لئے زندہ کیا جائے گا۔ انسان کی تخلیق، رزق، طبعی حیات اور موت کے متعلق مزید ارشاد ہے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ

رِپَا - الروم - ۷۸

اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جلانے گا۔
(حضرت بریلویؒ)

میدانِ قیامت میں ہر شخص اللہ کے ردِ بردِ پیش ہوگا۔ اعمال کا حساب ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا کہ جنت میں جائے گا یا دوزخ میں۔ اب ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہوگی۔ اس کے بعد موت کسی کو نہیں اٹے گی۔ ایمان کی تمام شاخوں کا احاطہ ناممکن ہے۔ یہاں چند چیدہ چیدہ شاخوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اخلاص ان سب میں سے زیادہ اہم اور بنیادی جزو ہے۔ اسکا وجہ سے حدیثِ پاک میں ایمان کو اخلاص قرار دیا گیا ہے۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت
ایمان اخلاص کا نام ہے۔ کیا گیا۔ ایمان کیا ہے آپ نے فرمایا خلوص نیت یعنی اللہ اور اللہ کے دین میں اخلاص سے کام لیا جائے اور کوئی مطمع نظر نہ ہو اس کی مثال کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصہ نقل ہے۔

حضرت عثمان کا ایمان :- آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خطبہ جمعہ کے لئے بلانے میں تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔ آپ کے دصال

مبارک کے بعد سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے خطبہ جمعہ کے لئے آئے آپ دوسرے پائے پر بیٹھے۔ آخر تک دوسرے پائے پر ہی بیٹھا کرتے تھے۔ خلیفہ اول کے دصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے پائے پر بیٹھا کرتے تھے۔

خلیفہ ثانی کے دصال پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبرِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ جمعہ کا دن آیا تو آپ بالائے منبر بیٹھ گئے اس پر کسی نے اعتراض کیا کہ حضرت سیدنا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالائے منبر کبھی نہیں بیٹھے تھے۔ آپ کیوں بیٹھے ہیں؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ میں دوسرے پائے پر بیٹھتا تو صدیق اکبر کی ہمسری ہوتی۔ تیسرے پر بیٹھتا تو فاروق اعظم کی برابری ہوتی۔ لیکن میں بالائے منبر بیٹھتا ہوں اس لئے کہ دنیا جانتی ہے۔ سرور کائنات میرے آقا ہیں۔ میں ان کا غلام ہوں یہاں تو ہمسری اور برابری کا شائبہ تک نہیں ہو سکتا۔

آپ کا یہ ایمان افروز واقعہ مسلمان کے لئے مشعل راہ ہے اور یہ واضح کر دیا کہ ایمان کا تعلق ظاہری افعال کی نسبت باطنی افعال (خلوص نیت) سے زیادہ گہرا ہے۔ اگر باطن میں کوئی کمی پائی جائے تو ظاہری اچھے اعمال بھی قبولیت کی باریابی سے محروم رہتے ہیں۔

ایمان کی بہت سی شانیں ہیں لہذا ایمان کامل اس وقت ہو سکتا ہے۔

ایمان کامل :- جب اس کے تمام اجزا پر کامل یقین ہو۔ ان سب پر من و عن عمل کیا جائے۔ البتہ بعض ایسی بنیادی باتیں ہیں جن پر حقیقی عمل تمام ایمان کے اجزا پر محیط ہو جاتا ہے۔ اور یہ اعمال انسان کے ایمان کو کامل بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تین صفیں مستحق ثواب کرتی ہیں۔ اور بندے کے ایمان کو کامل بناتی ہیں۔

۱:- خوش اخلاقی۔ جس کے ذریعے انسان لوگوں میں خوشگوار زندگی بسر کرتا ہے۔

۲:- تقویٰ :- جو حرام سے روکتا ہے۔

۳:- تحمل :- جو جاہل کی جہالت کو دفع کرتا ہے۔

ایمان کامل تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

۱:- اول تصدیق قلبی یعنی دل سے جملہ امور کا یقین کرنا۔

۲:- دوسرے - زبان کا اقرار اور گل -

۳:- تیسرے - بدن کے اعمال -

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ ایمان کی تمام شاخوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اول جن کا تعلق نیت و اعتقاد اور تصدیق قلبی سے ہے۔ دوسرے جن کا تعلق زبان کے اقرار سے ہے۔ تیسرے وہ جن کا تعلق بدن کے باقی حصوں سے ہے۔ ایمان کی جملہ چیزیں ان میں شامل ہیں۔

اس میں تمام عقائد ہیں۔ اس کا خلاصہ تیس چیزیں ہیں۔

پہلی قسم :- ۱:- اللہ پر ایمان لانا جس میں اس کی ذات، اس کی صفات پر ایمان لانا داخل ہے اور اس کا یقین بھی کہ وہ پاک ذات ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی مثل ہے۔

۲:- اللہ کے ما سوا سب چیزیں بعد کی پیداوار ہیں۔ ہمیشہ سے وہی ایک پاک ذات ہے۔

۳:- فرشتوں پر ایمان لانا۔

۴:- اللہ کی آٹھاری ہوئی کتابوں پر ایمان لانا۔

۵:- اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا۔

۶:- تقدیر پر ایمان لانا کہ بھلی ہو یا بُری سب اللہ کی طرف سے ہے۔

۷:- قیامت کے حق ہونے پر ایمان لانا۔ جس میں قبر کا سوال و جواب، قبر کا عذاب،

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، حساب ہونا، اعمال کا تلنا اور پل صراط پر سے گزرنا سب ہی داخل ہے۔

۸:- جنت کا یقین ہونا اور یہ کہ مومن انشا اللہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

۹:- جہنم کا یقین ہونا اور یہ کہ اس میں سخت عذاب ہے۔ اور کافر اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

۱۰:- اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے محبت رکھنا۔

۱۱:- اللہ کے واسطے دوسروں سے محبت رکھنا اور اللہ ہی کے واسطے دوسروں سے

بغض رکھنا۔ یعنی اللہ والوں سے محبت رکھنا اور اس کی نافرمانی کرنے والوں سے بغض رکھنا
اس میں آلِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت، صحابہ کرامؓ اور بالخصوص
مہاجرین اور انصار کی محبت شامل ہے۔

۱۲:- حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنا۔ جس میں آپ کی تعظیم،
آپ پر درود بھیجنا اور سنت کا اتباع بھی داخل ہے۔

۱۳:- اخلاص جس میں۔ ریا نہ کرنا، اور نفاق سے بچنا بھی داخل ہے۔

۱۴:- توبہ یعنی دل سے گناہوں پر ندامت اور آئندہ نہ کرنے کا عہد۔

۱۵:- اللہ کا خوف۔

۱۶:- اللہ کی رحمت کا امیدوار ہونا۔

۱۷:- اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔

۱۸:- شکر گزاری۔

۱۹:- وفا۔

۲۰:- تواضع جس میں بڑوں کی تعظیم بھی داخل ہے۔

۲۱:- شفقت و رحمت جس میں بچوں پر شفقت کرنا داخل ہے۔

۲۲:- صبر۔

۲۳:- متقدر پر راضی رہنا۔

۲۴:- توکل یعنی اللہ پر بھروسہ۔

۲۵:- خود بینی اور خود تنائی کا چھوڑنا۔ جس میں اصلاح نفس بھی شامل ہے۔

۲۶:- کینہ اور خلش نہ رکھنا۔

۲۷:- حیا کرنا۔

۲۸:- غصہ نہ کرنا۔

۲۹:- فریب نہ دینا۔ بدگمانی نہ کرنا اور کسی کے ساتھ مکر نہ کرنا۔

۳۰:- دنیا کی محبت دل سے نکال دینا جس میں مال اور جاہ کی محبت بھی داخل ہے۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ امورِ بالا میں دل کے تمام اعمال داخل ہیں۔ اگر کوئی چیز بظاہر خارج معلوم ہو تو وہ غور کرنے پر ان نمبروں میں سے کسی نہ کسی نمبر میں داخل ہوگی۔

زبان کا عمل ہے جس کے سات شعبے ہیں۔

دوسری قسم :- ۱:- کلمہ طیبہ کا پڑھنا۔

۲:- قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔

۳:- علم سیکھنا۔

۴:- علم دوسروں کو سکھانا۔

۵:- دُعا کرنا۔

۶:- اللہ کا ذکر۔

۷:- لغو باتوں سے بچنا۔

بدن کے اعمال جو کل چالیس ہیں اور تین حصوں میں منقسم ہیں۔

تیسری قسم :- پہلا حصہ :- اپنی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ سولہ شاخیں ہیں۔

۱:- پاکیزگی حاصل کرنا۔ اس میں بدن کی پاکیزگی، کپڑے کی پاکیزگی، مکان، جگہ کی پاکیزگی،

بدن کی پاکیزگی میں وضو، حیض و نفاس اور خجابت کا غسل شامل ہے۔

۲:- نماز کی پابندی کرنا۔

۳:- صدقہ دینا اس میں زکوٰۃ، صدقہ فطر وغیرہ داخل ہے۔

۴:- روزہ فرض ہو یا نفل۔

۵:- حج کرنا، فرض ہو یا نفل اس میں عمرہ بھی داخل ہے اور طواف بھی۔

۶:- اعتکاف کرنا جس میں لیلۃ القدر کی تلاش کرنا بھی داخل ہے۔

۷:- دین کی حفاظت کے لئے گھر چھوڑنا اس میں ہجرت بھی شامل ہے۔

۸:- نذر کا پورا کرنا۔

۹:- قسموں کی نگہداشت کرنا۔

- ۱۰ :- کفاروں کا ادا کرنا۔
- ۱۱ :- ستر کا نماز میں اور نماز کے علاوہ ڈھانپنا۔
- ۱۲ :- قربانی کرنا اور قربانی کے جانوروں کی خبر گیری کرنا اور ان کا اہتمام کرنا۔
- ۱۳ :- جنازہ کا اہتمام کرنا اور اس کے جملہ امور کا انتظام کرنا۔
- ۱۴ :- قرض کا ادا کرنا۔
- ۱۵ :- معاملات کا درست کرنا اور سود سے بچنا۔
- ۱۶ :- سچی بات کی گواہی دینا۔ حق کو نہ چھپانا۔
- کسی دوسرے کے ساتھ برتاؤ جس کی چھ شاخیں ہیں۔
- دوسرا حصہ :-**
- ۱ :- نکاح کے ذریعے حرام کاری سے بچنا۔
- ۲ :- اہل و عیال کے حقوق کی رعایت کرنا۔ ان کا ادا کرنا۔ اس میں نوکروں اور قادموں کے حقوق بھی داخل ہیں۔
- ۳ :- والدین کے ساتھ سلوک برتنا۔ نرمی اور فرمانبرداری کرنا۔
- ۴ :- اولاد کی اچھی تربیت کرنا۔
- ۵ :- صلہ رحمی کرنا۔
- ۶ :- بڑوں کی فرمانبرداری اور اطاعت کرنا۔
- عام حقوق جو اٹھارہ شعبوں میں منقسم ہیں۔
- تیسرا حصہ :-**
- ۱ :- عدل کے ساتھ حکومت کرنا۔
- ۲ :- حقانی (اہل حق) کی جماعت کا ساتھ دینا۔
- ۳ :- حکام کی اطاعت کرنا بشرطیکہ خلاف شرح حکم نہ ہو۔
- ۴ :- آپس کے معاملات کی اصلاح کرنا۔ جس میں مفسدوں کو سزا دینا۔ باغیوں سے جہاد کرنا بھی شامل ہے۔
- ۵ :- نیک کام پر دوسروں کی مدد کرنا۔
- ۶ :- نیک کاموں کا حکم کرنا اور بُری باتوں سے روکنا اس میں وعظ و تبلیغ بھی داخل

ہے۔

۷: حدود قائم کرنا۔

۸: جہاد کرنا۔

۹: امانت کا ادا کرنا۔ جس میں ٹرس بھی جو غنیمت کے مالوں میں ہونا ہے بھی داخل ہے

۱۰: قرض دینا اور ادا کرنا۔

۱۱: پڑوسیوں کا حق ادا کرنا۔ اور ان کا اکرام کرنا۔

۱۲: اچھا معاملہ کرنا جس میں جائز طریقہ سے مال جمع کرنا بھی داخل ہے۔

۱۳: مال کا اپنے محل وقوع پر فروغ کرنا۔ اسراف اور بخل سے بچنا۔

۱۴: سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا۔

۱۵: چھینکنے والے کو یرمک اللہ کہنا۔

۱۶: دنیا کو اپنے نقصان سے اپنی تکلیف سے بچانا۔

۱۷: لہو و لعب سے بچنا۔

۱۸: راستہ سے تکلیف دہ چیز دور کرنا۔

انسان کو ان تمام شعبوں پر غور و فکر کرنا چاہیے۔ جو اوصاف انسان میں پائے جائیں ان پر اللہ کا شکر ادا کرے اور باقی پر عمل کرنے کے لئے اللہ سے توفیق مانگے۔

ایمان کامل کے متعلق اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

عقائد سے متعلق تیس چیزوں میں ایک حُب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے۔ ایمان کامل کا سب سے زیادہ انحصار اسی پر ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خطبے میں ایمان کے متعلق ارشاد فرمایا۔

”ایمان حضرت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و محبت و عظمت کا نام ہے۔ جس کے دل میں بالکل نہیں وہ قطعاً کافر“

امام الصدیقین اکمل الاولیاء والعارفین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس کی تعظیم و محبت کو ہمیشہ حفظ جان پر مقدم رکھا۔ یہی تعظیم و محبت و جانثاری شیع رسالت (علیہ افضل الصلوٰۃ والتحمیہ) ہے جس نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انبیائے مرسلین کے بعد تمام اولیاء عرفا، تمام علما اور تمام خلق اللہ سے افضل و اکرم و اکمل و اعظم کر دیا ہے۔ یہ وہی ستر (راز) ہے جس کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کثرت صوم و صلوٰۃ کی وجہ سے تم پر فضیلت حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ اس ہنر کے سبب ہوئی جو ان کے دل میں راسخ و متمکن ہے۔ یہی وہ راز ہے جس کے باعث رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

”اگر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان میری تمام امت کے ساتھ وزن کیا جائے تو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان غالب آئے گا“ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مولائے کرام و آقائے اعظم نے فرمایا۔

بے شک تمام لوگوں میں اپنی جان و مال سے میرے ساتھ کسی نے ایسا سلوک نہیں کیا جس کا ہم نے عوض نہ دے دیا ہو۔ سوائے ابو بکرؓ کے۔ ان کا ہمارے ساتھ وہ حُسن سلوک ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی انہیں روز قیامت عطا فرمائے گا۔

ایمان کامل کے متعلق رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
۱: مومن اس وقت تک کامل الایمان ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک بلا کو راحت اور نعمت کو مصیبت نہ جانے،

۲: خدا کی قسم کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک میں اس کو اس کی جان و مال اور اولاد سے پیارا نہ ہوں۔

آپ کے ایمان محکم کی ضمنی تعریف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان کی جائے کم سے بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کی تعریف دستائش ممکن ہی نہیں۔ اس کے لئے آپ کی قوتِ ایمانی کی ایک مثال کافی ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس ظاہری دنیا سے علیحدگی کے بعد خلافت کا منصب آپ کو ملا ہے۔ اس

کے ساتھ ہی عرب کے کثیر تعداد اور طاقتور قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اور ارتداد اختیار کیا تو اسلام کی پوری تاریخ کے سب سے زیادہ پر آشوب اور نازک موقعہ پر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان مبارک سے ایک اہامی جملہ نکلا جو ان کے قلب مبارک کے عمیق تاثرات کا آئینہ ہے اور آپ کی پوری سیرت کا خلاصہ ہے۔ "أَيَنْقُضُ وَأَنَا خَيْرٌ" کیا اسلام میں میرے جیتے جی ٹی کی جاسکتی ہے؟ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندہ ہو اور اس کی آنکھوں کے سامنے اسلام کی قطع و برید کی جائے بعض فرائض باقی رہیں اور بعض نکال دیئے جائیں۔ اس جملہ سے اس نسبت کا اظہار ہوتا ہے۔ جو آپ کو اسلام سے تھی۔

اس مرحلہ پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سخت پریشان تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود جلالت قدر و بے نظیر شجاعت کے حیران تھے کہ کیا کریں۔ اس داخلی فتنہ سے کس طرح نجات حاصل کریں۔ اس وقت بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ رائے تھی کہ فی الحال نرمی اختیار کرنا اور زکوٰۃ سے درگزر کیا جائے۔ حالات سخت نازک ہیں۔ اس لئے سختی سے کام نہ لیا جائے۔ پھر جو شخص لا اِلهَ اِلَّا اللهُ کہہ چکا ہو۔ اس پر کس طرح تلوار اٹھائی جائے لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاملہ کی گہرائیوں تک پہنچ چکے تھے۔ ان کی ذہانت اور تدبر نے بجانب یا تھا کہ اگر مخالفت کے اس شگاف کو بند نہ کیا گیا تو اسلام کی خیر نہیں۔ یہ زخم قیامت تک ہر اڑے گا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ اسلام حق ہے اسلام کی تعلیم حق ہے۔ بخدا اگر کسی نے رسی کا بھی انکار کیا جس کو وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نام نے زکوٰۃ کے وقت دیتا تھا تو اس پر جہاد کروں گا اور خدا کے دین کو غالب کر کے دم لوں گا۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے "ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان ہم سب کے ایمانوں سے اگر وہ جمع کئے جائیں زیادہ ہے۔"

پھر تمام عالم نے دیکھا کہ فتنہ و ارتداد پر ہڑت خوں اور سرعت سے قابو پایا۔ تمام قبائل راہ راست پر آگئے۔ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید کی مہم جو سرکارِ دعوایہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تیار کی تھی اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی علالت کیوجہ سے رُک گئی تھی لی الغور روانہ کی۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حالات کے پیش نظر اس مہم کو ملتوی کرنے یا کسی آزمودہ کار صحابی کو اس کا سالارِ اعظم مقرر کرنے کی رائے دی۔ فتنہ امتداد کے پیش نظر مدینہ منورہ کے لئے خطرات کا اظہار کیا لیکن آپ کی قوت ایمانی کا یہ حال تھا کہ آپ ذرہ برابر کسی خطرے سے نہ گھبراتے اور فرمایا۔

”جس کام کا حکم رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دے چکے ہوں۔ میں اس کو کیسے روک سکتا ہوں۔ خدا کی قسم اگر مجھے یہ ڈر ہو کہ مدینہ میں جنگلی بھیڑے میرا گوشت زچ لیں گے۔ میں تب بھی اس امر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہم ضرور روانہ کر دوں گا۔“

آپ کی قوت ایمانی کے متعلق مورخین نے اپنے اپنے علم اور ذخیرہ الفاظ کے مطابق بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان تمام خیالات اور واقعات کا یہاں ذکر کرنا محال ہے۔ دو واقعات بطور نمونہ ذکر کئے گئے ہیں۔ آپ کے ایمان کے متعلق ایک مشہور مستشرق تولڈیکے کی رائے یہ ہے۔

”اللہ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کو اس پہاڑ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جو کسی حالت میں بھی اپنی جگہ سے نہیں ہرکتا“

کسی چیز کی جانچ پرکھ کے لئے کوئی نہ کوئی معیار ہونا ضروری

ایمان کی نشانیاں :- بے ناکہ اس کی تصدیق ہو سکے۔ اس کے بغیر کسی چیز کی

حقیقت معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایمان کی بھی بعض نشانیاں ہیں جن کو دیکھ کر یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ آیا ایمان ہے یا نہیں۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایمان کی علامت ہیں۔

۱۱۔ تنگی میں سخاوت۔

۱۲۔ اپنے خلاف فیصلہ کرنا۔

۱۳۔ عالم کو سلام کرنا۔



ایمان کے درجات اور عمل

ایمان کی شاخیں اور دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ ان سب پر کلی طور پر عمل یہ ایک عام مسلمان کے لئے انتہائی مشکل ہے۔ ہم میں بے شمار کمزوریاں اور خامیاں ہیں ان تمام پر پورا اترنا ہمارے بس کا رنگ نہیں ہے۔ اس لئے جس حد تک کسی کا عمل ہوگا اسی اعتبار سے اس کا ایمان ہوگا۔ ایمان کی اعلیٰ و ادنیٰ صفات کے متعلق رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

تین فضیلتیں ایمان کے اعلیٰ صفات میں سے ہیں۔

ایمان کی اعلیٰ صفات :- ۱۔ غصہ کے وقت غیظ و غضب سے باطل کی راہ پر

گامزن نہ ہو جائے۔

۲۔ انسان کی رضا سے حق سے دور نہ کر دے۔

۳۔ قدرت و اختیار ہوتے ہوئے ناجائز چیز کی طرف دست درازی نہ کرے۔

ایمان کا ضعیف درجہ یہ ہے۔

ایمان کا ضعیف درجہ :- جو شخص بدی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روکے اگر ایسا نہیں کر سکتا تو زبان سے اُس کی مخالفت کرے۔ اگر ایسا بھی نہیں کر سکتا تو کم از کم دل میں اس کی مخالفت کرے اور یہ ایمان کا کمترین درجہ ہے۔

جو شخص اللہ کی توحید کا اقرار کرے اور ختم نبوت پر ایمان لائے

عطاوت ایمان :- یعنی اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ ان دو بنیادی اصولوں پر ایمان لانے والا مسلمان ہے۔ وہ کسی حالت ایمان سے خالی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ چنانچہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ جب تک کوئی شخص اسلام کے دو بنیادی اصولوں پر ایمان رکھتا ہے۔ یعنی

توحید اور ختم نبوت تو اس کو ایک راسخ العقیدہ ملاحی اسلام کے دائرہ سے خارج نہیں کر سکتا۔ خواہ فقر اور آیات قرآنی کی تلاوت میں وہ کتنی ہی غلطیاں کرے۔ البتہ ایمان کی حلاوت (مثلاً) اس میں پائی جاسکتی ہے۔ جس میں ایمان کی عمدہ خوبیاں موجود ہوں اس ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تین صفتیں جس میں ہوں گی۔ اس میں ایمان کی حلاوت بھی ہوگی۔

۱۔ اللہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زائد عزیز رکھے۔

۲۔ جس سے محبت کرے اللہ کے لئے کرے۔

۳۔ جس طرح آگ میں جانے کو کوئی پسند نہیں کرتا اسی طرح اسلام لانے کے بعد کفر کی طرف جانے کو ناپسند کرے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ان پر عمل نہ کیا جانے ایمان اور عمل تو ایمان بے فائدہ ہے۔ ایمان اس وقت سود مند ہے۔ جب ایمان کے ساتھ عمل بھی کیا جائے۔ جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اگر ان کو صرف مانا جائے اور ان پر عمل نہ کیا جائے، نماز نہ پڑھیں، روزے نہ رکھیں، زکوٰۃ نہ دیں۔ برائیوں سے بچیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا ان پر ایمان ہی نہیں کیونکہ اگر ایمان ہے تو پھر عمل کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ بے عملی اہمتر امتہ ایمان کو زائل کر دیتی ہے۔ محسن خلائق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”ایمان و عمل میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔“

چونکہ ایمان کا انحصار عمل پر ہے اور عمل انسانی زندگی کے ہر پہلو پر خواہ اس کا تعلق ذاتی افعال سے ہو یا اجتماعی سے تمام پر حاوی ہے۔ انسان کی روزمرہ زندگی، کاروبار، لین دین، ہمدردی، صلہ رحمی، عدل و انصاف اور دیگر تمام افعال و اعمال کا تعلق انسان کے ایمان سے ہے۔ انسان فطری طور پر لالچ اور خود غرضی کی طرف مائل ہے۔ اسے ہمیشہ اپنے مفادات کی نگہداشت، عزیز و اقارب کی بہتری اور خوشحالی کی تمنا احاطہ کئے رہتی ہے۔ یہ ایک عام روش ہے کہ انسان جہاں کہیں بھی ہو۔ سرکاری یا غیر سرکاری معاملات میں

ان کا تعلق خواہ کسی ہی پہلو سے کیوں نہ ہو، ذاتی اور خویش و اقارب کے مفادات کی زیادہ سے زیادہ طرف داری کرتا ہے۔ انہیں خوش کرنے کے لئے اخلاق، قانون اور عدل و انصاف کی حدیں پامال کرتا رہتا ہے۔ بلکہ سفارشات اور اثر و رسوخ کی آجکل اس قدر بھرا رہے کہ عدل و انصاف کی راہ پر چلنا بڑا مشکل ہے اور جو ان معاملات میں اور خاص کر عدل و انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر حق کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتا وہ اللہ کی نگاہ میں معزز و مکرم ہے۔ میدانِ آخرت میں کامیاب و کامران ہوگا۔ عدل و انصاف کی اہمیت کے پیش نظر چند احادیث نقل ہیں۔

۱:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن عرشِ الہی کے سایہ میں سات قسم کے آدمی ہوں گے! ایک ان میں سے امام عادل ہے (بخاری)

۲:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عادل اور منصف بادشاہ کی دُعا رد نہیں ہوتی (ترمذی)

۳:- حضرت میاض بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا امام عادل جنتی ہے۔ (مسلم)

۴:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک منصف بادشاہ کی نیند اور سونا سترہ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ اللہ کی زمین پر حق و انصاف کے ساتھ سزائیں دینا اور حق کو قائم رکھنا چالیس روز صبح کی روزہ مرہ بارش سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔ (طبرانی)

۵:- حضرت عبادہ بن صابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ حدود قائم کرنے اور شرعی سزائیں دینے میں نہ تو اپنے اور بیگانہ کا فرق کیا کرو اور نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرا کرو۔ (ابن ماجہ)

۶:- حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسے امام یا امیر یا بادشاہ جو لوگوں میں انصاف کرتے ہیں اور معاملات کے فیصلوں میں اپنے اور پرائیوں کو یکساں سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا کفیل مددگار ہے۔ یہ لوگ قیامت میں اللہ عزوجل کے دائیں طرف نور کے منبروں پر ہوں گے۔ (مسلم)

۴:- ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ ایک خاندانی عورت پر چوری کا جرم ثابت ہونے کی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ تو بعض لوگوں نے سفارش کرنی چاہی۔ آپ نے غضب آلودہ لہجے میں فرمایا تم اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتا۔ (بخاری)

اس طرح صلہ رحمی، عفو و درگزر، ہمدردی اور خطا کا معاف کرنا بھی ایمان کے کمال میں شامل ہے۔ اور پھر یہ کسی آدمی، طبقہ یا خاص گروہ تک محدود نہیں ہونے چاہئیں۔ بلکہ عام ہونے چاہئیں۔ چرند پرند، حیوان، درندے اور انسان سب ہی اس میں شامل ہوں۔ حدیث پاک ہے۔

۱:- حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جب تک تم رحم نہ کرو۔ تمہارا ایمان صحیح نہیں ہو سکتا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم سب رحیم ہیں۔ فرمایا یہ رحمت نہیں کہ تم کسی ایک کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ یا ایک پر رحمت کرو بلکہ رحمت عام ہونی چاہیے۔

۲:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم رحم کرو۔ تم پر رحمت کی جائے گی۔ تم لوگوں کے قصور معاف کرو تمہارے قصور معاف کئے جائیں گے۔

۳:- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، فرماتی ہیں۔ کہ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک اراچی نے کہا آپ بچوں کو پیار کرتے ہیں میں تو کبھی نہیں کرتا۔ فرمایا اگر تیرے دل سے رحمت دور کر دی گئی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ (بخاری مسلم)

۴:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا ایک شخص نے پیار سے کتے کو جو کچھ چاٹ رہا تھا پانی پلا دیا۔ اس کو اس فعل کے بدلے جنت عطا کر دی گئی۔ (بخاری)

۵:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا۔ میں اپنے خادم کی خطاؤں کو کہاں تک معاف کیا کروں؟ آپ نے فرمایا۔ ہر دن میں ستر بار (ابوداؤد)

۶:- حضرت وصین بن عطار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ ایک قصائی نے ایک بکری کو ذبح کرنا چاہا۔ بکری اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آگئی وہ قصائی بھی اس کے پیچھے پیچھے آیا اور بکری کی ٹانگ بکڑ کر گھیسے لگا۔ آپ نے بکری کو صبر کی تلخین فرمائی۔ قصائی سے فرمایا بکری کو نرمی سے لے کر جاؤ۔ (عبدالرزاق، ہمارا تو یہ حال ہے کہ مرغا دوکان سے خریدنا۔ ٹانگوں سے پکڑ کر اٹاٹسکا کر بڑے آرام سے چلتے ہیں۔ نمود و نمائش کے چکر میں کہ آج مرغا ہو گا۔ ذرا آہستہ اور اکثر کرمی چلتے ہیں لیکن ذہن میں یہ احساس بالکل نہیں آتا کہ اٹاٹسکا کر چلنے سے اس کو کس قدر تکلیف ہوتی ہے۔

۷:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ جہان کا اکرام دعوت کرے۔ جو بات منہ سے نکالے اچھی نکالے ورنہ خاموش رہے۔ (بخاری)

۸:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے رزق میں برکت ہو۔ اس کی عمر زیادہ ہو تو اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔ (بخاری و مسلم)

۹:- حضرت ابوامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا۔ حضور ماں باپ کا حق اولاد پر کیا ہے؟ فرمایا وہ دونوں تیرے لئے بہشت اور دوزخ ہیں (ابن ماجہ)

یعنی اطاعت میں بہشت اور نافرمانی میں دوزخ ہیں۔ والدین کی خدمت و وفات کے بعد بھی جاری رہنی چاہیے۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت مالک بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی ان کی خدمت اولاد کے ذمہ ہے ارشاد فرمایا ہاں نماز پڑھنا، مال باپ کے لئے استغفار پڑھنا اگر انہوں نے کسی سے وعدہ کیا ہو تو اس کو پورا کرنا۔ ماں باپ کے واسطے جن لوگوں سے رشتہ داری ہوئی ہو ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ ماں باپ کے دوستوں کی عزت و اکرام کرنا یہ سب باتیں ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کی خدمت میں شامل ہیں۔ (ابوداؤد)

القصة :- انسانی زندگی کے کسی پہلو کو لے لیں بات عمل سے بنتی ہے۔

اگر عمل نہیں تو کچھ بھی بن نہیں آتا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

انسانی عمل میں ایک چیز جس کا ایمان کے ساتھ بڑا گہرا اور اہم تعلق ہے۔ وہ حصولِ رزق ہے۔ یہ انسانی زندگی کا محور ہے۔

کسبِ حلال :-

زندگی میں کبھی رزق میں تنگی اور کبھی فراخی ہوتی رہتی ہے۔ ضروریاتِ زندگی اور وسائل کی کمی بیشی سے انسان اکثر دوچار ہوتا رہتا ہے۔ مالی مجبوریاں انسان کو ناجائز ذرائع کی طرف ترغیب دیتی ہیں۔ کبھی انسان کی اپنی فضول خرچیاں اور عیاشیانہ طرزِ زندگی اُسے رشوت چوری، دھوکہ بازی اور بعض دیگر ناجائز ذرائع کی طرف مائل کرتے ہیں۔ یہ ایمان کے لئے باعثِ ضرر ہے۔ اسلام میں رزق کے معاملات میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ۔
اے ایمان والو! پاک رزق سے کھاؤ جو ہم (اللہ) نے تم کو دیا۔

پاک رزق سے مراد جائز ذرائع سے کمائی ہوئی روزی ہے۔ جس میں شک و شبہ

کی گنہائش نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے چاہے تو کسی کے رزق میں تنگی کرے اور چاہے تو فراہمی کرے ارشاد ہے۔

اللہ کشادہ کرتا ہے۔ رزق اپنے بندوں میں جس کے لئے چاہے اور تنگی فرماتا ہے بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

اللَّهُ يُبْسِطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ
(رَبِّ - العنكبوت ۶۱)

مطلب یہ ہے کہ جو کچھ مقدر کا لکھا ہے وہ مل کر رہے گا۔

۱۱- حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رازق کو اپنے سے دور نہ سمجھو۔ جو رزق مقدر ہو چکا ہے اس کو حاصل کئے بغیر موت نہیں آسکتی۔ اسی لئے طلب رزق میں خود داری اور شریعت کے حق کا خیال رکھا کرو۔ حلال کو حاصل کیا کرو۔ اور حرام کو چھوڑ دیا کرو۔ (ابن منان)

۱۲- حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا! لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ کمانی میں شریعت کا خیال رکھو۔ جب تک کوئی بندہ اپنا رزق حاصل نہ کرے۔ اس کو موت نہیں آتی خواہ رزق کتنی ہی دیر سے کیوں نہ پہنچے (ابن ماجہ)

صرف انسان ہی نہیں بلکہ اور بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو رزق دیتا ہے۔ ارشاد ہے۔

اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

(رَبِّ - ہود - ۶)

دنیا و مافیہا، خشکی اور تری میں کوئی ذی روح ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ہاں سے نہ آتا ہو۔ اور پھر پرندے، حیوانات اور جنگلی جانور ایسے بے شمار ہیں۔

جن کے پاس اپنی روزی کے ذخیرے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ انہیں بھی اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَكَايِنَ مَنْ وَابْتَهُ لَا تَجْلُ
رِزْقَهَا قَدْ لَلَّهِ يُرْزُقَهَا وَ
اِيَّاكُمْ (پٹ - ع)

اور زمین پر کتنے چلنے والے ہیں کہ اپنی روزی ساتھ نہیں رکھتے۔ اللہ روزی دیتا ہے۔ انہیں اور تمہیں (مصلحت بریلوی) شان نزول یہ ہے۔ حاشیہ میں حضرت مولانا سید نعیم الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں مومنین کو مشرکین شب و روز طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کو فرمایا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم مدینہ شریف کیسے چلے جائیں۔ نہ وہاں ہمارا گھر نہ مال کون ہمیں کھلائے گا اور کون پلائے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ بہنت سے جاندار ایسے ہیں۔ جو اپنی روزی ساتھ نہیں رکھتے۔ اُس کی انہیں قوت نہیں اور نہ وہ اگلے روز کے لئے جمع کرتے ہیں۔ جیسے پرندے وغیرہ تو جہاں ہو گے وہاں ہی رزق دے گا۔ تو یہ کیا پوچھنا کہ ہمیں کون کھلائے گا۔ کون پلائے گا۔ ساری خلق کا اللہ رازق ہے۔ ضعیف اور قوی مقیم اور مسافر سب کو وہی رزق دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم توکل کرو جیسا چاہئے تو وہ تمہیں ایسی روزی دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح مھو کے پیٹ اٹھتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر واپس آتے ہیں۔ (ترمذی)

القصر رازق اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔ البتہ جائز ذرائع سے اس کے

حصول اور فراخی کے لئے کوشش کرنا یہ انسان کا کام ہے۔ کسبِ حلال کو اسلام میں بڑا مقام حاصل ہے۔ اس سلسلے میں حدیث میں بڑی تاکید آئی ہے۔ ملاحظہ ہوں۔

۱:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اگر نکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر بازار میں فروخت

کر کے اور اس کی کمانی کھائے تو یہ بھیک مانگ کر کھانے سے ہتر ہے۔ بھیک اور سوال کیا ہے۔ کوئی دیتا ہے کوئی نہیں دیتا۔ (بخاری و مسلم)

۱۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چار باتیں مگر انسان میں موجود ہوں تو پھر اس کے لئے کوئی اندیشہ نہیں۔ خواہ اس کی دنیا کتنی ہی فوت ہو جائے۔ امانت، پتہ بولنا۔ اچھی خصلت۔ کمانی میں حرام اور شبہات سے احتیاط۔ (احمد)

۱۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ خود بھی پاک ہے اور پاک ہی چیز قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے جس مائت کا حکم پیغمبروں کو دیا ہے اس بات کا عام مسلمانوں کو بھی دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو پاک کمانی کا حکم دیا

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ
وَاصْبِرُوا صَابِرًا ۗ

اسے پیغمبرو! پاکیزہ کھانا کھاؤ اور
نیک عمل کرو

اس طرح عام مسلمانوں کو بھی حکم دیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ
مَا رَزَقْنَاكُمْ ۗ

اے مسلمانوں پاکیزہ غذا کھایا کرو۔

مطلب یہ ہے کہ غذا کی پاکیزگی کے متعلق انبیاء، مرسلین اور عام مسلمان ایک ہی حکم میں شامل ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ جائز ہے۔ وہ جائز ذرائع سے ہی حاصل ہو جائے گا۔

۱۳۔ جو شخص اپنے رزق کو شبہات سے بچائے، حرام رزق سے بچے اور حلال کی روزی کھائے ایسا شخص جو دعا کرے اللہ تعالیٰ اُسے قبول فرماتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لیے دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات بنا دے۔ رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اپنی کمانی کی حلال روزی کھایا کرو۔

اللہ تعالیٰ تمہیں مستجاب الدعوات بنا دے گا۔ (طبرانی بطولہ)

ایک اور حدیث پاک میں ہے۔

حضرت فصیح العینی کعب مصری سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا خوشخبری ہو اُس شخص کو جس کا کسب حلال سے ہو۔ اور اس کے پوشیدہ عمل اپنے ہوں۔ اور اُس کا ظاہر بہتر ہو۔ اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔ خوشخبری ہو اُس شخص کو کہ جو کچھ اُس کو معلوم ہے۔ اُس پر عمل کرتا ہے اور اپنی ضرورت سے بچا ہو مال اللہ کے راستے میں صرف کرتا ہے اور بے کار اور لالیعی بات کہنے سے بچتا ہے۔ (طبرانی)

لہذا قرآن پاک اور احادیث سے ثابت ہوا کہ رزق حلال کو مسلمان کے تمام اعمال و افعال میں اہم اہمیت حاصل ہے۔ حرام رزق والے کی نہ عبادت اللہ کے ہاں مقبول ہے اور نہ حرام مال سے دیئے ہوئے صدقات و خیرات قبول ہوتے ہیں۔

ملکی آبادی کا ایک اچھا خاصہ حصہ تجارت اور کاروباری لین دین سے تجارت تعلق رکھتا ہے۔ اس میں ذخیرہ اندوزی، مصنوعی قلت پیدا کرنا، ناجائز منافع خوری، دھوکہ بازی اور اسی قسم کے دوسرے ہتھکنڈے آئے دن استعمال ہوتے لہتے ہیں۔ کبھی چینی غائب، کبھی آٹا، کبھی گھی، پیاز اور لہسن علیٰ حد القیاس کوئی نہ کوئی چکر چلتا رہتا ہے۔ عوام الناس کی مشکلات اور پریشانیوں کا اکثر احساس نہیں ہوتا۔ ملک کی ترقی اور خوشحالی میں تجارت ملک کے اندر اور باہر اہم کردار ادا کرتی ہے اس میں جو لوگ صدق اور دیانت داری سے کام لیتے ہیں وہ بڑے اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔ اس ضمن میں دو حدیثیں پیش خدمت ہیں۔

۱:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ایک صادق اور امانت دار سوداگر قیامت میں نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی)

۲:- حضرت رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و

اگر دسلم نے فرمایا۔ تہجار کا حشر فرار کے ساتھ ہوگا۔ مگر جو تاجر خدا سے ڈرتا ہے۔
اور صبح بولتا ہے۔ وہ قیامت میں شہدا اور صدیقین کے ہمراہ ہوگا۔

(ترمذی بطورہ)

انسان ہر قدم پر بڑائی سے دوچار ہوتا ہے۔ اس کے اثرات ہمیشہ
تجدید ایمان قلب پر مرتب ہوتے ہیں۔ نیک کام ایمان کو زیادہ کرتے ہیں اور
اگر بڑے کام کئے جائیں تو ایمان میں کمی آجاتی ہے۔ اس سے مراد نفس ایمان میں زیادتی
کمی نہیں ہے۔ البتہ درجات ایمان میں تفاوت ہوتا ہے۔ تمام آیات و احادیث جن میں
ایمان کی زیادتی کمی کا ذکر ہے۔ ان کا یہی مفہوم ہے۔ علم حاصل کرنا ایمان کی مضبوطی کا باعث
ہے۔ اور اگر جہالت ہو تو اس سے ایمان سُست ہوتا ہے جو بندے مسلمان ہوتے ہیں۔ ان
کے دل میں خداوند تعالیٰ ایمان کے نور کو زیادہ کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ پس
جو لوگ ایمان لائے اس سے ان کا ایمان بڑھتا ہے اور خوش رہتے ہیں۔ ظاہر ہے۔
جس چیز میں نیاوتی کو دخل ہو اس میں کمی کا ہونا بھی ناممکن نہیں اس لئے ایمان نقصان کو
بھی قبول کرنے والا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جس وقت ان پر قرآن کی آیتیں
پڑھی جاتی ہیں۔ اس وقت ان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔

وہ جن لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے
لئے جتنا جوڑا ہے تو ان سے ڈر دو تو ان
کا ایمان اور زامد ہوا اور بولے اللہ ہم کو
بس ہے۔ (اعلیٰ حضرت برطویؒ)

النَّبِيُّ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ
إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ
فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ
إِيمَانًا مَّحِيضًا وَقَالُوا
حَسْبُنَا اللَّهُ
وَنِعْمَ التَّوَكِّلُونَ - آل عمران - ۱۶۷

مزید ارشاد ہے۔

وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں
میں ایمان اُتارا تاکہ انہیں یقین پر یقین
پڑھے۔ (پ ۲۶ - الفتح - ۱۶۷)

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ
فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ
لِيَذُودُوا بِإِيمَانِهِمْ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "غنیۃ الطالبین" میں حدیث پاک بیان فرمائی ہے۔

ابن عباس اور زبیر بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما، روایت کرتے ہیں کہ ایمان میں زیادتی بھی ہوتی ہے اور کمی بھی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس طرح لباس پُرانا ہوتا رہتا ہے۔ اس طرح ایمان بھی۔ لہذا تم اللہ سے تجدیدِ ایمان کی دعا کرتے رہا کرو۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

ایک بے عمل مسلمان کا ایک کافر کو دعوتِ اسلام دینا۔

کے زمانے میں ایک آتش پرست کو ایک مسلمان نے دعوتِ اسلام دی اور کہا کہ اسلام قبول کر لینے سے نہ صرف تمہاری نجات ہوگی بلکہ تمہیں کفر سے دور رکھے گی جو جانی آتش پرست نے کہا کہ اسلام یہی ہے جو شیخ بایزید کا ہے تو میری طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ اس اسلام کو انہوں نے بڑی ریاضت سے حاصل کیا ہے۔ میں اگرچہ مسلمان نہیں ہوں لیکن حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان پر میرا ایمان ہے۔ اور میں اپنے دل میں عقیدت رکھتا ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ میرے منہ پر سخت مہر لگی ہوئی ہے۔ لیکن اگر تم مجھے ایسے ایمان کی طرف دعوت دیتے ہو جو تمہارا ہے تو میں ایسے ایمان سے باز آیا اگر کسی کے دل میں ایمان کی طرف رغبت بھی پیدا ہو تو وہ ایسے ایمان کو دیکھ کر جاتی رہتی ہے۔ کیونکہ تم میں صرف ایمان کا نام ہی نام ہے۔ اس کی روح نہیں۔

لہذا سبق ملا کہ ہماری بے عملی کی وجہ سے غیر مذاہب میں اسلام کے متعلق بدگمانیاں پھیلتی ہیں۔ وہ دین اسلام کی طرف رغبت کی بجائے نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے تبلیغ کے ساتھ ساتھ ہمیں پابندی سے ارکانِ اسلام ادا کرنے چاہئیں۔

ع جو ہے راہ عمل میں گامزن وہی محبوبِ فطرت ہے

لہذا نیک کاموں اور کلامِ پاک کی تلاوت اور غور و فکر سے انسان کو اپنے ایمان میں اضافہ کرنا چاہیے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس طرح پانی

سے لہے کو زنگ لگ جاتی ہے۔ اس طرح دلوں میں بھی زنگ لگ جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے استفادہ کیا گیا پھر اسے دور کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ فرمایا قرآن کا پڑھنا اور موت کو کثرت سے یاد کرنا اگر انسان نیک کام ترک کر دے تو آہستہ آہستہ ایمان ضعیف پڑ جاتا ہے۔ ایمان کی تجدید اور اضافہ کے لئے نیک کاموں کا تسلسل جاری رہنا چاہیے۔

ایمان اور پاکیزگی :- ماں ہے۔ حدیث پاک میں پاکیزگی کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

النظور شطر الایمان

پاکیزگی نصف ایمان ہے۔

پاکیزگی کا تعلق انسان کے ظاہری اور باطنی افعال اور اعمال سے ہے۔ کھانے پینے پہننے، رہنے کی جگہ اور عبادت وغیرہ سے ہے۔ اللہ جل شانہ، خود پاک ہے اور پاکیزہ چیزوں کو پسند فرماتا ہے۔ پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ارشاد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ

بے شک اللہ پاک رہنے سے محبت کرتا ہے

چنانچہ انسان کے لئے سرزدی ہے اپنے ظاہری اور باطنی اعمال و افعال میں پاکیزگی کا خاص اہتمام رکھے۔ کھانے پینے اور پہننے سونے میں اس کا خاص رکھے۔ تا پاک جگہ اور کپڑوں میں عبادت قبول نہیں ہوتی۔ نجاست سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں انسان کو اپنے پیشاب کے چھینٹوں اور قطروں سے خصوصی احتیاط کرنی چاہیے کہ ان کے کپڑوں پر گرنے کا اکثر احتمال رہتا ہے۔ اس میں بے احتیاطی انسان کے لئے نقصان دہ ہے۔ سخت باعثِ عذابِ قبر ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”ہمیشہ پاک و ظاہر رہا کرو۔ رزق میں برکت ہوگی۔“

علاوہ ازیں کھانے پینے یعنی رزق کے معاملے میں بھی احتیاط لازمی ہے کہ حرام اور ناپاک غذا انسان کے باطن کو گندہ کر دیتی ہے۔ حرام جسم سے پرورش پانے والا جسم جہنم کی آگ کا سزاوار ہے۔ اہل اللہ اس معاملے میں بڑی احتیاط کی تعلیم فرماتے ہیں۔

کیونکہ یہ ذکر و عبادت کے لئے باعث ضرر ہے۔ پاک رزق وہ ہے۔ جو جائز طریقہ سے کمایا جائے۔ جس کام پر مقرر کیا جائے اور جس کا معاوضہ مزدوری یا تنخواہ لینی ہے۔ اسے اپنے علم اور استعداد کے مطابق پوری طرح ادا کیا جائے۔ بصورت دیگر کمائی مشتبہ ہوگی۔ رشوت، فراڈ، چوری اور میرا پھیری کا تو نام ہی کیا۔

نصیحت

علم و حکمت زاید از رزق حلال عشق و رقت آید از رزق حلال

(رومی رحمۃ اللہ علیہ)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے درخواست کی کہ کوئی نصیحت کریں علامہ نے فرمایا۔ "پیٹ صاف رکھا کریں" اُس نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا اس میں رزق حلال ڈالا کریں۔

بعض اعمال کا ایمان سے گہرا تعلق ہے۔ ان میں کمی یا خامی ایمان ایمان اور حیا کے لئے نقصان دہ ہے۔ حیا بھی اہم عنصر ہے۔ اگر انسان شرم و حیا ترک کر دے تو ایمان ناقص ہو جاتا ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حیا کو جزو ایمان فرمایا ہے۔ حدیث شریف ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ سے حیا کا حق ادا کرو۔ کسی نے عرض کیا ہم اللہ تعالیٰ سے شرماتے ہیں فرمایا یہ حیا نہیں۔ بلکہ دماغی تخیلات پر پورا پورا قابو رکھا جائے۔ پیٹ کو حرام سے بچایا جائے۔ موت کو یاد رکھے۔ قبر میں ہڈیوں کے گل جانے کا دھیان ہے جو شخص آخرت کا ارادہ رکھتا ہے۔ دنیا کی زینت کو ترک کر دیتا ہے۔ جس نے یہ کام کئے۔ اس نے اللہ کی حیا کا حق ادا کیا۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک شخص پر سے گزر ہوا جو اپنے بھائی کو شرم و حیا کی نصیحت کر رہا

تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کو چھوڑ دے جیسا تو ایمان ہے۔

(بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جیسا اور ایمان ساتھ ساتھ ہیں۔ جب ایک چیز گئی تو سمجھو دوسری بھی گئی۔

(بخاری و مسلم)

بے حیائی تمام بُرائیوں کی جڑ ہے۔ جیسا سے محروم رہنا یہ بڑی خرابی کا باعث ہے۔ جیسا کا ایمان سے گہرا تعلق ہے۔ بے حیائی انسان کو بُرائی کی طرف لے جاتی ہے اور بُرائی ایمان کے لئے باعثِ ضرر ہے۔ لہذا ایمان کو محفوظ رکھنے کے لئے بے حیائی سے بچنا از حد ضروری ہے۔ اس سلسلے میں چند ایک ارشادات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نقل ہیں۔

مختلف دنیاوی کاروبار چلانے کے لئے انسان نے مختلف حیاءِ ایمان کا شعبہ ہے۔ شعبے اور ادارے قائم کر رکھے ہیں۔ متعلقہ شعبہ اپنے ماتحت کاروبار کی نگرانی کرتا ہے۔ نظام میں خلل آنے سے روکتا ہے۔ اسی طرح ایمان کا بھی ایک شعبہ ہے جو اسے قائم رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ چنانچہ سرکارِ دعو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جیسا ایمان کا شعبہ ہے" اگر انسان میں شرم و حیاء ہے تو ایمان قائم ہے۔ اور اگر نہیں تو سمجھ لیں اس میں خلل ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

ساتھ ساتھ "جیسا اور ایمان تو ام ہیں۔ جب ایک چلا جاتا ہے تو دوسرا بھی اس کے ساتھ ساتھ رخصت ہو جاتا ہے" جیسا کا اٹھ جانا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور گناہوں کا باعث ہے۔ جیسا کا چھن جانا تباہی کی شاہراہ پر گامزن ہو جانا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

ہم جلس "جیسا اور ایمان جلسِ محفل ہیں۔ جب ایک اٹھتا ہے تو دوسرا بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو جاتا ہے۔"

آقا کملی والے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے
جب جیا چھین جاتی ہے :- فرمایا :-

”جب اللہ کسی بندے کو اس کی نافرمانیوں کے سبب ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس سے جیا سلب کر لیتا ہے۔ جب جیا اس سے چھین جاتی ہے۔ تو وہ دنیا سے نفرت کرنے لگتا ہے اور دنیا والے اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ جب یہ حالت ہوتی ہے تو اللہ اس سے ”امانت داری“ کی صفت بھی لے لیتا ہے اور جب وہ خائف ہو جاتا ہے تو اس سے سلبِ رحمت کر لیتا ہے اور اس سے رحمت بھی چھین جاتی ہے۔ تو جب انسان میں بے جیائی پیدا ہو جائے تو وہ سمجھ لے کہ اس کی ہلاکت کا سامان شروع ہو گیا ہے اور اس سے بچنے کی ہر ممکن سعی کرے۔

صبر کے معنی تنگی اور ناخوشگواری کی حالت میں اپنے آپ کو
صبر اور ایمان :- روکنا، مصیبت میں بے قراری کا اظہار نہ کرنا اور اسے جرات اور بہادری سے برداشت کرنا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں صبر سے مراد یہ ہے کہ انسان پریشانی، مصیبت، سختی اور دشمن سے مقابلہ کے وقت پامردی، استقلال، ثابت قدمی اور جرات کا ثبوت دے۔ کسی قسم کا لگہ شکوہ نہ کرے اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت پر نظر رکھے اور اس کی پسندیدہ راہ پر گامزن رہے۔ صبر کے متعلق قرآن پاک اور احادیث میں بڑی تاکید آئی ہے۔ صبر کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ ارشادات نقل ہیں۔

۱:- ایمان کے دو حصے ہیں، ایک حصہ کو صبر اور دوسرے کو شکر کہتے ہیں۔

۲:- ایمان صبر اور سخاوت کا نام ہے۔

۳:- صبر ایمان کے لئے ویسا ہی ہے جیسے مرجم کے لئے۔

۴:- صبر مسلمان کا نمونہ ہے۔

خود اپنے متعلق حضور نے فرمایا۔ الصبر رِوَالِي۔ صبر میرا لباس ہے۔

مسلمان کی آدھائش کا سلسلہ تادمِ آخر جاری رہتا ہے کبھی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔

اور کبھی بلاؤں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ بلا اللہ کے نیک بندوں کے لئے مفید ہوتی ہے۔ ہر شخص کو اس کے مرتبے کے مطابق بلاؤں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ حدیث پاک ہے۔
 حضرت مصعب بن سعد رضی تعالیٰ عنہ، اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ سب سے زیادہ انبیا علیہ السلام پر بلائیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں اور پھر ان پر جو مرتبہ میں انبیا علیہ السلام کے بعد ہیں۔ اس طرح درجہ بدرجہ جس قدر مرتبہ کم ہوتا جاتا ہے۔ اس قدر بلائیں کم ہوتی جاتی ہیں مددی لپنے دین کے موافق مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ جس قدر دین میں پختگی ہوگی۔ اسی قدر اس پر بلائیں بھی زیادہ آئیں گی۔ دین میں ہلکا ہوگا (مراد کم رتبے کا مالک) تو مصائب بھی کم نازل ہوں گے۔ بلا بندہ پر سے گزر جاتی ہے۔ وہ زمین پر گناہوں سے پاک و صاف ہو کر چلتا ہے۔ اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔ (ترمذی)
 اور ایک حدیث شریف میں مومن کی مثال یوں بیان فرمائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کھیتی۔ جس کو ہواؤں کے جھونکے ہر وقت حرکت دیتے رہتے ہیں۔ اس طرح مومن کو بھی کچھ نہ کچھ بلائیں پہنچتی رہتی ہیں۔ منافق کی مثال ایسی ہے جیسے صنوبر کا درخت جب گرتا ہے تو ایک دفعہ جڑ سے ہی اکھڑ پھینک دیا جاتا ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت مصائب پر صبر کا اجر۔ کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صبر دیتا۔ صبر کی توفیق سے بہتر کوئی عطا نہیں۔ (بخاری و مسلم)

جو لوگ مصائب پر صبر کرتے ہیں۔ اللہ کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم سے نوازتا ہے۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، روایت کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا! قیامت کے دن جب اہل بلا کو ثواب دیا جائے گا۔ تو اہل عافیت اس امر کی تمنا کریں گے کہ کاش دُنیا میں ان کو بھی تکلیفیں پہنچتی اور ان کے جسموں کو کاٹ کاٹ کر بوٹیاں بوٹیاں کر دیا جاتا۔ (ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ مصیبت زدہ کا ثواب دیکھ کر اہل عافیت بھی کہیں گے کہ ہم کو دُنیا میں دُکھ پہنچتا تاکہ یہاں ثواب حاصل کرتے۔ ایک اور حدیث پاک میں یوں وارد ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن شہید اور سخی وغیرہ سب سے حساب ہوگا۔ لیکن اہل بلا آئیں گے تو نہ ان کے نامہ اعمال کھولے جائیں گے اور نہ ترافق قائم کی جائے گی۔ بلکہ ان پر اجر و ثواب مینہ کی طرف برسے گا۔ یہاں تک کہ اہل عافیت اس ثواب کو دیکھ کر کہیں گے۔ کاش ہم کو دُنیا میں دُکھ پہنچتا اور ہماری کھال قینچیوں سے کاٹی جاتی۔

(طبرانی)

مصائب پر صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا کہ اس میں کوئی بہتری ہوگی۔ عین ایمان ہے۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! صبر کرنا اُدھا ایمان ہے اور یقین پورا ایمان ہے۔ (طبرانی)

قرآن پاک میں بارہا صبر کے متعلق ارشاد ہوا ہے صبر کرنے والوں کی مدد اور اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

انَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ مصائب میں صبر و استقامت اختیار کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے اور انکو کامیابی عطا فرماتا ہے۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرے اس پر بھروسہ کرے اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو فلاح نہیں کرتا اس کا معاوضہ اُسے عطا کرتا ہے۔ ارشاد ہے۔

بے شک جو کوئی تقویٰ اختیار کرے اور
صبر سکام لے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کا اجر
صانع نہیں کرتا۔

إِنَّهُ مِنْ يَتَّقِي وَيَصْبِرْ فَإِنَّ
اللَّهَ لَا يُفْنِعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ
(پکا یوسف - ۷۵)

صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بے حساب ثواب عطا فرمائے گا۔ ارشاد ہے۔
إِنَّمَا يُؤْتِي الصَّابِرِينَ
أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ط

صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب
ملے گا۔
راحت ہو یا تکلیف، تندستی ہو یا بیماری، جنگ ہو یا امن کسی حال میں بھی
صبر کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ بدلتے ہوئے حالات میں ذہنی توازن اور
اعتدال کو برقرار رکھیں۔ کوئی فرد یا قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک
وہ صبر کی خوبیوں کے حامل نہ ہوں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
جو حکم خدا پر سر تسلیم خم نہ کرے۔ خدائی فیصلے پر راضی نہ ہو۔ اپنا کام خدا کے حوالے نہ
کرے۔ اللہ پر بھروسہ نہ رکھے اور مصیبت پر صبر نہ کرے وہ مومن نہیں۔

شکر کے لغوی معنی ماننا یا عطا کرنا ہے اور اصطلاح میں نعمت کے
ایمان اور شکر۔ سبب منعم کی اظہار عظمت کو شکر کہتے ہیں۔ شکر یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ
کے احسان اور کرم نوازی پر اس کی صفت بجالائے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا دل
اور زبان سے اقرار کرے۔ اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کرے۔ شکر تین طرح کا ہے۔ زبان
سے شکر ادا کرنا۔ نیاز مندی کے ساتھ نعمت کا اعتراف کرنا۔ شکر انسان کے جسم سے تعلق
رکھتا ہے۔ دفائے عہد، عبدیت، خدمت گزاری اور دل سے شکر کرنے پر ثابت قدم
رہے۔ آنکھوں کا شکر یہ ہے کہ اپنے دوست میں عیب دیکھے تو اُسے چھپائے۔ کانوں
کا شکر یہ ہے کہ اپنے دوست میں عیب سُنے تو اُسے چھپائے۔ غرض خدا تعالیٰ کی قیمتی نعمتیں
ہیں ان کی ناشکری نہ کرے۔ بزدلوں کا کہنا ہے کہ عام لوگوں کا شکر یہ ہے کہ قول اور گفتار
میں سچے ہوں۔ خدا کے امر و نواہی بیان کریں۔ عابدوں کا شکر یہ ہے کہ وہ اللہ کی راہ

میں ثابت قدم رہیں۔ یعنی ہر حال میں اپنی اطاعت اور نیکی میں ترقی کرتے رہیں جو اطاعت اور عبادت کو وہ بجالائیں اُسے توفیق اور تائید الہی سمجھیں۔ یہ لوگ گوشہ عدلت اختیار کرتے ہیں۔ فنا فی اللہ ہوتے ہیں۔ فردوسی اپنے تصور اور جہل کا اقرار کرتے ہیں۔ ہر حال میں نیاز مند رہتے ہیں یہ ساری باتیں شکر کہلاتی ہیں۔ شکر بجالانے سے انسان کسی طرح اللہ تعالیٰ پر احسان نہیں کرتا اس میں انسان کے اپنے ہی نفس کی بہتری ہے۔ اللہ کی نعمتوں اور قرب کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کے شکر کا محتاج نہیں۔ ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ
لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ
اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ

اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو بے شک اللہ بے پردا ہے۔ سب خوبیوں سرابا

رپا۔ لقمان - ۱۱

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شکر یہ ہے کہ اپنے آپ کو عطائے نعمت کا مستحق نہ جانے قول ہے کہ شاکر وہ ہے جو عطا شدہ نعمت پر شکر کرتا ہے اور شکر وہ ہے جو اپنی گم شدہ نعمت پر شکر ادا کرتا ہے۔

عطا سے ردائیت ہے کہ میں نے حضرت
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان :- عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو مشاہدات آپ نے دیکھے مجھ سے بیان فرمائیں۔ آپ یہ سن کر رو پڑیں اور فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کون سا حال تعجب خیز نہیں۔ فرمایا ایک رات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور بستر پر میرے ساتھ آرام فرمانے لگے۔ آپ کا جسم مبارک میرے جسم سے مس ہوا آپ نے فرمایا۔ اے ابو بکر کی لڑکی مجھے عبادت کرنے کی اجازت دے۔ میں نے عرض کیا اگرچہ میں آپ کی صحبت کو پسند کرتی ہوں۔ مگر مجھے آپ کی یہ خواہش منظور ہے اور اجازت دیتی ہوں۔ چنانچہ آپ اٹھے مشکیزہ سے وضو کیا۔ پھر نماز پڑھنے لگے اور اس قدر روتے کہ آپ کے مبارک سینہ پر آنسو بہنے لگے۔ رکوع کیا پھر روتے بجدہ کیا تو بھی روتے

رہے۔ سجدہ سے سر اٹھایا تو اس وقت بھی رو رہے تھے کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور نماز کی اطلاع دی۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے رونے کا سبب پوچھا اور کہا کہ آپ کیوں رونے جب کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہ بنوں کہ میں کس طرح اس کا شکر بجالاؤں۔

روایت ہے کہ ایک پیغمبر کا گزر ایک چھوٹے پتھر کے

ایک بزرگ کا واقعہ :- پاس سے ہوا پتھر میں سے بہت سا پانی نکل رہا تھا پتھر کو دیکھ کر بہت ہی تعجب ہوا۔ اس اثناء میں اللہ تعالیٰ نے پتھر کو بولنے کی طاقت فرمائی۔ پیغمبر نے اس سے پوچھا تیرا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا جس وقت سے میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سنا ہے کہ جس آگ کا ایندھن پتھر اور آدمی ہیں۔ اس وقت سے میں خوف و ڈر کے مارے رو رہا ہوں۔ پیغمبر نے اس پتھر کے حق میں دعا فرمائی کہ اے اللہ اس پتھر کو آگ سے نجات دے تب اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فرمایا کہ میں نے اسے نجات دی ایک دن پھر اس پیغمبر کا گزر پتھر پر سے ہوا تو دیکھا کہ پتھر میں سے پھسے سے زیادہ پانی جاری ہے۔ آپ کو تعجب ہوا اللہ تعالیٰ نے دوبارہ پتھر کو بولنے کی قوت عطا فرمائی۔ تب پتھر نے عرض کیا کہ پہلے میں خوف اور غم سے ایسا تھا مگر اب خوشی اور شکر سے رو رہا ہے۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ جو آدمی شاکر ہوتا ہے۔ اس کی نعمتیں ہمیشہ زیادہ ہوتی اور ترقی کرتی رہتی ہیں کیونکہ وہ نعمتوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں دوں گا۔ صابر شخص اللہ کی پناہ میں رہتا ہے۔ اس لئے خدا سے بلا سے بچا لیتا ہے۔

یہ ایک عام روش ہے کہ جب بھی دنیا کا کوئی فاتح کسی مفتوح شہر میں داخل ہوتا ہے تو اس کا سربجز و غرور سے بلند ہوتا ہے۔ وہ فتح کو اپنی قوت بازو کا نتیجہ تصور کرتا ہے۔ لیکن دین اسلام میں اس کا تصور مختلف ہے۔ کامیابی اور ناکامی دونوں کا سرشتہ کسی بالاتر ہستی کے ہاتھ میں ہے۔ فتح مکہ و خیبر کے موقع پر سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سراندس بارگاہ ایزدی میں خم فرما کر شہر میں داخل ہوئے۔

ابن اسحاق سے روایت فتح مکہ میں جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ذی طویٰ میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ نے اپنی سواری پر توقف کیا اور ابن اسحاق فرماتے ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ذی طویٰ میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے ترجمہ آپ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ نے سواری پر توقف کیا تاکہ اپنا سر خدا کے سامنے جھکالیں پھر یہاں تک آپ بھکے کہ آپ کی ٹھوڑی قریب تھی کہ کجاوا کی لکڑی سے لگ جائے۔

مقربین الہی کی اصطلاح میں کامیابی کو اپنے وقتِ بازو، حسن تدبیر کی طرف منسوب کرنا شرکِ کفر کے ہم پل ہے انجوہر کامیابی اور مسرت کے واقعہ کے اندر خود قادرِ کل کا دستِ غیر مرنی کام کرتا نظر آتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ

اِنَّ كَانَ اِذَا جَاءَ لَا اَمْرٍ سُرِدٍ
اُولَیْسَ بِہِمْ خَيْرٌ سَاجِدًا
شَاكِرًا اللهُ تَعَالٰی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر آتی تھی تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے آپ فوراً سجدہ میں گر پڑتے۔

وحی کے ذریعے سے جب آپ کو معلوم ہوا کہ جو مجھ پر درود بھیجے گا اُس پر خدا درود بھیجے گا تو اس رفعِ منزلت پر آپ نے سجدہ شکر ادا کیا۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکے سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور جب مقامِ روعا کے قریب پہنچے تو سواری سے اتر گئے اور ہاتھ اٹھا کر دیر تک بارگاہِ الہی میں دُعا کی، پھر سجدہ میں گئے اور دیر تک اسی حالت میں پڑے رہے۔ پھر سر اٹھا کر بدستور دُعا کے لئے ہاتھ پھیلائے اور دیر تک سجدہ میں رہے۔ پھر اٹھ کر تضرع کے ساتھ دُعا شروع کی اور اس کے بعد جہیں نیازِ خاک پر رکھی اس دُعا و سجدہ سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا میں نے اپنی اُمت کی مغفرت کے لئے خدا سے دُعا مانگی تھی۔ جس کا ایک حصہ قبول ہوا میں شکر کے لئے سجدہ میں گرا۔ پھر مزید درخواست

کی۔ اس نے وہ بھی قبول کی میں سجدہ شکر بجالایا اور پھر دُعا و زاری کی اُس نے اس کو
 بھی درجہ اجابت بخشا اور پھر میں سجدہ میں گر پڑا۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی
 حیات طیبہ میں بڑی بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ تاہم آپ کے آئینہ دل میں کبھی فخر و غرور
 نے اپنا عکس نہیں ڈالا۔ آپ نے فرمایا۔

اَنَا سَيِّدٌ وَّلِدِ اٰدَمَ وَاَلْفَخْرِ
 میں آدم کے بیٹوں کا سردار ہوں لیکن مجھے
 اس پر فخر نہیں۔



اخلاق ایمان و اولوں کی صفات اور درجات

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق پاکیزہ کے
ایمان اور اخلاق :- متعلق ارشاد ہوا۔

إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ
اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تیرے اخلاق بہت
اچھے ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغمبر خدا سے پوچھا
ایمان کی رو سے مسلمانوں میں بہتر آدمی کون ہے؟ آپ نے فرمایا لوگوں میں سے بہتر وہ
ہے جس کے اخلاق حمیدہ ہوں کیونکہ بندہ کی خصلتوں میں سب سے بہتر خصلت حسن
خلق ہے۔ اس سے انسان کا ذاتی جوہر معلوم ہوتا ہے اور یہ جوہر نیک اخلاق میں ہی
پوشیدہ ہے۔ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حمیدہ کی تعریف جس طرح
اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ ویسی کسی اور کی تعریف نہیں کی۔ بزرگوں کا قول ہے کہ خوش خلق
انسان اپنے آپ کو بیچ جانتا ہے اور دوسروں کا بڑا خیال کرتا ہے۔ اچھے اخلاق والا
دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث نہیں بنتا۔ وہ خود محنت و مشقت برداشت کرتا ہے
لیکن دوسروں کو آرام پہنچاتا ہے۔ اپنے مال سے دوسرے کو نفع پہنچاتا ہے جہاں
سب ممکن ہو سکے۔ انسان کی خوش اخلاقی ایک اعلیٰ عمل ہے۔ اسے ہر حال میں اختیار
کیا جائے یہ دنیا اور آخرت دونوں میں باعث نجات ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دس باتیں مکارم اخلاق ہیں۔
اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسکو عنایت کرتا ہے ممکن ہے کہ آدمی میں ہوں اور اس
کو باپ میں نہ ہوں ملام میں ہوں اور آقا میں نہ ہوں۔

اول راست گفتاری، دوم لوگوں سے رستی برتنا سوم سائل کو دینا۔ چہارم

سلوکوں کا مکافات کرنا۔ پنجم صلہ رحمی۔ ششم امانت کی حفاظت۔ ہفتم ہمسایہ کے حق کی رعایت۔ ہشتم ہم صحبتی کا پاس۔ نہم مہمان کی دعوت۔ دہم جو سب کی اصل ہے وہ حیا ہے۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد :- سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں بدترین کون ہے؟ فرمایا جس کا اخلاق بُرا ہو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد
حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد :- ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ اپنے کپڑوں کو پاک کرو۔ یعنی اپنا خلق اچھا بناؤ اور فرمایا "میں نے اپنی ظاہر و باطن کی تمام نعمتیں تم پر ختم کر دیں۔ ظاہر سے مراد حسنِ آفرینش اور باطن سے مراد نیک اخلاق ہیں۔"

روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت علی
حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ کا اخلاق :- کرم اللہ وجہہ نے اپنے غلام کو پکارا تو اس نے جواب نہ دیا، دوسری اور تیسری مرتبہ پکارا گیا پھر بھی وہ نہ بولا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ لیٹا ہوا ہے آپ نے فرمایا اے غلام تو سنتا نہیں! اس نے جواب دیا میں سنتا ہوں آپ نے فرمایا پھر پوتا کیوں نہیں۔ اس نے جواب دیا اس لئے کہ آپ سے آزار پہنچنے کا مجھے خوف نہیں۔ اس نے میں نے بولنے میں غفلت سے کام لیا۔ آپ نے فرمایا جاؤ تمہیں خدا کے صدقے کے طور پر آزاد کر دیا گیا۔ کہا گیا ہے کہ نیک خلق یہ ہے کہ ظاہر میں لوگوں سے مل جل کر رہے۔ مگر دل میں ان سے علیحدہ رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لوگوں کے آزار کو برداشت کرے۔ حقوق العباد ادا کرے۔

لقمان نے اپنے فرزند کو کہا کہ تین آدمی باوقار تین چیزوں کے بغیر نہیں پہنچانے جاتے۔

سلوکوں کا مکافات کرنا۔ پنجم صلہ رحمی۔ ششم امانت کی حفاظت۔ ہفتم ہمسایہ کے حق کی رعایت۔ ہشتم ہم صحبتی کا پاس۔ نہم مہمان کی دعوت۔ دہم جو سب کی اصل ہے وہ حیا ہے۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد :- سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں بدترین کون ہے؟ فرمایا جس کا اخلاق بُرا ہو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد
حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد :- ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ اپنے کپڑوں کو پاک کرو۔ یعنی اپنا خلق اچھا بناؤ اور فرمایا "میں نے اپنی ظاہر و باطن کی تمام نعمتیں تم پر ختم کر دیں۔ ظاہر سے مراد حسنِ آفرینش اور باطن سے مراد نیک اخلاق ہیں۔"

روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت علی
حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ کا اخلاق :- کرم اللہ وجہہ نے اپنے غلام کو پکارا تو اس نے جواب نہ دیا، دوسری اور تیسری مرتبہ پکارا گیا پھر بھی وہ نہ بولا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ لیٹا ہوا ہے آپ نے فرمایا اے غلام تو سنتا نہیں! اس نے جواب دیا میں سنتا ہوں آپ نے فرمایا پھر پوتا کیوں نہیں۔ اس نے جواب دیا اس لئے کہ آپ سے آزار پہنچنے کا مجھے خوف نہیں۔ اس نے میں نے بولنے میں غفلت سے کام لیا۔ آپ نے فرمایا جاؤ تمہیں خدا کے صدقے کے طور پر آزاد کر دیا گیا۔ کہا گیا ہے کہ نیک خلق یہ ہے کہ ظاہر میں لوگوں سے مل جل کر رہے۔ مگر دل میں ان سے علیحدہ رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لوگوں کے آزار کو برداشت کرے۔ حقوق العباد ادا کرے۔

لقمان نے اپنے فرزند کو کہا کہ تین آدمی باوقار تین چیزوں کے بغیر نہیں پہنچانے جاتے۔

۱:- بڑبار اور حلیم غصہ کے وقت۔

۲:- دلیر اور شجاع لڑائی کے وقت۔

۳:- بھائی حاجت کے وقت۔

اخلاق کے متعلق نفع عامہ کو مد نظر رکھتے ہوئے چند احادیث نقل ہیں۔

۱:- حضرت نواس بن سمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حسنِ خلق ایک بہترین نیکی ہے۔ (مسلم)

۲:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق بہت اچھے ہیں۔

(بخاری و مسلم)

۳:- حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم کا فرمان ہے۔ قیامت کے دن نامہ اعمال کی ترازو میں حسنِ خلق سب سے

وزنی ہوگا۔

(ترمذی بطولہ)

۴:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم سے کسی نے پوچھا وہ کنسی صفت ہے جو انسان کو جنت میں لے جاتی ہے۔

(ترمذی بطولہ)

ارشاد فرمایا اللہ کا خوف اور حسنِ خلق۔

۵:- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ بیان کرتی ہیں حضور اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس مومن کے اخلاق اچھے ہیں اس کو دن

(ابوداؤد)

کے روزے اور رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔

۶:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ حسنِ خلق کے باعث اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو روزہ رکھنے

والوں اور نماز پڑھنے والوں کے مرتبہ پہنچا دیتا ہے۔ (حاکم)

۷:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت

کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس بندہ کے اخلاق اچھے ہیں وہ قیامت میں عزت و

شرافت کے مرتبہ کو حاصل کرے گا۔ اگرچہ اس کے اعمال کم ہی کیوں نہ ہوں۔

(ابن ابی الدنیا)

۸:- حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تم کو سب سے زیادہ سہل اور آسان عبادت بتلا دینا چاہتا ہوں۔ ایک خاموش رہنا دوسرے حسنِ خلق۔ (ابن ابی الدنیا)

۹:- حضرت ابو العلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اگر ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا حسنِ خلق اس نے بائیں طرف جا کر پھر یہی سوال کیا آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ اس نے پیٹھ پیچھے جا کر یہی سوال کیا آپ نے فرمایا تجھے کیا ہو گیا ہے۔ کہ اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتا۔ حسنِ خلق یہ ہے کہ غصہ نہ کیا کر۔ (محمد بن نصر المرزوقی)

۱۰:- حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے باوجود حقی پر ہونے کے جھگڑے اور لڑائی کو ترک کر دینے کی وجہ سے اپنے مطالبہ سے دست برداری کر لی تو میں اس کیلئے اس امر کا ذمہ دار ہوں کہ اس کا گھر جنت کے ابتدائی حصہ میں بنا دیا جائے اور جس شخص نے جھوٹ بڑھا کر ترک کر دیا، ہنسی مذاق دل لگی میں بھی جھوٹ نہیں بولا۔ اس کے لئے میں ضمانت دیتا ہوں کہ اس کا گھر جنت کے بچوں پر بنا دیا جائے گا۔ جس شخص نے اپنے اخلاق کو درست کیا اس کے لئے میں ضمانت دیتا ہوں کہ اس کا مکان جنت میں سب سے اونچا ہوگا۔ (ابوداؤد)

۱۱:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ قیامت کے دن میری نظر میں سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں گے۔ (ابوداؤد)

۱۲:- حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا میں تجھ کو دو باتیں ایسی بتا دیتا ہوں جو عمل کرنے میں

بہت ہلکی اور نامہ اعمال کی ترازو میں سب سے بھاری ہیں ایک تو حسنِ خلق کو کبھی نہ چھوڑیو۔ دوسرے اکثر اوقات میں خاموش رہا کیجیو۔ خدا کی قسم مخلوق نے کوئی کام ان دونوں کاموں سے بہتر نہیں کیا۔
(ابو یعلیٰ)

۱۳: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت میں جب کہ تمام لوگ حساب کے لئے کھڑے ہوں گے۔ تو ایک گروہ میدانِ حشر میں اس طرح اُٹے گا کہ ان کی تلواریں ان کے گلوں میں ٹکی ہوں گی اور ان سے خون سے بہ رہا ہوگا۔ یہ تمام لوگ جنت کے دروازے کے قریب اکٹھے ہو جائیں گے۔ جب یہ پوچھا جائیگا کہ کون لوگ ہیں تو جواب آئے گا یہ شہیدوں کی جماعت ہے یہ لوگ اپنے مقتول فی سبیل اللہ ہونے کے بعد اللہ کے شان سے زندہ ہوئے ہیں۔ ان کو عمدہ رزق دیا جاتا ہے۔ اتنے میں ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا کہ جن لوگوں کا اجر اللہ تعالیٰ پر واجب ہے وہ کھڑے ہو جائیں اور جنت میں جائیں پھر اسی طرح دوبارہ پکارنے والا پکار کر کہے گا۔ جن لوگوں کا اجر اللہ تعالیٰ پر واجب ہے وہ کھڑے ہو جائیں اور جنت میں چلے جائیں۔ اس کا جواب یہ ملے گا کہ جو لوگ دوسروں کے قصور معاف کر دیا کرتے ہیں وہ ایسے ہیں جن کا اجر اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ اس کے بعد تیسری مرتبہ اعلان ہوگا۔ جن لوگوں کا اجر اللہ تعالیٰ پر واجب ہے وہ لوگ جنت میں داخل ہو جائیں۔ سرکارِ دہ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد لوگوں کی ایک خلص تعداد جنت میں بلا حساب داخل ہو جائے گی۔
(طبرانی)

مومن کا یہ فرض ہے کہ ایمان لانے کے بعد احکامِ الہی ایمان والوں کی صفات سے بال برابر انحراف نہ کرے گا۔ زندگی کے ہر شعبے میں ان کو ملحوظ رکھے۔ غیر مذہب اور باطل عقائد کے لوگوں سے تعلقات اور میل ملاپ نہ رکھے۔ یہاں تک کہ اگر انسان کے قریبی رشتہ دار بھی ہوں تو ان سے تعلقات منقطع کرے۔ جو اللہ کے دین کو چھوڑ کر ناپسندیدہ عقائد کی طرف مائل ہو۔ ان سے میل ملاپ

باعث ضرر دین ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا
تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ
أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ
عَلَى الْإِيمَانِ ط وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ
فَإِنَّ ذَلِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

پ ۱۰ - التوبہ - ع ۸

اے ایمان والو! اپنے آباؤ اجداد اور
بھائیوں کو رفیق مت گردانو۔ اگر وہ ایمان
چھوڑ کر کفر پسند کریں اور جو تم میں ان کی
رفاقت کرے پس وہ لوگ گنہگار ہیں۔

غیر مذہب والوں اور اپنے قریبیوں سے ایسا میل جول نہ رکھیں۔ جو ایمان
والوں کے لئے نقصان دہ ہو۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اللہ دَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا۔
اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔ جس کا اللہ تعالیٰ دوست ہو۔ اسے یہ زیبا نہیں کہ
وہ اللہ کے منکروں سے میل جول رکھے۔ ایمان والوں کی رفاقت اور دوستی کے لئے
ایمان والے ہی مناسب ہیں۔ اسی لئے سورہ آل عمران میں ارشاد ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكُفْرِيْنَ
أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ
الْمُؤْمِنِينَ۔

ایمان والے اللہ کا انکار کرنے والوں کو
قریبی بے تکلف دوست، رفیق اور ساتھی
نہ بنائیں۔ ان کی رفاقت کے لئے ایمان
والے ہی کافی ہیں۔

آیہ آل عمران - ع ۱۳

ایک قدرتی بات ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ہمتی کو مانتے ہی نہیں وہ اس کا اثبات
کرنے والوں یا ایمان والوں کو کیونکر پسند کریں گے۔ ان کی تو بہر ممکن کوشش ہوگی کہ
ان کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔ ان سے میل جول اور تعلقات ایمان والوں کے لئے
کو تا ہیوں کا باعث بن سکتا ہے۔ لہذا حکم الہی ہے کہ ان سے منقطع ہو کر میری طرف
رجوع کرو۔ میری مدد اور دوستی پر انحصار کریں۔

ایمان والوں کی کچھ صفات کا یوں ذکر ہوا ارشاد ہے۔

اسے ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں نیک بات کا حکم دیتے ہیں۔ بری بات سے منع کرتے ہیں۔ نماز قائم رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلتے ہیں وہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ
أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ يَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ
الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ
فَرِحُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ
أُولَئِكَ يَرْحِمُهُمُ اللَّهُ ط
رپ ۱۰۔ التوبہ۔ ۱۶

ایمان والے مردوں یا عورتیں ان سب کی صفت یہ ہے کہ وہ آپس میں ہمدرد و غم خوار ہیں۔ انسانی بھلائی میں مصروف رہتے ہیں دنیکی کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں۔ احکام خداوندی، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دیگر شایع اسلامی کی پابندی کرتے ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی تعمیل میں مصروف رہتے ہیں۔ انہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ایمان والوں کے درجات :- اور ان میں کسی طرح فرق یا اختلاف نہ کیا عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ ارشاد ہے۔

اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی کو جدا نہ کیا۔ اللہ ان کو ان کا ثواب جلد دیگا اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَ
رُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ
أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَئِكَ سَوْفَ
لِيُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ أَجْرَهُم ط وَكَانَ اللَّهُ
غَفُورًا رَحِيمًا رپ ۶۔ نساء۔ ۱۱۶

ایماندار وہی سمجھا جائے گا۔ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ ان

میں کسی قسم کا فرق نہ ڈالے۔ بعض رسولوں کو ماننا اور بعض کا انکار نہ پورا ایمان اور نہ پورا کفر یہ سب ایک ہی زمرے یعنی کفر میں آتے ہیں۔ ایمان والوں کے لئے اللہ کی رحمت، مغفرت ہر وقت تیار ہے۔ ان کو آخرت میں پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ اور وہ نہ ختم ہونے والے امن و سکون میں ہوں گے۔

مزید ارشاد ہے۔

پس جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے
نیک تو ان کو ان کا ثواب پورا ملے گا۔
اور زیادہ دے گا اپنے فضل سے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ
وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ

رپ ۶۔ النساء۔ ۷۴

ایمان والوں کو نیک عمل کی جزا ان کے اعمال سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے

عطا فرمائے گا۔ ان کے انعامات کا یوں ذکر فرمایا۔ ارشاد ہے۔

اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی
عورتوں کو باغوں کا وعدہ دیا ہے۔ کہ ان
کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ انہی میں رہا کریں
گے اور ستمرے مکان کے رہنے کے
باغوں میں اور اللہ کی رضا مندی سب
سے بڑی ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

وَعْدُ اللَّهِ الْمَوْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا ذَٰلِكَ جَزَاءُ
الَّذِينَ كَانُوا يَتَّقُونَ اللَّهَ
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَالَّذِينَ كَانُوا يُؤْتُونَ
مَالَهُمْ سِرًّا وَنَجْوًى
مِمَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

رپ ۱۰۔ التوبہ۔ ۷۴

عذرا اس مکان یا جگہ کو کہتے ہیں جو آدمی کی اپنی مستقل رہائش گاہ ہو۔ عارضی یا
کرائے کی نہ ہو۔ آدمی حقیقی خوشی اس وقت محسوس کرتا ہے۔ جب آرام کی جگہ اس کی
اپنی مستقل رہنے کی ہو۔ اس آیت کریمہ میں سچے مومنوں کو وعدہ دیا گیا ہے کہ انہیں اللہ
تعالیٰ ایسی جنت عطا فرمائے گا۔ جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اس میں ان کے رہنے
کو پاکیزہ مکان ہوں گے۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں مقیم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو

بتائے گا کہ وہ ان سے راضی ہے۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ یہ سب سے بڑی سعادت ہے۔ یہ مومن کے نیک اعمال اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا صلہ ہے۔

صلوٰۃ التَّسْبِيحِ

حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ اے چچا کیا میں تم کو ایک ایسی نماز سکھاؤں جس کے پڑھنے سے تمہارے تمام گناہ بخش دیئے جائیں۔

اے میرے چچا۔ چار رکعتیں اس طرح پڑھو کہ ہر رکعت میں فاتحہ اور کوئی سورت کے بعد پندرہ بار کہو۔ بِسْمَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ذَا اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ پھر رکوع میں انہی کلمات کو دس بار اور رکوع سے سر اٹھا کر دس بار اور اس کے بعد سجدہ میں دس بار سجدہ سے سر اٹھا کر دس بار۔ دوسرے سجدہ میں دس بار۔ دوسرے سجدے کے بعد قبل از قیام دس بار یہ پچھتر بار ہو گئے۔ اگر ہو سکے تو ہر روز یہ نماز پڑھا کرو۔ در نہ ہر جمعہ کو نہ ہو سکے تو ہر مہینہ میں یا ہر سال میں ایک بار ضرور پڑھ لیا کرو یہ بھی ممکن نہ ہو تو تمام عمر میں ایک ہی دفعہ اس نماز کو پڑھ لو۔

(ابوداؤد ابن ماجہ۔ بیہقی)

جہاد فی سبیل اللہ

جہاد عربی کے لفظ "جہد" یا "جہد" سے مشتق ہے اس کے لغوی معنی "کوشش" مفہوم ۱۔ ہیں۔ شرعی اصطلاح میں جہاد اس بھر پور کوشش کو کہتے ہیں جو ایک مسلمان اللہ کے دین کی سر بلندی اور شرک کو مٹانے اور اپنے ملک کے دفاع کے لئے سر انجام دیتا ہے خواہ یہ کوشش مال و جان سے ہو یا تحریر و تقریر سے۔ جہاد کا دائرہ اپنے مفہوم کے لحاظ سے بہت وسیع ہے یہ مسلمان کی پوری زندگی پر عادی ہے اس میں ہر قسم کی جدوجہد شامل ہے۔ جہاد قول، فکری، مالی اور عملی تمام لحاظ سے ہو سکتا ہے۔ دین کی اشاعت خدمت، حمایت و حفاظت اور سر بلندی کے لئے جدوجہد امت مسلمہ کے دفاع کے لئے کوشش کرنا اور اس میں مصروف رہنا اور کبھی تلوار پکڑ کر میدان میں آنا جہاد کہلاتا ہے۔ اسلام میں جہاد کے ساتھ فی سبیل اللہ کی شرط لگا دی گئی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اللہ کے دین کی عظمت، فتنہ و فساد کا خاتمہ اور اسلام اور ملک کے دفاع کے لئے جو بھی کوشش کرے۔ اُس میں اُسے اپنی ذات، مال و دولت اور شہرت و ناموری حاصل کرنے کا خیال تک نہ ہو۔ اگر ان میں سے کوئی بھی خیال ذہن میں ہو تو مجاہد کی قربانی اللہ تبارک تعالیٰ کے پاں مقبول نہیں۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔ اُس کی نیت ثواب کی بھی ہے اور شہرت کی بھی ہے تو ایسے شخص کو کیا ملے گا؟ حضور نے تین مرتبہ فرمایا کچھ نہیں ملیگا۔ اور پھر فرمایا اللہ تعالیٰ وہی عمل قبول کرتا ہے جو صرف خلوص کے ساتھ کیا جائے اور جس عمل میں

اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ (ابوداؤد)

جہاد میں نیت اور خلوص کے بارے میں ایک اور حدیث پاک ملاحظہ ہو۔
حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
کی خدمت میں ایک دیہاتی نے حاضر ہو کر دریافت کیا۔ حضور کوئی عنایت کے لیے لڑتا ہے۔
کوئی شہرت کے لیے لڑتا ہے کوئی اپنی شجاعت کے جتانے کو لڑتا ہے ان سب میں مجاہد
فی سبیل اللہ کون ہے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کا بول بالا کرنے کو لڑتا ہے اور خدا کا کلمہ بلند کرنا
اس کا مقصود ہوتا ہے۔ صرف وہی مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔ (بخاری و مسلم)
مذکورہ بالا احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ جہاد میں اگر مجاہد کی کوئی ذاتی غرض شامل
ہوگئی تو کیا دھرا سب اکارت ہو جائے گا وہ مشکلات اور مصائب برداشت کرنے کے
باوجود مجاہد فی سبیل اللہ کی ابدی نعمتوں سے محروم ہو جائے گا اس کے لئے انتہائی
احتیاط درکار ہے۔

یہ غرور و خندق کا واقعہ ہے۔ عکرمہ کا سوار
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل :- دستہ جس میں عمرو بن عبدود بھی شامل تھا
گھوڑے دوڑا کر ایک جگہ جہاں سے خندق کی چوڑائی کم تھی اُسے عبور کرنے میں کامیاب
ہو گئے۔ یہ خندق عبور کر کے مسلمانوں کے روبرو آ گئے۔ عمرو بن عبدود بڑا جسیم، طاقتور
اور دلیر تھا۔ اُس کے چہرے سے ایسی ہیبت ٹپکتی تھی جو اُس کے ساتھیوں کے لئے
دولہہ انجیز اور اُس کے دشمنوں کے لئے حوصلہ شکن تھی۔ اس کی طاقت اور جیتی مہارت
ضرب المثل تھی۔ کئی بار زخمی ہونے کے باوجود اس نے اپنے حریف سے کبھی شکست
نہیں کھائی تھی اور نہ ہی اپنے حریف کو کبھی زندہ واپس جانے دیا تھا۔ مورخین لکھتے
ہیں کہ وہ پابنخ سو سواروں کے برابر تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کو اپنے ہاتھوں میں اوپر
اٹھا کر زمین پر مٹھ سکتا تھا۔ وہ ایک بچھڑے کو بائیں ہاتھ میں اٹھا کر لڑائی میں ڈھال
کے طور پر استعمال کر سکتا تھا۔ مختصر یہ کہ اس خوفناک جنگجو کے ناقابل تسخیر ہونے کے
متعلق طرح طرح کی روایتیں مشہور ہیں۔

یہ مشہور و معروف بہادر مسلمانوں کے سامنے تھا اس نے مسلمانوں پر تارت بھری نگاہ ڈالی اور پھر گرج کر بولا میں عمرو بن عبدود ہوں میں سب سے بڑا جنگجو ہوں۔ میں ناقابلِ تیغ ہوں۔ کیا تم میں کوئی شخص ہے جو اکیلا میرے مقابلے کی ہمت رکھتا ہو۔ مسلمان سامنے صف آرا تھے۔ مسلمانوں نے اس کی لٹکار کا کوئی جواب نہ دیا۔ مسلمانوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھا۔ لیکن کسی مجاہد نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی مقابلے کے لئے آگے نہ بڑھا سب خاموش رہے اس نے تہقہہ لگایا اس میں قریش بھی شریک تھے وہ بھی خندق کے قریب کھڑے تھے سب کچھ سن رہے تھے عمرو بن عبدود نے طعنے دینے شروع کئے تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو مردانگی کے جوہر رکھتا ہو۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ عمرو بن عبدود سے نبرد آزما ہونے کے لئے اجازت چاہی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہ فرمائی واپس چلے جاؤ کہ یہ عمرو ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی جگہ پر واپس آگئے۔ چنانچہ ایک بار پھر توہینِ امیرِ تہقہہ بلند ہوئے عمرو نے مسلمانوں کو پھر لٹکارا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس دفعہ بھی اجازت نہ فرمائی عمرو اور قریش کی طرف سے طنز اور ہنسی مذاق میں اضافہ ہو رہا تھا۔ عمرو نے تیسری دفعہ لٹکارا اور کہا تمہاری جنت کہاں ہے۔ جس کے بارے میں تم کہتے ہو کہ جنگ میں مارے جانے والے اس میں داخل ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تیسری مرتبہ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھے اجازت کی درخواست کی اس مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں ایک ایسی کیفیت دیکھی جس سے آپ بخوبی آشنا تھے اور جس سے آپ نے جان لیا کہ اب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ عزیز تھے آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر شفقت بھری نگاہ ڈالی پھر اپنا

عامر مبارک اُتار کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک پر باندھا۔ اپنی تلوار اپنے دست مبارک سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمر میں باندھی اور پھر دعا فرمائی یا اللہ "اس کی مدد کر" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جلدی سے مجاہدوں کا ایک جھوٹا سادہ جمع کیا اور مقابلے کے لئے میدان میں اُگے بڑھے۔

میدان میں پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پکارا۔

اے عمرو میں نے سنا ہے کہ اگر قریش کا کوئی فرد تمہارے سامنے دو تجاویز پیش کرے تو تم ہمیشہ ان میں سے کم از کم ایک مان لیتے ہو۔ عمرو نے جواب دیا "سچ ہے" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں تمہارے سامنے دو تجاویز پیش کرتا ہوں پہلی یہ کہ اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لے اؤ۔ اُس نے جواب دیا "مجھے ان کی ضرورت نہیں" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، تو پھر گھوڑے سے اُترو اور میرا مقابلہ کرو۔ عمرو نے کہا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم میرے بھائی کے لڑکے ہو میں تمہیں قتل کرنے کا آرزو مند نہیں ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب "میں تمہیں قتل کرنے کا بہت آرزو مند ہوں" یہ سن کر عمرو غضب ناک ہو کر بڑی پھرتی سے اُدھیل کر گھوڑے سے نیچے اُگیا۔ تلوار سونت کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کئی وار کئے لیکن آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا آپ تمام وار پھرتی سے بچا گئے دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انداز دفاعی تھا۔ آخر عمرو تھک گیا اُس کا سانس پھول گیا دفہا پٹا ہوا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا عمرو مقابلہ کے نتائج دیکھ کر حیران ہو رہا تھا اُسے اس قسم کے مقابلے کا وہم و گمان ہی نہیں تھا اور نہ ہی اتنی دیر تک کبھی کسی نے اُس کا مقابلہ کیا تھا۔ عمرو حیران کھڑا تھا حضرت علی نے تلوار اور ڈھال زمین پر رکھ دی بجلی کی طرح فضا میں پکے عمرو کو گردن سے پکڑا اور پہلو انوں کی طرح ٹانگ اڑا کر چاروں شانے چت زمین پر گرا دیا اور خود اس کے سینے پر بیٹھ گئے اب قریش کے ادا سان خطا تھے۔ عمرو اپنی بے پناہ قوت کے باوجود ذلت اور شرمندگی کے منظر سے دوچار تھا اپنے آپ کو ناقابل تسخیر سمجھنے والا مغلوب ہو چکا تھا غور خاک میں مل چکا تھا اُس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

گرفت سے نکلنے کے لئے زور لگایا۔ اپنا پورا زور لگایا لیکن شیر خدا کی گرفت ایک اپنی بھی اپنی جگہ سے نہ ہرکی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نرمی سے کہا اے عمرو! فتح و شکست منشاءِ ربی پر منحصر ہے اسلام قبول کرو۔ جان پنج جانے گی اللہ کی رحمتوں سے نوازے جاؤ گے یہ کہہ کر آپ نے خنجر کھینچا اور اُسے عمرو کے گلے کے قریب لاکر تمام لیا۔

یہ صورتِ حال عمرو کے لئے بڑی ناقابلِ برداشت
عمرو کا چہرہ مبارک پر تھوکنا :- تھی اُسے معلوم تھا کہ میرا انجام کیا ہو گا اور دگر
 قریش اور مسلمان دیکھ رہے تھے وہ جلدی سے اس ندامت سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔
 ایک لمحہ کے لئے بھی زندگی اُسے گوارا نہ تھی اُس نے طیش دلانے کے لئے حضرت علی
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔ سبحان اللہ۔ کیا شان ہے۔ عمرو نے جلدی
 سے ندامت سے جان چھڑانے کے لئے یہ طفلانہ حرکت کی لیکن ردِ عمل کیا ہوا اس کی مثال
 نہیں ملتی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیرِ خدا بڑے سکون کے ساتھ سینے پر سے اٹھے اپنا
 چہرہ مبارک صاف کیا اور فرمایا! عمرو یاد رکھو کہ میں کسی ذاتی غرض کی بنا پر نہیں بلکہ صرف
 "فی سبیل اللہ" قتل کرتا ہوں چونکہ تم نے میرے چہرے پر تھوک دیا ہے لہذا ہو سکتا ہے
 میرا تمہیں قتل کرنا ذاتی بدلہ ہو جائے۔ چنانچہ میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں اٹھو اور واپس
 چلے جاؤ۔

عمرو ہار مان کر اپنے لوگوں میں واپس جاتا یہ اُس کے لئے بڑی شرمندگی تھی اُسے یہ
 پسند نہیں تھا اُس نے اٹھ کر واپس جانے کی بجائے فتح کی آخری کوشش کی۔ حضرت علی
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس زور کا وار کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈھال پاش پاش ہو
 گئی لیکن ڈھال نے وار کا زور روک لیا اور آپ کو معمولی زخم آیا اس سے پیشتر کہ عمرو
 دوبارہ وار کرتا ذوالفقار علی دھوپ میں چکی اور پلک چھپکنے سے پہلے عمرو کا کام تمام
 کر دیا۔

بات جہاد میں "فی سبیل اللہ" کی شرط کی ہو رہی ہے۔ آپ پڑھ چکے ہیں ایک

زبردست حریف سے مقابلہ ہے اس کی قوت اور جنگی مہارت کو دیکھتے ہوئے حضور
سرسکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی احتیاط فرمائی۔ اچھا عامہ مبارک سر پر
باندھا۔ یہ خیر و برکت کے لئے تھا اپنی تلوار عطا فرمائی جس کی ناکامی کا سوال
ہی پیدا نہیں ہوتا اور پھر اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا فرمائی۔ جس دشمن کے لئے اتنی احتیاط فرمائی۔
جب وہ قابو آجائے تو کون چھوڑتا ہے خواہ وہ کتنی ہی پالیں کیوں نہ چلے لیکن ہم نے دیکھ
یا کہ ایک معمولی سی ذاتیات کو دیکھ کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتنے بڑے دشمن کو چھوڑ دیا
کہ شاید میں حقیقی اجر و ثواب سے محروم نہ ہو جاؤں۔ ذاتی غصہ مجھے اس ثواب سے محروم نہ کر
دے۔

علامہ اقبال نے فرمایا ہے

جس کا عمل مجھے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے

حور و خیام سے گزر بادہ و جام سے گزر

چنانچہ لڑائی میں مجاہد کے ذہن میں ایسی بے شمار باتیں آسکتی ہیں۔ مال مل جائے۔

بہادری کا مغز مل جائے۔ میری ترقی ہو جائے۔ بہت اچھا کام کیا ہے اور کچھ اس قسم کے

دوسرے خیالات۔ یہ سب باتیں فی سبیل اللہ کی روح کے منافی ہیں۔ ان کا ترک کرنا ضروری

ہے۔ جنگ محض دین۔ ملک اور اسلام کی خاطر لڑی جائے۔ اس کا مقصد اللہ کے احکام کے

مطابق قیام امن اور قتل و فساد کا خاتمہ ہو۔ جو شخص اپنی پوری زندگی اس مقصد کے لئے وقف

کر دے۔ اس کے لئے ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہو سکتا کہ اپنی جان بھی بچھا کر دینے سے

دریغ نہ کرے ایسا شخص مجاہد کہلاتا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کا طرہ امتیاز یہ روح ہے کہ اللہ

جہاد فی سبیل اللہ کا طرہ امتیاز کی راہ میں جان بچھا کر کے بھی یہ کہا جائے کہ

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حق کیوں کر ادا نہ ہوا؟ اس جہاں میں انسان کی اپنی جان سب سے پیاری چیز ہے

وہ تو قربان کر دی اور کیا باقی ہے۔ کوئی قربانی ہمیشہ کرنے کی خواہش باقی رہتی ہے۔

اس ضمن میں محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش یہ ہے۔
 ”قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس کو بہت پسند کرتا
 ہوں کے خدا کی راہ میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں،
 پھر مارا جاؤں۔“
 (بخاری و مسلم)

یہ باعث تخلیق کائنات، صاحب لولاک، محبوب الہی، رحمت اللعالمین، ساقی کوثر
 شافعِ محشر، مختارِ کل، شاہِ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش ہے۔ آپ محبتِ شناس
 ہیں شہادت اور مجاہدتی سبیل اللہ کے مقامِ ابدی سے آگاہ ہیں۔ شہادت کے لطف و سرور
 سے آگاہ ہیں۔ انعاماتِ ابدی اور نوازشاتِ بارگاہِ ربانی سے آگاہ ہیں۔ اس لئے آپ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم راہِ حق میں بار بار تلوار کی دھار کی چاشنی کے متمنی ہیں ہم اسے
 سمجھ نہیں سکتے۔ دیکھ نہیں سکتے یہ ہمارے ادراک اور وہم و گمان میں نہیں آ سکتا۔ اسی لئے
 داتا نے راز نے یہ فرمایا کہ ”حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا“ مختصر یہ کہ انعاماتِ الہی کے مقابلے
 میں میری یہ جان کوئی چیز نہیں ایسی ہزار جانیں صدقے کی جائیں تو کم ہیں۔

ہاں اگر نیت میں خلوص ہو اللہ کی رضا مقصود
عمل کا انحصار نیت پر ہے۔ ہو انسان اللہ کے دین کی سر بندی کا خواہاں ہو۔
 لیکن اُس کو کوئی مجبوری درپیش ہے۔ معاملہ بس سے باہر ہے۔ عذر شرعی ہے تو باوجود
 اس کے کہ مسلمان اس میں جھٹلنے کے اللہ تعالیٰ اُس کو ثواب عطا فرمائے گا۔
 حدیثِ پاک ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وآلہ وسلم جب غزوة تبوک سے واپس تشریف لارہے تھے تو بعض لوگوں کے متعلق فرمایا
 اگرچہ وہ لوگ اس جنگ میں نہیں آئے لیکن وہ تمام مقامات پر ہمارے ساتھ تھے کیونکہ وہ
 لوگ معذوری کی وجہ سے اس جہاد میں شریک نہ ہو سکے۔
 (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کسی عذر شرعی کی وجہ سے نہ آسکے لیکن ان کی نیت جہاد کی تھی
 اور ان کو ہمارے ساتھ آنے کا شوق تھا تو ان کو وہی ثواب ملے گا۔ جو شریک ہونے

دلے کو بلا ہے۔

دشمن سے جنگ لڑنے کے لئے کلام پاک میں لفظ "قتال" آیا
جہاد کا دائرہ کار ہے جس کے معنی قتل کرنے اور لڑنے کے ہیں۔ جہاد جیسا کہ پہلے

مفہوم میں ذکر ہو چکا ہے۔ اس سے وسیع تر معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور یہ مسلمان کی پوری
 زندگی پر عادی ہے۔ اس میں ہر قسم کی جدوجہد شامل ہے۔ جہاد قولی یعنی تقریر و تحریر، وعظ و
 نصیحت، جہاد فکری، جہاد مالی اور عملی تمام لحاظ سے ہو سکتا ہے۔ دین کی اشاعت، حمایت،
 حفاظت، فتنہ و فساد کا خاتمہ اور ملک کا دفاع سب ہی اس میں شامل ہیں اور مذکورہ تمام
 طریقوں سے اس مقدس فریضہ کو ادا کیا جاسکتا ہے۔ خود عمل کریں دوسروں کو دعوتِ عمل دیں۔

خطبہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

دعوتِ عمل :- محمد مخصوص ہے ذات باری کے ساتھ۔ ہم اُس کی حمد کرتے ہیں اُس سے
 مدد چاہتے ہیں اُس سے طلبگارِ مغفرت ہیں۔ اُس پر ایمان لاتے ہیں اُس پر توکل کرتے ہیں اور
 اُس کے دامنِ مہربانی میں اپنے نفس کی شرارت اور قدم کی لغزشوں سے پناہ چاہتے ہیں۔
 جس کا خدا رہنا ہو اُس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ چھوڑ دے اُس کو کوئی ہدایت نہیں
 دے سکتا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کا بندہ اور
 رسول ہے۔ اے لوگو! اللہ سے بہت ڈرو اور مسلمان ہو کر مرو۔

اے مومنو! اُس خدا سے ڈرتے رہو جس کے ذریعے تم ایک دوسرے سے حق مانگتے
 ہو اور صلہ رحمہ کا خیال کرتے ہو بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔ اے مومنو! اللہ سے ڈرو
 اور صحیح بات کیا کرو اللہ تمہارے اعمال کو درست کرے گا۔ تمہاری بدعملی کو معاف کر دے گا۔
 تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور جس نے اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کی وہ کامیاب
 ہوا۔ (نیج الفصاحت)

سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو دعوت دیتے ہوئے دنیاوی زندگی
 کے ہر پہلو اور ہر میدان میں ایک اعلیٰ و ارفع نمونہ پیش کیا ہے۔ اُمتِ مسلمہ کے لئے راستے کی
 نشاندہی کر دی ہے۔ اور پھر حکم فرمایا کہ اللہ سے ڈرو، صحیح بات کرو۔ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت ہی کامیابی
 سے ہمکنار کر سکتی ہے۔ اس کی طرف لوگوں کو پکارتے رہو۔

جہادِ قوی

اس میں اسلام کی تبلیغ کے لئے تحریر و تقریر دونوں شامل ہیں۔ دعوتِ حق بلند کرنا، کفر و شرک کو مٹانا، غلط رسم و رواج کو روکنا، دینی مشکلات کو سلجھا کر مسائل کو آسان پیرائے میں لوگوں تک پہنچانا۔ طاغوتی طاقتوں کے سیاسی، سماجی اور نظریاتی پہلوؤں کا جو اسلام کے خلاف سرگرم عمل ہوں۔ ان کا تہہ پیش کرنا۔ کفر و شرک کا دلائل سے اور علم سے جھوٹ اور بے بنیاد ثابت کرنا۔ جھوٹے مدعیانِ دین اور نبوت کا مقابلہ کرنا۔ اس دامِ فریب سے لوگوں کو آگاہ کرنا، اس کو ختم کرنے کے لئے مسلمانوں کو اس کی حقیقت حال سے آگاہ کرنا، معاشرے کی برائیوں کو سامنے لانا۔ اسلامی قانون کے مطابق ان کے سدِ باب کی کوشش کرنا۔ ہم کس روش پر چل رہے ہیں۔ اور بحیثیت مسلمان ان پر عمل پیرا ہونے میں ہمیں کیا نقصان ہے۔ شریعتِ اسلامی کی خلاف ورزی کس حد تک ہو رہی ہے اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ ماضی کی تبلیغ ہمیں کیا بتاتی ہے۔ اس کی چھان پھٹک کر کے اسے عوامِ اناس کے شعور میں لایا جائے۔ ایسے مسائل اور شرعی اصول و ضوابط جن کا عام مسلمانوں کو علم ہونا لازمی امر ہے۔ اُسے آسان زبان اور سستے داموں میں منظرِ عام پر لایا جائے۔ علمائے اُمت کے قلم نے اس ضمن میں بے پناہ موتی بچھرے ہیں۔ ڈھونڈو تو ایسا کوئی گوہر نہیں جو اسلامی صدف میں نہ ہو۔ کوئی دینی یا دنیاوی گتھی ایسی نہیں جو سلجھ نہ سکے۔ لیکن یہ کتابیں بیشتر بڑی ضخیم، نادر اور قیمتی ہیں یہ عام انسان کی دسترس سے باہر ہیں۔ پھر خواندگی کے معیار کو دیکھتے ہوئے اگر مل بھی جائے تو عام آدمی اور معمولی پڑھے لکھے اس سے استفادہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ علماءِ حضرت کی اُردو بھی عالمانہ ہوتی ہے۔ اُسے بھی عام آدمی مشکل ہی سے سمجھ سکتا ہے۔

ہمارا دینی شغف تو مادی ترقی کے سیلاب
 ہمارے دینی شغف کا حال " میں ڈوبا جا رہا ہے۔ دنیاوی مال و دولت کے
 حصول کی چمچ ایسی بے ربط دوڑ ہے کہ اِدھر دھیان دینے کی فرصت ہی نہیں ملتی ملازمت
 ہو یا کادبار صبح گھر سے گئے اور نوبت رات لوٹے تھکے ہوئے تھے سو گئے کل پھر
 وہی عام دستور کا معمول ہوگا۔ ایسی نادر، ضخیم اور مشکل کتابوں کے لئے روپے کہاں سے
 لائیں سمجھنے کے لئے کون مغز ماری کرے وقت کہاں سے لائیں۔ پھر روزی کمانے کے
 لئے تو ٹیکنیشن ہونا ہی بہتر ہے اس کی کافی تنخواہ بھی ہے اور اندرون ملک و بیرون ملک
 مانگ بھی ہے۔ مذہبی علم کی کوئی مانگ نہیں۔ مذہبی طالب علم مدت دراز علم حاصل کرتا
 رہے۔ پھر آجا کر اُس کے لئے مسجد ہی ہے۔ وہاں بیٹھا لوگوں کو مسجد کی طرف بلاتا رہے
 کوئی دھیان ہی نہیں دیتا اور اگر کوئی دھیان دیتا ہے تو ان الفاظ میں مولانا صاحب
 ہیں ان کا تو کام ہی یہی ہے۔ پھر معاشی پہلو دیکھ لیں تنخواہ اور مراعات پر غور کریں اس
 لحاظ سے علماء حضرات سب سے نچلے طبقے میں شمار ہوتے ہیں۔ اس معاملے میں ہماری
 طرز سوچ یہ ہے۔ نماز ہی پڑھانی ہے۔ سارا دن قانع رہتے ہیں۔ لہذا مذہبی علوم کے
 معاشی پہلو نے ہمیں اس طرف اور بھی بے رغبت کر دیا ہے عام روش یا خیال حصول
 تعلیم سے مراد حصول روزگار اہم مقصد ہے۔ مثل ہے۔

" مزدورِ خوش دل کا رنگند "

جس کی کفالت کے وسائل ہوں۔ جس کام سے ان کو اتنا معاد صراطے کہ وہ آرام
 سے اپنی زندگی بسر کر سکے۔ اس میں وہ دلچسپی سے کام کرتا ہے۔ علم اور مہارت میں اضافہ
 کرتا ہے۔ اپنی پوری کوشش صرف کرتا ہے۔ لیکن اگر اُسے یہ معلوم ہو کہ میری تنخواہ کا کوئی
 سرپر ہی نہیں تو وہ کسی دوسری طرف جہاں اس سے بہتر معاد صراطے ہو راغب ہوتا ہے جانے
 کی کوشش کرتا ہے۔ جس علم کا مستقبل مادی اعتبار سے خوارہ میں نظر آئے اُس کے حصول
 کی کون زحمت گوارا کرتا ہے۔ اب یہی حال ہے۔

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ روزمرہ کے دینی مسائل ابتدائی تعلیم سے اور پھر تدریج

مفضل احکام تعلیم کے تمام مدارج میں مستقل اور لازمی طور پر شامل کر دیئے جائیں اللہ کے پسندیدہ دین کو اختیار ہی نہیں بلکہ لازمی کر دیا جائے۔ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ دین میں کوئی جبر نہیں، کو اسلام میں داخل ہونے والوں کے لئے چھوڑ دیا جائے جو مسلمانوں کی اولاد ہونے کے نئے مسلمان ہیں۔ انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوڑے سے ادمر لایا جائے۔ ڈاکٹر۔ انجینئر۔ ٹیکنیشن۔ غرضیکہ کوئی شعبہ اس سے مستثنانہ ہو۔ اعلیٰ تعلیمی معیار میں مذہبی شعبے کے فقدان نے بات بڑی حد تک یہاں پہنچا دی ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
امران شہ دولت میں ہیں غافل ہم سے
یہ ایک ضمنی بات تھی۔ فی الوقت مقصد یہ ہے کہ اس سلسلے میں مواد چھوٹی کتابوں اور آسان زبان میں مارکیٹ میں لایا جائے۔ اس کی قیمت حتی المقدور کم مقرر کی جائے۔ اس کی اشاعت اور عام کرنے کے لئے جدوجہد کی جائے۔ زمانہ امن اور جنگ میں ہموطنوں کو دشمن کے لئے تیار کیا جائے۔ ہاتل کے مقابلے میں کلر حتی بلند کرنا۔ اس کے لئے تحریر و تقریر دونوں ہی جہادِ قوی کے ضمن میں شمار ہیں۔

آپ دیکھتے، سنتے اور پڑھتے ہیں۔ رہنما، مذہبی اور سیاسی شعراء اور ادیب اور گلوکاران حضرات شروع ہی سے اپنی اپنی قوم اور لڑاکا لوگوں کو جوش دلاتے آئے ہیں۔ مذہبی اور اخلاقی طور پر ان کو جوش دلایا جاتا ہے ان کے جذبات کو ابھارا جاتا ہے۔ قومی اور خاندانی غیرت یاد دلانی جاتی ہے۔ اپنے آباؤ اجداد کے کارنامے ان کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ مجاہد کے مشن کو ایک مقدس فریضہ بنا کر اس کے سامنے لایا جاتا ہے دشمن کے خلاف فی نفسہ لڑنا تو جہاد ہے ہی دشمن سے لڑنے کے لئے ہموطنوں کو تیار کرنا یہ بھی جہاد میں شمار ہے۔ جان سے لڑنا آپ کی اپنی حد تک محدود ہے۔ لیکن تقریر و تحریر اور پھر ساتھ ملی مظاہرہ اس سے کہیں بلند و بالا ہے۔ وہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کو بیک وقت مرنے

پر آمادہ کر دیتا ہے وہ اس کی اہمیت اور ثواب سے آگاہ ہو کر ناقابلِ تسخیر قوت بن کر دشمن کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں اس کی انفرادی اور اجتماعی طور پر کثرت سے مثالیں موجود ہیں۔

جہادِ قوی کی مثالیں

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ معظمہ حاضر ہو کر
۱۔ حضرت ابوذر غفاری :- مشرف باسلام ہوئے اسلام لانے کے بعد سرکارِ
 دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے دین کا اظہار نہ کریں اور خاموشی سے
 مدینہ چلے جائیں وہاں جا کر چپکے چپکے تبلیغ کریں۔ لیکن آپ نے بجائے خاموشی سے جانے کے
 خانہ کعبہ میں جا کر بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا کفار نے پکڑ کر اتنا مارا کہ بے ہوش ہو گئے
 ہوش میں آئے تو پھر کلمہ شہادت بلند آواز سے پڑھا پھر کفار نے زود کوب کیا۔ تین مرتبہ ایسا
 ہوا اپنی تکلیفوں اور جان سے بے خطر کلمہ حق سرعام بلند کیا۔ اس کی پوری تفصیل صحابہ کرامؓ
 کے اقوال میں بیان کی جائے گی۔

۲۔ جنگِ یرموک :- جنگِ یرموک میں مسلمانوں کی تعداد رومیوں کے مقابلے میں
 بہت کم تھی۔ رز دوسامان کے لحاظ سے دشمن کئی گنا بڑھا ہوا
 تھا۔ رومی بڑے جوش و خروش سے میدان میں آئے تھے۔ رومیوں کا پہلا حملہ اس قدر سخت
 تھا کہ مسلمانوں کا دایاں بازو بے ترتیبی سے نیچے ہٹا۔ مسلمان عورتوں نے جب یہ حالت
 دیکھی تو خیموں کی طنابیں اکھاڑ لیں اور مجاہدوں کو غیرت دلانی کہ اگر نامردی دکھائی تو
 تمہارا منہ توڑ دیں گی۔ عکرم بن ابی جہل نے چار سو آدمیوں سے موت کی بیعت لی اور
 دشمن پر حملہ کر کے سب کے سب شہید ہو گئے ان بے پناہ قربانیوں اور حضرت خالد
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بروقت امداد سے مسلمانوں کا دایاں بازو پھر سنبھل گیا۔ مسلمانوں نے
 غیرت کھا کر اس زور سے حملہ کیا کہ رومی فوج نے پسا ہونا شروع کر دیا یہاں تک کہ میدان
 کے سرے پر نالہ تھا اس کے کنارے آئے۔ تھوڑی دیر میں ان کی لاشوں نے وہ نالہ بھر دیا

رومی ہر طرف بھڑکے اور رومیوں کو شکست ہوئی۔

۳۔ فتح بخارا ۹۷ھ: ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں ۹۷ھ میں قتیبہ نے دوبارہ ترکستان میں قدم رکھا راستے میں خاقان چین کا بھتیجا دولاکہ ترک اور سفد قبایلوں کے ہمراہ اس کے مقابلے میں آیا۔ مسلمان تعداد کی قلت کے باوجود اس بے جگری سے لڑے کے دشمن کو شکست فاش ہوئی اور اس کا ٹڈی دل ہر طرف منتشر ہو گیا اس کے بعد قتیبہ نے پیش قدمی کرتے ہوئے خاص بخارا پر حملہ کیا لیکن اس سال اسے کامیابی نہ ہوئی حجاج کو اس ناکامی کا علم ہوا تو اس نے بخارا کا نقشہ منگوا یا۔ بغور مطالعہ کرنے کے بعد قتیبہ کو تعصیل ہدایات روانہ کیں۔ ان کے مطابق اس نے ۹۷ھ میں دوبارہ حملہ کیا۔ حاکم بخارا کی فوج میں ترک اور سفد متحد تھے اور وہ اس جوش و خروش سے رومے کو مسلم فوج کا ایک حصہ پہنچانے لگا یہ حالت دیکھ کر مسلم عورتیں خیموں سے نکل آئیں انہوں نے مجاہدین کو غیرت دلائی اور گھوڑوں کو مار مار کر ان کا مزہ دوبارہ میدان جنگ کی طرف موڑ دیا اس کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں نے اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور بخارا پر ان کا قبضہ ہو گیا۔

فتح اندلس: فتح اندلس میں طارق بن زیاد لشکر کے کمانڈر تھے۔ ساحل سمندر پر پہنچ کر کشتیوں کو آگ لگا دی اور مجاہدین کو یوں مخاطب ہوئے زمین اللہ کی ہے۔ الارض اللہ، مسلمان اس کا مالک ہے۔ لہذا جہاں وہ جاتا ہے وہی اس کا گھر ہوتا ہے زندہ رہے تو ہم حکمران ہوں گے یا ہماری قبریں یہاں ہوں گی۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

جہاں تمام ہے میراث مرد مومن کی میرے کلام پر حجت ہے نکتہ لولاک
اس مختصر مگر موثر تقریر نے مجاہدوں کے دل سینوں میں گرما دیئے۔ چند
ہزار مجاہدوں کو ایک بڑی فوج پر فتح حاصل کرنے کے قابل بنا دیا۔

غزوہ احد میں قریش مکہ کی کچھ عورتیں ہندہ ابوسفیان کی بیوی کی سرکردگی میں کفار کے لشکر کے ہمراہ تھیں یہ رجز یہ اشعار پڑھ کر کفار مکہ کو لڑائی کے لئے جوش

دلاتی تھیں۔

صلیبی جنگیں۔ صلیبی جنگوں میں عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف صف آرائی، فوج جمع کرنے اور اسے لڑانے پر آمادہ کرنے کے لئے پورے یورپ میں مذہبی جنوں پیدا کر دیا تھا پوپ اربن ثانی نے ۲۴ نومبر ۱۰۹۵ء کو جنوب مشرقی فرانس میں واقع کلرمونٹ کے مقام پر ایک خطبہ میں مسلمانوں کے خلاف جہاد کرنے کا اعلان کیا۔ اُس نے عیسائی دنیا پر زور دیا کہ شام و فلسطین میں مقدس مقامات کو مسلمانوں کے قبضے سے چھین لیا جائے اُس نے یقین دلایا کہ اس جنگ میں شریک ہونے والوں کے تمام گناہ دھل جائیں گے اور آخرت میں انہیں جنت ملے گی۔ ان کے گناہ اور قرض معاف ہو جائیں گے۔ پوپ کے خطبے کی صداٹے باز گشت سارے یورپ میں گونجی لوگ جوق در جوق جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے۔ مذہبی تقدس اور گناہوں کی معافی کا سُن کر تمام عادی مجرم و مقروض اور دیوالیے فوج میں شامل ہو گئے۔ عورتیں بچے اور لنگڑے بھی لڑائی کے میدان میں آ گئے۔

یہاں اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن بطور نمونہ ان پر اتفا کیا جاتا ہے۔

مجاہدین آزادی جنہوں نے پاکستان کے حصول کے لئے جدوجہد کی۔ اس کی تقابلاً حفاظت کے لئے ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں جنگوں کے دوران قربانیاں پیش کیں۔ بعد میں ان مجاہدوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے جنہوں نے وطن عزیز کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں اور دشمن سے مصروف پیکار رہے۔ بے شمار ترانے، گیت، اشعار اور مضامین لکھے جا رہے ہیں۔ جن میں جہاد کی ترغیب مجاہد کا مقام اللہ کے ہاں اور ملک و قوم کی نظروں میں۔ اُس کی اہمیت اور تقدس۔ اُخروی زندگی میں اُس کی کامرانی۔ یہ سب ذرائع انسان کو عموماً اور فوجیوں کو خصوصاً جہاد کی تیاری میں مدد دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی ہر وہ کوشش جو کسی طرح بھی جہاد میں معاونت کرے وہ جہاد ہے۔

مختلف ذرائع۔ یہ بڑا وسیع اور اہم فریضہ ہے کسی ایک طبقے یا چند افراد کا اس سے

عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں۔ لہذا ہم سب اپنی اپنی جگہ اس کے لئے کوشاں رہیں۔ علماء اپنی وعظ و نصیحت کی مجلسوں میں اپنے ہموطنوں تک پہنچاتے رہیں۔ اساتذہ اور ائمہ کرام آنے والی پود کے ذہن اس طرف مائل کریں۔ ان کو اس کی اہمیت اور افادیت سے آگاہ کرتے رہیں والدین اپنے بچوں کو اس طرف آنے کی نصیحت کریں۔ ادیب اور شعرا اپنے اپنے کلام سے سوئی ہوئی اور غفلت کا شکار ہوتی ہوئی قوتوں کو بیدار کریں سیاست دانوں کی آواز زیادہ دست رکھتی ہے۔ وہ زیادہ لوگوں تک رسائی رکھتی ہے۔ وہ اپنے سیاسی مقاصد کے ساتھ ساتھ یہ مذہبی اور قومی فریضہ بھی ادا کرتے رہیں۔ پریس اور نشر و اشاعت کے ادارے اپنے کاموں میں اس کے لئے جگہ پیدا کر سکتے ہیں۔ اہل قلم حضرات سے رابطہ اور آگاہی کی بدولت انہیں اس سلسلے میں کسی دقت کا سامنا بھی کم ہی ہوگا اس طرح مل جل کر یہ سلسلہ کم و بیش ہر جگہ اور ہر ماحول میں پہنچ سکتا ہے۔ ہم سب اس مقدس فریضہ میں شمولیت کا شرف حاصل کر سکتے ہیں۔ اور یہی فلاح و کامیابی کا ذریعہ ہے۔ ارشاد ہے۔

وَتَشْكُرُ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ
إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ

اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے
کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم
دیں اور بُری بات سے منع کریں اور یہی
لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔

رپ۔ آل عمران - ع ۱۱

برائیوں سے منع کرنا اور نیک کاموں کی طرف رغبت دلانا وقت کی اہم ضرورت

ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔

”نیکیوں کا حکم کرنا اور بدیوں سے روکنا بہترین جہاد ہے۔“



اقبال کی دعا

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تماشے
 پھر وادیِ فاراں کے ہر ذرے کو چمکائے
 محرومِ تماشا کو پھر دیدہ بینا دے
 بھٹکے ہوئے آہو کو، پھر سونے حرم لے پہل
 پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر
 اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشان کو
 رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر
 بے لوثِ محبت ہو، بے باکِ صداقت ہو
 احساسِ عنایت کر آثارِ مصیبت کا
 جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
 پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے
 دیکھا ہے جو کچھ میں نے اور فل کو بھی دکھلائے
 اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرائے
 اس محلِ عالی کو، پھر شاید لیلایے
 وہ داغِ محبت دے، جو چاند کو شرمائے
 خود داریِ ساحلِ مے، آزادیِ دریا دے
 سینوں میں اجالا کر، دل صورتِ مینا دے
 امروز کی شورشِ میں اندیشہ فردا دے

میں بلبلِ نالوں ہوں اک اُجرے گلستان کا
 تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

جہاد فکری

دین اسلام کی اشاعت کے لئے اور ملک کے دفاع کے لئے غور و فکر۔ تدبیر، صلاح مشورے اور تجویزیں۔ اس کے خلاف سازشوں کے توڑ پھوس کرنے کے لئے تدبیریں سوچنا۔ مسلمانوں کو خطرہ درپیش ہو۔ دشمن ملک پر حملہ کی تیاری کر رہا ہو اس کے بچاؤ اور دفاع کی تدبیریں سوچنا اپنی رائے دینا دوسروں سے صلاح مشورہ لینا اپنی ذاتی استعداد کے مطابق اس کے لئے دوڑ دھوپ کرنا۔ دشمن کس طرز پر تیاری کر رہا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ممکن ہے آپ کے ذہن میں کوئی ایسی تدبیر آجائے جو ملک و قوم کو کام دے جائے۔ یہ سب کچھ جہاد فکری کے متعلقات سے ہیں۔

غزوہ خندق میں کنارے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجلس شوریٰ بلائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورے لئے بڑے بڑے صاحب علم و فراست صحابہ موجود تھے اور پھر سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے مدبر کی مسلمانوں کو ضرورت ہی کیا تھی۔ لیکن رہنمائی کے لئے کہ بعد میں امت کی لائیکھ عمل اختیار کرے مشورہ لیا گیا۔ سب نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائے دی کہ مدینہ منورہ کے کھلی جانب خندق کھودی جائے اور کفار مکہ کو مدینہ میں داخل ہونے سے روکا جائے۔ خندق کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ آپ کی رائے کو بہتر سمجھ کر قبول کر لیا گیا اور یہ خندق مسلمانوں کے ظاہری اسباب میں فتح کا سب سے بڑا سبب تھی۔

آپ خواہ کہیں ہوں اور کتنے ہی چھوٹے بھدے پر کیوں نہ ہوں اگر آپ کے ذہن

میں زمانہ امن یا جنگ میں کوئی تجویز آتی ہے آپ اُس سے متعلقہ شعبے کو آگاہ کریں۔ وہ قابل عمل ہے یا نہیں اسے عمل کرنے والوں کی سوجھ بوجھ پر چھوڑ دیں۔

مستقبل کے حالات کا رخ بھاپنا سیاسی سماجی اور مذہبی حالات کا رخ بھاپنا :- انقلابات کی ٹوہنگا نا اس سے قبل از وقت یا بروقت

ہموطنوں کو آگاہ کرنا۔ اس سلسلے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا فکر و تجسس اور اس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کی رہنمائی کی ایک تابناک مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ انگریزی اقتدار کی گرفت مضبوط ہوتی دیکھ کر برصغیر کے باشندوں کو جگانا شروع کیا اور پھر یہ یقین دلایا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حق ہے یہ من گھڑت نہیں۔ میری باطنی نگاہ اسے دیکھ رہی ہے۔

مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے جب دیکھا کہ مسلمان اور ہندو انگریزوں کی غلامی کا طوق اتار پھینکنے کے لئے بے حسی کا مظاہرہ کر رہے ہیں تو یوں جھنجھوڑا۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے لے ہندستان اللہ تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستاںوں میں پورے ایشیا میں یورپی تسلط کو دیکھ کر ایشیائی اقوام کو اتحاد کا درس دیا کہ شاید اس طرح تمہیں غلامی کے ٹسکنجے سے نجات مل جائے۔

ظہراں ہو اگر عالم مشرق کا جینوا شاید کمرۃ ارض کی تقدیر بدل جائے

ہندوؤں اور انگریزوں کی چالوں کو مسلمانان ہند اور آرزوئے اقبال :- دیکھ کر اقبال کو برصغیر میں مسلمانوں کے

مستقبل کی فکر دامن گیر ہوئی چنانچہ انہوں نے اپنے کلام سے دعوتِ فکری۔ کفر و الحاد کی رسومات سے بچ کر شعائرِ اسلامی پر عمل پیرا ہونے کا پرچار کیا۔ ہمیں پکارا کہ میرا فکر تجسس دیکھیں۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اُسے میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں۔ اسے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ ذاتی اور فرقہ وارانہ اختلاف میں نہ الجھو۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ کہ اے اللہ مسلمانوں کو نگاہِ بینا عطا کر۔ حالات کو دیکھنے اور سمجھنے کی توفیق دے۔

نوہالاں مین کو دعوت فکر دمل دیتے ہوئے دعا کرتے ہیں۔
 جوانوں کو سوز جگر بخش دے مراشتق میری نظر بخش دے
 اور پھر یہ تو خاص لوگوں کا کام ہے۔ نگاہ بینا یہ بڑا اونچا مقام ہے۔ مزید دعا کرتے
 ہیں۔

۴ میرا نور بصیرت عام کر دے۔
 سب مسلمانوں کو اسے سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ان کی بھی آنکھیں حالات
 کے مشاہدہ کے لئے کھول دے۔

مردم تماشا کو پھر دیدہ بینا دے
 دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
 مسلمانوں میں اسلامی تشخص گر تادیکھا۔ علاقہ پرستی اور فرقہ بندی دیکھی تو یوں ہدایت
 فرمائی۔

یوں تو سید بھی ہو۔ مرزا بھی ہو۔ افغان بھی ہو تم بھی کچھ ہو۔ بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
 فرقہ بندی مسلمانوں کے لئے اور اسلام کے لئے بسم قاتل ہے۔ اگر تم اس سے
 دوچار ہوئے تو یہ تمہیں جہاں میں رسوا کر دے گی۔ مغلوب کر دے گی رنگ و نسل اور
 قوم کی ضرورت نہیں۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ امتیاز رنگ و
 خون ہمارا شیوہ نہیں۔ مسلمان جہاں بھی ہو وہ اسلامی زنجیر کی بکھری ہوئی اک کڑی ہے۔
 فرماتے ہیں۔

جو کریگا امتیاز رنگ و خون مٹ جائیگا ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گوہر
 نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہگدز

ملا رنے مسلمانوں کو باہمی انتشار، علاقہ پرستی اور
اقبال اور تصور پاکستان - فرقہ بندی کے نتائج سے آگاہ کرنے کے بعد اسلام
 کی طرف رجوع کروایا۔ تم مسلمان ہو اور اگر مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسلامی شعائر پر
 عمل کرنا ہے۔ تو باہمی اختلاف کو ترک کریں۔ آپ کی ترقی اور بقا کی راہ میں یہ سب سے

بڑی رکاوٹ ہے۔ انگریزوں کے ظلم و ستم اور مندو مسلم فسادات کی طویل اور دکھ بھری داستان کو دیکھ کر آپ کو مسلمانوں کا مستقبل بڑا تاریک اور اٹھ نہاں نظر آ رہا تھا۔ ہندو انگریزوں کے سہارے اپنی گرفت مضبوط کرنے کے دہندے میں مصروف تھا آپ نے مسلمان ہند کو مشورہ دیا کہ ہمیں بحیثیت مسلمان کے اپنی زندگی گزارنے کے لئے ایک الگ خطہ ارض کی ضرورت ہوگی۔ اس کے بغیر ہمارے لئے کوئی چارہ کار نہیں ہوگا۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو اس اجلاس کا صدر منتخب کیا گیا۔ چنانچہ آپ نے اس اجلاس میں اپنے صدارتی خطبے میں یوں ارشاد فرمایا۔

”میری نگاہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی باہمی کش مکش کا واحد حل یہ ہے کہ ہندوستان کے جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ انہیں ملا کر حکومت کے زیر اثر یا اس سے آزاد ایک اسلامی سلطنت قائم کر دی جائے جس میں مسلمان اپنے مذہب قومی روایات اور تہذیب و تمدن کے مطابق آزادی زندگی بسر کر سکیں۔“

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے یہی خیالات واصل تصور پاکستان کی اساس ہیں جو ۲۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو قرارداد پاکستان کی صورت میں پاس ہوئے وہ فکری کاوش جس کا اعہاد ۱۹۳۰ء میں ہوا۔ دس سال بعد علی طور پر اس کی ضرورت کو محسوس کیا گیا جو ایک نشان منزل کے طور پر برصغیر کے مسلمانوں کے سامنے آئی۔ سات سال کی تنگ و دو اور مسلسل سیاسی جنگ کے بعد ۱۹۴۷ء میں آپ کا خیال حقیقت کا روپ دھار کر دہلی عزیز کی صورت میں دنیا کے نقشے پر وجود میں آیا۔

حکیم ملت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ہماری رہنمائی کی شعائر وقت کا اہم تقاضا :- اسلامی پرنسپل پیرا ہونے کے لئے تصور پاکستان دیا۔ بابائے قوم قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے قیادت مہیا کی اور کارواں کو کامیابی سے ہمکنار کر دیا۔ اب اس کی جہا کا مسئلہ بڑی شدت سے درپیش ہے۔ اسلام دشمن طاقتیں اور ان کے ہتھکنڈے اسے مٹانے کی سرٹوز کو شش کر رہے ہیں ان کی چہرہ دستیوں کا شکار

جو کہ ہم بہت کچھ کھوپچے ہیں۔

ہمارے ذہن میں اس مقصد کی جس کے لئے بے پناہ قربانیاں دی گئیں فکر ہونی چاہیے۔ اس کے استحکام، بقا اور دوام کے لئے ہر لمحہ فکر ہونی چاہیے۔ اپنی صفوں میں گھسے ہوئے دشمن پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ ہم سب کی سوچ کا مرکز اس کی بقا ہونی چاہیے۔ معاذ اللہ تم معاذ اللہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا اس سے غفلت کی۔ چہا د سے منہ موڑ لیا اسلام کا ایک اہم رکن جو ہماری بقا کا ضامن ہے۔ اسے پس پشت ڈال دیا تو ہم ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے جو تو مجھ سے منہ موڑ لیتی ہے وہ ذلیل ہو جاتی ہے۔ ہم دو سو سال پہلے غلامی کی زندگی گزار چکے ہیں۔ ہمارا کیا حال تھا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اگر آزادی کی زندگی کی قدر و قیمت پر چینی ہے یہ معلوم کرنا ہے کہ اسلام متحدہ ہندوستان میں بھی قائم رہ سکتا ہے تو ہندوستان کے مسلمانوں سے پوچھیں ہندو تو ہمارا مخالف ہے۔ لیکن بدقسمتی سے بعض مسلمان لیڈر بھی پاکستان کے قیام کے مخالف تھے مان کا طرز فکر کیا تھا یہ وہ جانیں۔ دو درحاضر میں ہندوستان میں مسلمانوں کی جو حالت ہے۔ وہ بڑی ہی ناگفتہ بہ ہے۔ ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ مسلسل چلتا رہتا ہے۔

ہم اپنی رومانی طبیعت کو معسوس کرنے کے لئے انڈیا کے گانے سنتے ہیں فلمیں دیکھتے ہیں ٹی وی اور اس کا ایریل ایسا ہونا لازمی ہے کہ وہ انڈیا کے ٹیشن پکڑ سکے۔ یہ آزاد مسلمان کا حال ہے جس نے غلامی اور محکومی کے مصائب نہیں دیکھے وہ خوش نصیب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے آزادی کی بیش بہا دولت سے نوازا ہے۔ سیاسی، سماجی اور مذہبی اعتبار سے انہیں کن کن مشکلات کا سامنا ہے اسے احاطہ تحریر میں لانا یہ ایک طویل کام ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

۱۹۴۷ء کی بات ہے میں انڈیا کے کیمپ میں بطور جنگی قیدی آنکھوں دیکھا واقعہ :- تھا۔ ہمارے کیمپ کے شمال کی طرف ہندوستانی سنتری سپاہیوں کے ٹینٹ تھے۔ ان میں چند مسلمان سپاہی بھی تھے۔ دوران قید یہ مشاہدے میں آیا کہ کوئی مسلمان فوجی اپنے مسلمان بولنے کا اظہار نہیں کرتا تھا وہ خاموش

اور ہسکے ہسکے سے کھڑے رہتے تھے۔ ایک دن ایک مسلمان بھارتی سپاہی اپنے ٹینٹ کے پاس ذرا نظر بچا کر بیٹھا ہوا تھا۔ ریڈیو پاکستان سے قوالی شہباز قلندر دہلی ذیل پیش کی جا رہی تھی۔

لایح میری پت رکھیو بلا جھولے لالین سنڈری داسہون دانخی شہباز قلندر
اُس نے ریڈیو لگایا اُسے سنا پھر نامعلوم اُس کے پاس ٹیپ ریکارڈ موجود تھا۔
وہ اُسے بار بار لگاتا اور سنتا تھا۔ دائیں بائیں اپنے غیر مسلم ساتھیوں کی وجہ سے اُس کی
آواز کو زیادہ بلند نہیں ہونے دیتا تھا۔ ریڈیو پاکستان پر جب سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ
والہ وسلم کے حضور نذرانہ سلام پیش کیا جاتا ہے تو وہ اسے بڑے شوق اور انہماک سے
چکے چکے سنتے ہیں۔

میں نے قید میں قریب پونے دو سال کا عرصہ انڈیا میں گزارا جس شہر
اذان کی آواز میں ہمارا کیمپ تھا وہاں کافی تعداد میں مسلمان موجود ہیں۔ مسجدیں ہیں۔
ایک مسجد ہمارے کیمپ سے کوئی دو سو گز کے فاصلے پر تھی اتنے طویل عرصہ کے دوران صبح
شام کسی وقت کہیں اذان کی آواز کانوں میں نہیں آئی۔ مسلمان موجود ہیں۔ لاوڈ سپیکر موجود
ہیں۔ لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کو یہ نصیب نہیں آپ صبح و شام سنتے ہیں۔ میلوں تک جنگلوں
اور دیوانوں میں اپنے ہاں اللہ اکبر کی صدائیں گونجتی ہیں۔ اللہ والے دن رات مسجدوں میں
مخوذ کر حق میں ہم جیسے غافلوں کو پکار رہے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں معاملہ اس کے
برعکس ہے۔

۱۹۷۲ء میں رمضان شریف کا واقعہ ہے۔ سحری کا
رمضان شریف کا ایک واقعہ وقت تھا غسل خانہ ہماری بیرک سے کوئی پندرہ
بیس گز کے فاصلے پر تھا۔ بیرک کے مشرق کی جانب، بیرک کی دیوار سے دو گز کے فاصلے پر
تار لگی ہوئی تھی۔ یہ ہمارے کیمپ کی مشرق کی حد تھی اس تار کے باہر سنتری کی پوسٹ اور
ٹہلنے کے لئے جگہ یعنی ہوئی تھی۔ غسلمانے کے لئے راستہ اس کیساتھ ساتھ جاتا تھا جب کبھی
وقتاً فوقتاً اور صبح کے وقت خاص ادھر سے گزرنا پڑتا تو عام طور پر سنتری کے یہ

الفاظ کانوں سے ٹکراتے۔ درد دور رہتا۔ تار کے قریب مت اُڑو ورنہ گولی مار دی جائے گی مذکورہ دن جس کی تاریخ مجھے یاد نہیں میں غلٹانے کی طرف جا رہا تھا اپنے ساتھی لگروں سے سحری کا کھانا لایا ہے تھے اور کچھ اللہ اللہ میں مصروف تھے میں جب سنتری کے قریب سے گزرا تو وہ یوں گویا ہوا۔

”آپ ہم سے زیادہ خوش نصیب ہیں“

یہ خلاف توقع الفاظ سن کر میں اُس کی طرف متوجہ ہوا اور جواباً کہا وہ کیسے ؟
اُس نے مزید کہا۔

آپ کے لئے قید میں بھی سحری کا انتظام ہے۔ تازہ کھانا کھا کر روزہ رکھیں گے ہم آزاد ہیں اور یہ ہمارا ملک ہے لیکن ہمارے لئے سحری کا کوئی بندوبست نہیں ہے خود پکالیں یا ہوٹل سے کھالیں اپنا بندوبست ہے اُس کی آواز سے گہرا دکھ، افسوس اور مظلومی اپنی انتہا پر تھی اُسے دیکھ کر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان یاد آتا ہے۔

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد
نماز پڑھنے سے انہیں اب بھی کوئی نہیں روکتا۔ مذہب تمہارا ذاتی معاملہ ہے وقت
مٹے تو پڑھ لو نہ مٹے تو سرکاری کام پہلے اور پھر نماز اور پھر یہ تجربہ شدہ بات ہے کہ مخالف
آدمی وقت میسوی کہاں ہونے دیتا ہے۔ وہ کب چاہتا ہے کہ اُس کی طبیعت کے مخالف
پودے پھلیں پھولیں وہ پودا لگانے سے منع نہیں کرے گا۔ لیکن لگانے کے لئے ان کو پودا
مٹسری نہیں ہونے دے گا۔ نہ رہے بانس نہ بچے بانسری کی روشنی ہوگی۔ مجھے اُس کے
مذکورہ الفاظ ابھی تک یاد ہیں اُس کے دل میں کس قدر صدمہ تھا آزادی کی محرومی کو
وہ کس قدر شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ وہ مجھے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ان خیالات
کا مجسمہ نظر آ رہا تھا۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی جاک جھٹکے اب اور آزادی میں بھر بکراں ہے زندگی

آزادی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ ہم پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے۔ ہم آزاد
ہیں۔ ہمیں سب کچھ عطا ہے ملک زرعی اور

معدنی وسائل سے مالا مال ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر اپنی آزادی اور ملکی بقا کی حفاظت کرنی چاہیے۔ ہماری پاکستان کے بعد کی تاریخ اور واقعات کا تقاضا ہے کہ ہماری فکر اور سوچ کا مرکز پاکستان کی بقا ہو۔ اس کا استحکام ہو۔ یہ پھلے پھولے۔ اس کے لئے ہم وقتی اور ہر جہتی سعی و کوشش کریں۔ ملکی اور نظریاتی طاقتیں جو ہمارے خلاف کارفرما ہیں انہیں اپنی وطن سے دور نیست و نابود کیا جائے۔ اندرونی اور بیرونی سطح پر جو عناصر ہماری شکست و ریخت میں مصروف ہیں ان سے قوم کو آگاہ کیا جائے تاکہ اس کے منحوس سامنے کور دنا ہونے کا موقع نہ ملے۔ اس کے لئے مقدر بھر کوشش کرتے رہیں اس ضمن میں فکر اور سوچ بڑی فائدہ مند ہو سکتی ہے۔ وطن سے دور بیٹھے ہم وطن شاید ملک کے خلاف سازشوں سے ہم سے زیادہ آگاہ ہوں لہذا انہیں بھی اپنا فریضہ ادا کرنا چاہیے۔ گھر محفوظ اور آباد رکھنے کے لئے اگر آپ کی ذات کو وقتی طور پر مالی اعتبار سے خسارہ بھی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔ لیکن قوموں کے نقصانات کی تلافی مشکل تو کیا عام طور پر ناممکن ہوتی ہے ایسے دجھے تاریخ کے صفات پر مثبت ہو جاتے ہیں جو دھل نہیں سکتے اگر آپ سے کچھ نہ ہو سکے تو وطن کی حفاظت اور استحکام کے لئے دُعا ضرور کر دیا کریں اور کرتے رہا کریں۔ اس میں نہ خرچ ہوتا ہے اور نہ خطرہ۔ راز دنیا زوفا مانگنے والے اور خدائے ذوالجلال کے درمیان ہوتا ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا
دُعا مومن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ فرمان ہے کہ دُعا مومن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ مومن کی دُعا مومن کے حق میں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ انسان اپنی ذات کے لئے دُعا کرے۔ وہ کبھی قبول ہوتی ہے اور کبھی نہیں۔ لیکن دوسروں کے حق میں مومن کی دُعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ اس لئے کہ دُعا کرنے والے کی زبان نے دُعا کئے جانے والے کے لئے کوئی لگاؤ نہیں کیا۔ لہذا دُعا کرنے والا اس کے حق میں سیفِ زبان ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ مومن جب دُعا کرتا ہے تو اس کی دُعا قضا ربانی سے لڑنا شروع کر دیتی ہے۔ اُسے راستے میں روک لیتی ہے۔ اُسے مال دیتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کی دُعا قبول کرتا ہے تو جس شخص

کے لئے دعا قبول ہوتی ہے۔ اُس کی کار سازی کے لئے اسباب مہیا کر دیتا ہے اور کبھی انسان خود اپنے اعمال کو بدل ہاتا ہے جو اُسے معائب سے بچا لیتے ہیں۔ تیری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی مگر اس سے یہ ممکن ہے کہ تو بدل جائے (تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے کوئی بات محال نہیں۔ وہ فرعون کے لئے موسیٰ علیہ السلام بھیج دیتا ہے۔ ابرہہ حاکمِ مین کے شکر اور ہاتھیوں کو ابابیلوں کی کنکریوں سے تباہ کر دیا گیا ہے۔ ابو جہل لعین کو معوذہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے کم سن بہادروں سے ہلاک کر دیا گیا ہے۔ غزوہ خندق میں شکر کو آندھی، سردی اور پتھروں سے تباہ کر کے واپس جانے کے لئے اسباب پیدا کر سکتا ہے۔ ہم میں صرف اخلاص اور قوم کا درد ہونا چاہیے۔ ماضی کے واقعات سے یہ کوئی بعید بات نہیں کہ ہمارے خلاف کہاں کیا ہو رہا ہے صدیوں پرانے عزائم کی تکمیل کے لئے دشمن نے کیا کیا گھناؤنے جال بچھا رکھے ہیں۔ ہمیں بیدار رہنا چاہیے کہیں ایسا تو نہیں ہو رہا۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وطن کی فکر کرنا دانِ مصیبتِ انبوالی ہے تیری بربادیوں کے شرے میں آسمانوں میں
 قوموں کی تقدیر کیا ہے۔ مستقبل میں کیا ہوگا۔ پیش گوئی کے طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا
 البتہ ماضی کے واقعات اور حقائق کو دیکھ کر ادھر حاضر کارِ رخِ جاہل کراٹکو ٹولا جاسکتا ہے۔
 نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ عبرت کے لئے ایک آدھ اشارہ کافی ہے۔
 تقدیر اُمم کیا ہے؟ کوئی کہہ نہیں سکتا مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

مالی جہاد

ملک کے دفاع کے لئے مالی مدد دینا۔ دین کی اشاعت کے لئے جس میں مذہبی تحریکوں اور دینی کتابوں کی نشر و اشاعت شامل ہے۔ باطل تحریکوں کو مٹانے کے لئے اس کی مزاحمت کرنے والی اسلامی تحریکوں کی مدد، ملک سے غربت اور افلاس دور کرنے کے لئے مال خرچ کرنا۔ آفت رسیدہ لوگوں کی مدد جن میں طوفان، زلزلہ، سیلاب اور جنگ سے متاثرہ لوگ شامل ہیں ان کی مدد کے لئے روپیہ خرچ کرنا یہ مالی جہاد ہے۔

اسلامی تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ اہل ثروت ہمیشہ قربانیاں دیتے آئے ہیں۔ مالی جہاد کی کثرت سے مثالیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احوال میں آرہی ہیں۔ ملک کے دفاع اور مذکورہ آفات کے لئے جس قدر وسائل کی ضرورت ہوتی ہے حکومت اپنے وسائل سے کلی طور پر اس سے مہدہ برآ ہونے کی اہلیت بہت کم رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں اُسے بیرونی اور اندرونی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔

مثل ہے۔

”اندک اندک ہم شو دوریا“ قطرہ قطرہ مل کر دریا بن جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ بہت بڑی رقم ہی دینے کے قابل ہوں تب ہی کچھ دیں۔ ضرورت کے وقت ایک پانی کی بھی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ ہمارا تھوڑا سا حصہ دوسروں سے مل کر بہت ہو جائیگا۔ نتیجتاً ایک کثیر مال جمع ہو جائیگا۔

غزوہ تبوک کی تیاری کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چندہ جمع کرنے کی اپیل کی تاکہ اخراجات کا بندوبست ہو سکے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک دوسرے سے سبقت لے

نے فرمایا۔ جہاد میں روپیہ خرچ کرنے والوں کو ایک روپیہ کا ثواب سات سو روپے کی مثل ہو جاتا ہے۔
(ترمذی)

۱۲۔ حضرت ابو مسعود انصاریؓ نے فرمایا کہ ایک آدمی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک سانڈنی لے کر حاضر ہوا جس کو مہار پڑی ہوئی تھی اور عرض کی یہ سانڈنی اللہ کی راہ میں دیتا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمہیں ایسی سوا ڈنٹیاں ملیں گی۔ مہار وغیرہ پڑی ہوئی ہوں گی۔

۱۳۔ حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مجاہد کو سامان دلایا اور روپیہ سے اس کی امداد کی یا اس کے بیوی بچوں کو اس کے پیچھے پوری پوری خدمت کی تو اس شخص کو غازی کے برابر ثواب ملتا ہے اور غازی کے ثواب میں سے کچھ کمی نہیں ہوتی۔ (صحاح)

۱۴۔ حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کسی نے غازی کو سامان حرب دلا دیا اور اس کے پیچھے اس کے بال بچوں کی خبر گیری کی اس کو ایسا ہی ثواب ملتا ہے جیسے وہ خود جہاد میں شریک ہوا۔

(بخاری و مسلم)

رفاہ عامہ اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کرنا بھی اسی طرح بے حد کارِ ثواب ہے اس ضمن میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مالی قربانیاں اور حضور پاکؐ کے اس کے متعلق ارشادات قابلِ غور ہیں۔

خلیفہ سوم حضرت

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے پہلے تقریر عثمان ذوالنورین رضی

اللہ تعالیٰ عنہ، کے گھر کا جب شرپسندوں نے سختی سے محاصرہ کیا آپ کا مسجد میں آنا جانا بند کر دیا گیا تو ایک دن آپ مکان کی چھت پر چڑھے من مسجد میں کچھ لوگ موجود تھے آپ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

۶ کیا تم کو معلوم نہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو مسجد

بہت تنگ تھی۔ آپ نے فرمایا اس قطعہ زمین کو کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے۔ اس کو جنت میں اس سے بہتر جگہ ملے گی۔ میں نے ارشاد کی تعمیل کی اور اس زمین کو خرید کر مسلمانوں پر وقف کیا۔ آج تم اس مسجد میں مجھے نماز پڑھنے سے روکتے ہو۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں برسرِ رومہ کے علاوہ بیٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے اس کو جنت میں اس سے بہتر ملے گا۔ میں نے اُسے خرید کر وقف کیا اور آج تم مجھے اس کنوئیں کے پانی سے روکتے ہو میں ان لوگوں سے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ قسم دے کر پوچھتا ہوں کسی کو یاد ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہِ حرا پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا۔ آپ نے ٹھوکر مار کر فرمایا حرا ٹھہر جا کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبیؐ ایک صدیق اور ایک شہید ہے۔ اور میں آپ کے ساتھ تھا میں ان لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں جو بیعتِ رضوان میں موجود تھے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری جانب سے بیعت نہیں لی۔ لوگو! قین صورتوں کے سوا کسی مسلمان کا خون جائز نہیں۔ مرتد ہو جائے یا بدکاری کا مرتکب ہو یا کسی کو قتل کرے۔ ان تینوں سے میرا دامن پاک ہے۔

تو مراد یہ ہے کہ مسلمانوں اور اسلام کی خاطر جو کچھ اس دنیا میں انجام دے گا۔ اُس سے بہتر اُسے اُخروی زندگی میں اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا نوح و قلم تیرے ہیں

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا
نا جائز مال سے پرہیز بھی جہاد میں شامل ہے۔ تو جہاد ہے ہی لیکن ناجائز

ذرائع سے دولت اکٹھی کرنا۔ فراڈ، دھوکا دہی، بددیانتی۔ سرکاری حساب میں خورد برد، ٹھیکوں اور ٹینڈروں میں ہمیر پھیر حکومت سے وصولی کچھ اور کارخانہ دار یا مال فراہم کرنے والے کو ادائیگی کچھ اور سامان ٹھیک ٹھاک ہے۔ قابل استعمال حالت میں ہے۔ ذاتی اغراض کے لئے ہمیر پھیر کر دیا اور اس قسم کے تمام دیگر ذرائع سے دولت کمانے اور

سامان جمع کرنے سے پرہیز بھی مالی جہاد ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب ناجائز خواہشات پر قابو پانا ہے اور یہ جہاد نفس جہاد اکبر ہے۔

۱۰

عملی جہاد

بوقت ضرورت دشمن کے خلاف لڑائی کے لئے اپنی خدمات پیش کرنا یہ عملی جہاد ہے۔ باقاعدہ نظام حکومت کی صورت میں یہ کام فوج کے سپرد ہوتا۔ اس مقصد کے لئے ہر ملک ایک فوجی قوت تیار رکھتا ہے۔ لیکن جنگ کسی ایک جگہ اور ایک محاذ پر نہیں لڑی جاتی۔ لڑائی میں لاتعداد محاذ کھل جاتے ہیں۔ یہ ملک کے چپے چپے پر لڑی جاتی ہے۔ دشمن اپنے مد مقابل کو مغلوب کرنے کے لئے شہروں، کارخانوں اور فیکٹریوں کو اپنا ہدف بناتا ہے۔ دفاعی اہمیت کے کارخانے اور رسل و رسائل کے ذرائع تباہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہذا فوج کو اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہر میدان میں آپ کے تعاون اور عملی مدد کی ضرورت ہوگی۔ اُن کی رہنمائی، سامان جنگ کی فراہمی، خورد و نوش کا انتظام شہروں کا دفاع خصوصاً چھاتہ بردار فوج کے حملے کی صورت میں اس کی اشد ضرورت ہوگی۔ پاکستان جیسے چھوٹے ملک کی محدود فوجی قوت کو اگر ان حالات سے نپٹنا پڑے تو بہت کم فوج محاذ جنگ کے لئے باقی بچے گی۔ لہذا غیر لڑاکا جموں و قوموں کا تعاون اس سلسلے میں انتہائی مفید ہو سکتا ہے۔ ہسپتالوں میں مریضوں کی دیکھ بھال زخمی مجاہدوں کی تیمارداری، جہاں کہیں بھی آپ اس سلسلے میں کچھ کر سکیں۔ وہ جہاد میں شامل ہے۔ کتاب کا موضوع جہاد عملی ہے۔ لہذا اس کی تفصیل جہاد فرض ہے کہ باب میں آرہا ہے۔

جہاد کی قسمیں

جہاد کی تین قسمیں ہیں۔ جہاد نفس، جہاد شیطان اور جہاد کفار۔

جہادِ نفس :- اپنے آپ کو حق و صداقت اور رشد و ہدایت کی تلاش پر مجبور کرنا۔ علم کے بعد عمل کے لئے نفس کو مجبور کرنا علم و عمل کے بعد تعلیم اور تبلیغ کے ذریعے دین حق کو پھیلانا۔ اس راہ میں مصائب اور تکالیف کو برداشت کرنا یہ جہادِ نفس ہے۔ اس کے بغیر دین و دنیا کی سعادت حاصل نہیں ہو سکتی۔ جہادِ نفس، جہادِ اکبر ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک غزوہ سے واپسی پر فرمایا۔

رجعنا من الجہاد الا صغریٰ الجہاد الا کبیر۔ ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف پلٹے۔ اس میں ہر قسم کی بُرائی، گناہ، لالچ، ناجائز خواہشات، احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی سے بچنا شامل ہے۔

کلامِ پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ
فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۗ نِپَا . الننزعت ح ۴

اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کی خواہش سے رد کا تو بیشک جنت ہی اُس کا ٹھکانا ہے۔

جس نے یہ جانا کہ مجھے مرنے کے بعد اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اور اس خوف سے وہ گناہوں اور نفسانی خواہشات سے باز رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کی مغفرت فرمائے گا اور اسے جنت میں جگہ عطا فرمائے گا۔

شیطان ایمان میں شکوک و شبہات ڈال کر انسان کو گمراہ کرنا چاہتا
جہاد و شیطان :- ہے۔ شیطان دوسوسوں کا مقابلہ کرنا شیطان کے پیدا کردہ بُرے
 خیالات اور ارادوں کو روکنا۔ ان سے بچنے کی کوشش کرنا۔ ان کا مقابلہ کرنا یہ جہاد شیطان ہے
 شیطان نے انسان کو صراطِ مستقیم سے بہکانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک
 مہلت لے رکھی ہے۔ اور پھر اعلان کیا ہے کہ ان پر دائیں بائیں آگے پیچھے سے وار کر دوں گا
 ان کے راستے میں گھات لگا کر بیٹھوں گا۔ میں ان کو تیری راہ سے روکوں گا اور ان میں اکثر
 کو گمراہ کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا تجھے کھلی چٹھی ہے اپنا زور آزمائے۔
 لیکن میرے بندوں پر تمہارا کوئی وار کارگر نہیں ہوگا۔ وہ تیرے دام فریب میں نہیں آئیں
 گے۔ کلام پاک میں یہ قصہ یوں مذکور ہے۔
 سورہ بنی اسرائیل۔

ترجمہ :- اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ
 کرو تو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے بولا۔ اُس نے کہا، کیا میں اُسے سجدہ
 کروں۔ جسے تو نے مٹی سے بنایا بولا (شیطان) دیکھ تو جو یہ تو نے مجھ سے معزز
 رکھا۔ اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی تو ضرور میں اُس کی اولاد کو پیس ڈالوں گا۔
 مگر تھوڑے۔ فرمایا دور ہو شیطان کو، تو ان میں جو تیری پیروی کرے گا۔ تو بے شک سب
 کا بدلہ جہنم ہے۔ بھر پور سزا اور ڈگادے گا۔ اُن میں سے جس پر قدرت پائے اپنی آواز
 سے اور ان پر لام باندھ رہی ہے اپنے مکر لاڈال، لا اپنے سواروں اور پیادوں کو اور ان کا
 سا جی ہو مالوں اور بچوں میں اور انہیں وعدہ دے از شیطان انہیں وعدہ نہیں دیتا مگر
 فریب ہے۔ بے شک جو میرے بندے ہیں۔ ان پر تیرا کچھ قابو نہیں (المحضرت بریلویؒ)

(پ - ع)

مختصر قصہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر فرشتوں کو
 حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ چنانچہ تمام فرشتوں نے حکم ربی کی تعمیل کی لیکن ابلیس نے سجدہ کرنے
 سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور میری تخلیق آگ سے ہوئی ہے۔

چنانچہ اس نے ٹکڑا کیا اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی کہ اگر قیامت تک مجھے مہلت مل گئی تو اولادِ آدم کو تباہ برباد کروں گا اور ان میں سے بہت کم میرے وارث سے محفوظ رہیں گے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ یہاں سے دور ہو جا۔ جو تیرنی پیروی کرے گا۔ تجھے اور ان سب کو جہنم میں ڈالوں گا اور ان میں سے جس پر تو اپنے دام فریب سے قابو پائے گا۔ آواز سے بعض علمائے گانے باجے اور لہو و لعب مراد لیے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جو آواز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف منہ سے نکلے وہ شیطانِ آواز ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ڈھیل دی کہ تو اپنے تمام شکروں سے مدد لے لے نہیں ان پر مامور کر دے۔ ان کے ہر کام میں اپنے حماقتوں کو شریک کر دے۔ انہیں بھلائی کے وعدے دے۔ لیکن تیرا وعدہ نہیں مگر صریح فریب ہے اور پھر اعلان فرمایا کہ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کوئی قابو نہیں۔ وہ تیرے دوسو سات میں نہ آئیں گے۔ ان پر تیرا وار کارگر نہ ہوگا۔

سورہ الاعراف میں یوں مذکور ہے۔

ترجمہ :- اور بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہارے نقتے بنائے پھر ہم نے ملائکہ سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو وہ سب سجدے میں گر گئے مگر ابلیس یہ سجدہ والوں میں نہ ہوا (اللہ نے)، فرمایا کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے تجھے حکم دیا بولا (شیطان) میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا۔ فرمایا (اللہ نے)، تو یہاں سے اتر جا تجھے نہیں پہنچتا کہ یہاں رہ کر غرور کرنے نکل تو ذلت والوں میں بولا (شیطان) مجھے فرصت دے اُس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں۔ فرمایا (اللہ نے)، تجھے مہلت ہے۔ بولا (شیطان) قسم ہے اُس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے راستے پر اُٹھی تاک میں بیٹھوں گا پھر میں ضرور اُن کے پاس آؤں گا۔ اُن کے آگے اور ان کے پیچھے اور ان کے داہنے اور ان کے بائیں سے اور تو (اللہ)، ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔ فرمایا (اللہ نے)، یہاں سے نکل جا رو کیا گیا راندہ ہوا ضرور جو ان میں سے تیرے (شیطان) کہے پر چلا میں تم سب سے جہنم بھر دوں گا۔ (المحضرت بریلوی، پتہ الاعراف ص ۸)

اس کی تفسیر میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی فرماتے ہیں کہ شیطان نے مُردوں کے زندہ ہونے کے وقت تک مہلت چاہی تھی اور اس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ موت کی سختی سے بچ جائے لیکن یہ قبول نہ ہوا اور نفعِ اولیٰ تک مہلت دی گئی ہے۔ شیطان نے اپنی پوری شد و مد سے اپنا کام کرنے کا وعدہ کیا ہے کہ بنی آدم کے دل میں دوسو سے ڈالوں اور انہیں باطل کی طرف مائل کر دوں گا۔ گناہوں کی رغبت دلاؤں گا۔ تیری اطاعت اور عبادت سے روکوں گا۔ ان کو گمراہی میں ڈالوں گا۔ چاروں طرف سے ان کو گھیر کر راہِ راست سے ہٹاؤں گا۔ ان کو بتلائے شہوت و قباغ کر دوں گا۔ اور پھر یہ دعویٰ کہ اکثر کو اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے باز رکھوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تو اپنا کام کر اور میں تجھے اور تیری اطاعت کر لے ڈالوں کو جنہم میں ڈالوں گا۔

شیطان اور اس کے اہل کار کسی ایک محاذ پر کار فرما نہیں
شیطان کا محبوب نمائندہ :- ہوتے بلکہ ان کا محاذ ہر کہیں ہے۔ دینی معاملہ ہو۔
 دنیاوی ہو۔ ذاتی ہو یا اجتماعی۔ اس کا تعلق جنگ سے ہو یا امن سے۔ طاعت و ریاضت سے ہو یا کسب معاش سے ملکی معاملات ہوں یا بین الاقوامی۔ پڑوسی کے ساتھ مسائل ہوں یا میاں بیوی کے تعلقات ہر جگہ اپنا کام (شن) پورا کرتا۔ شیطان میاں بیوی کے تعلقات میں گہری دلچسپی رکھتا ہے۔ انہیں بگاڑنے میں خصوصی توجہ دیتا ہے اور یہ کام انجام دینے والے کو اپنے قربِ خاص سے نوازتا ہے۔ اس سلسلے میں خطبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ملاحظہ ہو۔

ترجمہ :- آگاہ ہو کہ شیطان نے سختِ مکر و دفا سطحِ آب پر قائم کیا ہے۔ وہ اپنے گناہوں کو چاروں طرف بھیتا ہے اور جو جتنی زائد گمراہی پھیلاتا ہے اُس کو اتنا ہی اپنا مقرب بناتا ہے اس کے کارکن جب واپس آتے ہیں تو وہ ان سے کارنامے سُنتا ہے وہ کہتے ہیں ہم نے یہ کیا، ہم نے یہ کیا۔ شیطان کہتا ہے کہ تم نے خاک کیا۔ ایک کارکن کہتا ہے کہ حضور میں نہیں واپس آیا مگر میں نے میاں بیوی میں عداوت کی دیوار کھڑی کر دی ہے اُس وقت

شیطان اُس کو نزدیک بلاتا ہے اور کہتا ہے ہاں یہ کام کیا ہے تم نے؟
انسان کو ایسے کاموں سے پہنچا پائیے جن سے شیطان خوش ہوتا ہے

ایک مرتبہ حضرت خواجہ حسن بھریؒ نے
حضرت خواجہ حسن بھریؒ کا قصہ :- شیطان سے پوچھا کہ تجھے سب سے زیادہ
خوشی کس کام سے ہوتی ہے۔ شیطان نے جواب دیا آپ کو اس کی کیا ضرورت۔ کہا میں اُسے
کرتا چاہتا ہوں۔ شیطان نے کہا جب میں نماز قضا کروا دیتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ آئندہ میں
اسے کبھی قضا نہیں ہونے دوں گا۔ اس پر شیطان سٹ پٹایا کہ تو نے مجھے بھی پرا دیا۔ میرے
راز کو پایا۔

ذاتی حفاظت، دین کی حفاظت اور ملکی سلامتی کے لئے دل و زبان اور جان
جہاد و کفار :- رمال سے خدا کی راہ میں غیر مسلموں سے لڑنا جہاد کفار کہلاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نزول
جہاد کا حکم کب نازل ہوا :- وحی کے بعد اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ ابتدا میں آپؐ
نے خفیہ طور پر تبلیغ شروع کی۔ اہمیت آہستہ آہستہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے کچھ عرصہ
بعد آپؐ کو علانیہ دعوتِ حق کا حکم ہوا۔ تو آپؐ نے تمام اہل مکہ کو اسلام کی دعوت دی۔ رد ساء
مکر یہ دیکھ کر مخالفت پر اتر آئے۔ وہ اپنا من مرضی کا مذہب اور عیاشی چھوڑنے پر آمادہ نہ
تھے۔ چنانچہ انہوں نے اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کر دیئے جو لوگ اسلام لائے
تھے اُن پر لڑہ خیز مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ عرصہ دراز تک مسلمان کفارِ مکہ کی ایذا
رسانیاں برداشت کرتے رہے۔ اُن کے ظلم و ستم میں دن بدن اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ
مسلمان ترکِ وطن پر مجبور ہو گئے۔ ہجرتِ حبشہ کی نوبت آئی اور اُس کے بعد مدینہ شریف کی
طرف ہجرت کے لئے مجبور ہوئے۔ جب معاملہ حد سے گزر گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا
ایک گروہ جن میں عبدالرحمن بن عوف بھی شامل تھے۔ حضور پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
عرض کی یا رسول اللہ ہم جب مشرک تھے تو انتہائی معزز تھے لیکن جب اسلام لانے ہیں۔
انتہائی ذلیل و بے کس ہو گئے ہیں۔ کفار ہم کو ذلیل و رسوا کر رہے ہیں آپ ہمیں ان سے

حکم دیا تو پھر تلوار اٹھانے کا حکم صادر فرمایا اور دعوتِ جہاد دی۔

خطبہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

دعوتِ جہاد - "اللہ کا نام لے کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑو اور کافروں سے گھمسان کی جنگ لڑو۔ لڑو مگر دھوکا نہ دینا۔ حد سے نہ بڑھنا، اعضا کو جدا نہ کرنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا اور جب تمہاری مشرکوں سے مڈبھیڑ ہو تو ان کے سامنے تین باتیں رکھنا اگر وہ ان میں سے ایک بات بھی مان جائیں تو پھر ان سے جنگ نہ کرنا۔

پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ قبول کر لیں تو ان سے ہاتھ روک لو اور ان سے کہو کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے شہر چلے جائیں اور ان کو تادینا کہ اگر وہ ہجرت کریں گے تو ان کے ساتھ مہاجر جیسا سلوک کیا جائے گا۔ اگر وہ اس پر تیار نہ ہوں تو ان کو تادو کہ وہ بدوی مسلمانوں کی طرح بکھے جائیں گے اور جس طرح مسلمانوں پر اللہ کے احکام جاری ہوں گے اسی طرح ان پر بھی ہوں گے۔ لیکن مالِ غنیمت میں وہ اسی دقت حصہ بنا سکیں گے جب وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شرکت کریں۔

اور اگر وہ اسلام لانے سے انکار کر دیں تو ان سے جزیہ طلب کرو۔ اگر وہ جزیہ دینے پر تیار ہوں تو ان سے ہاتھ روک لو۔ ورنہ اللہ پر توکل کر کے ان پر حملہ کرو اور اگر کسی قلعہ کا تم محاصرہ کرو اور وہ لوگ اللہ یا اس کے رسول کی ذمہ داری پر پناہ مانگیں تو اس بات پر تم ان کو ہرگز امان پر نہ دینا بلکہ اپنے باپ دادا اور دوستوں کی ذمہ داری پر پناہ دینا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عہد شکنی ہو جائے تو آباؤ اجداد اور دوستوں کی عہد شکنی، اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ توڑ دینے سے سہل ہے۔

اور اس طرح اگر تم کسی قلعہ کو محصور کرو اور وہاں کے لوگ "حکم الہی" کی شرط پر صلح کرنا چاہیں تو راضی نہ ہو بلکہ اپنی شرائط پر انہیں امان دینا کیونکہ معلوم نہیں، تم ان کے متعلق خدائی فیصلہ معلوم کر بھی سکو گے یا نہیں۔

چنانچہ مذکورہ خطبہ پاک میں سرکارِ دو عالم نے دشمنانِ اسلام کی روش، ان سے لڑنے کا جواز اور پھر غالب آنے کی صورت میں صلح اور شرائط طے کرنے کے اصول و ضوابط بیان

بیان فرمائے اور پھر واضح کر دیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی ذمہ داری پر ان سے کوئی سمجھوتہ نہ کریں۔ اس لیے کہ وہ اسے مانتے ہی نہیں۔ اس کے قائل ہی نہیں۔ لہذا وہ ان کے عہد کی پابندی کیا کریں گے یہ وضاحت اس لئے فرمادی کہ اس طرح اللہ کے دین کے دشمن مسلمانوں کو دھوکے میں نہ ڈال دیں۔

مسلمان جو بھی نیک کام کرے گا ان سب کا اپنا اپنا اجر ہے
جہاد افضل عمل ہے :- کسی کا کم اور کسی کا زیادہ۔ اور بعض کو بعض پر اجر و ثواب کے لحاظ سے فوقیت ہے۔ لیکن جہاد انسان کے تمام اعمال میں سب سے افضل ہے۔ اس سے افضل کوئی دوسرا عمل نہیں۔
 حدیث پاک ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ سائل نے پوچھا اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔
 (بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہے کہ کوئی عمل جہاد سے بہتر نہیں ہے۔

حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں
ایک صحابی کا واقعہ :- ایک صحابی نے دنیاوی دھندے کو ترک کر کے کہیں تنہائی اور دیرانے میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا قصد کیا تاکہ بھولنے کے ساتھ اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جائے۔ اس کی خبر حضور کو ہوئی۔

قصد کر لیا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا گوشتہ نشینی کا ارادہ ترک کر دو۔ ایک شخص کا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اس سے بہتر ہے کہ کوئی شخص اپنے گھر میں ۱۰ سال تک عبادت کرے۔ تم کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور تم کو جنت میں داخل کرے۔ جو شخص اللہ کے راستے میں تھوڑی بھی دیر کے لئے جہاد کرتا ہے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

جہاد فرض ہے

نماز اور روزے کی طرح جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُنُزٌ لَّكُمْ (پٹ - بقرہ ص ۸)

تم پر جہاد (لڑنا) فرض کیا گیا اور وہ تمہیں بڑا ناگوار، لگتا ہے،

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے یہ انسانی زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے کوئی ایسا پہلو نہیں جو اس کے احاطے سے باہر ہو۔ کفر و شرک اور طاغوتی طاقتیں ابتدائے اسلام سے ہی اس دین متین کو صغیر ہستی سے شانے کے لئے اپنا حتمی زور لگا رہی تھیں۔ اسلام دشمن قوتوں نے فتنہ فساد برپا کر رکھا تھا۔ مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ مسلمان طاقت کے لحاظ سے کمزور اور تعداد کے لحاظ سے انتہائی قلیل تھے۔ چنانچہ ایسے حالات میں ظلم و جبر کا خاتمہ فتنہ و فساد کو دور کرنے اور امن و سکون کی زندگی فراہم کرنے کے لئے مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے کہ تم پر جہاد فرض ہے۔ تمہیں اس فریضہ کو ادا کرنا پڑے گا خواہ وہ تمہیں ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ جہاد کا حکم مدینہ شریف میں ہجرت کرنے کے بعد نازل ہوا اس وقت مسلمان کمزور اور بے بس تھے جنگ کا سامان پاس نہیں تھا۔ غربت و افلاس اور پریشانی کا شکار تھے۔ اس لئے فطری طور پر بعض مسلمانوں کو جنگ کا حکم ناگوار گزارا یا وہ پس دہشیں میں مبتلا ہونے۔ اس لئے یہ واضح کر دیا گیا کہ جنگ خواہ تمہیں کتنی ہی بڑی کیوں نہ محسوس ہو تمہیں یہ مقدس فریضہ برمال میں ادا کرنا ہے۔ ایک نیک اور فتنہ و فساد سے پاک معاشرہ قائم کرنا ہے اس کے لئے قربانی بہر صورت دینی پڑے گی۔

انسانی فطرت کا تقاضا ہے جنگ میں دشمن کو تباہ کرنا اور کبھی اس کے ہاتھوں خود

شہید ہو جانا یہ عام بات ہے۔ اس میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے کا عام امکان ہوتا ہے۔ اس لئے انسان کو جب لڑائی کا حکم دیا جاتا ہے تو فطری طور پر اُسے موت سامنے نظر آتی ہے انسان کی رہی جان بڑی پیاری شے ہے۔ دنیا کی لذتیں بھی بڑی پرکشش ہیں۔ لہذا زندگی کا خاتمہ انسان کو ناگوار اور نا پسند ہے۔ وہ اس سے پہلو تہی کرتا ہے اس طرف راغب نہیں ہوتا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ اس کے نتائج بڑے درد رس، بڑے فائدہ مند ہیں۔ اس لئے اگر عارضی طور پر تمہیں یہ نا پسند ہو۔ تب بھی یہ کرنا پڑے گا تاکہ فتنہ و فساد ختم ہو۔ لوگ امن و سکون کی زندگی بسر کریں۔ لہذا اس کے لئے نقصان برداشت کر لو۔ جانی اور مالی قربانی دو۔ اس کے حکم پر بلا تردد و عمل کرو اور اس کی رضامندی حاصل کرو۔

مجاہد کی قربانی کسی ذاتی غرض یا فائدے
مجاہد کی شہادت قوم کی حیات ہے کے لئے نہیں ہوتی۔ وہ ملک و ملت

کی ناموس اور اللہ کے دین کی سر بلندی کے لئے لڑتا ہے۔ اس کی قربانی دین اسلام کو استحکام اور وسعت عطا کرتی ہے۔ لاتعداد جانوں کو امن و سکون کی زندگی مہیا کرتی ہے۔ ان کی بقا، ترقی اور نشوونما کا باعث بنتی ہے۔ جہاں کا سکون و ثبات انہی کی تلواروں کے دم قدم سے ہے۔

مولانا عبدالمجید سالک لکھتے ہیں

تمہیں سے اے مجاہد جہاں کا ثبات ہے شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے
اگر مجاہد اس سے منہ موڑ لے تو امن قائم نہیں رہتا۔ دین حق کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے یہ
خطرہ کبھی ملک کے باہر دشمنوں کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی اندرون ملک سرکش عناصر کی وجہ
سے۔ نواسہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ، کو یزید کے مقابلے میں ایسے ہی حالات اور عناصر سے واسطہ پڑا تھا۔ تمام مسلمان
آپ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ حالات بالکل صاف نظر آ رہے تھے کہ ایک بڑی فوج کے مقابلے
میں یہ چند نفوس آخر کب تک لڑیں گے انجام موت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ لیکن آپ
نے حق چھوڑ کر باطل کے سامنے سر نہ جھکایا مقامِ کربلا میں معصوم بچوں تک کی قربانی
پیش کی۔ اپنی جان پاک پھاوردی۔ عزیز و اقارب سب ہی اس راہ میں قربان کر دیئے

تن میں، دھن سب کچھ کی بازی لگادی لیکن اپنے نانا پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دین پر صرف نہ آنے دیا۔ رہتی دنیا تک کے لئے مثال قائم کر دی۔

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربا کے بعد

إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ اللَّهِ لَأَسْلَفُوا (قن)

دین صرف دین اسلام ہے اللہ کے نزدیک دین صرف دین اسلام ہے۔

اللہ کا پسندیدہ دین، دین اسلام ہے۔ اور یہ جان دمال یہ دنیاوی زندگی اور نعمتیں بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ اور پھر یہ زندگی ایک عارضی چیز ہے اسے دوام حاصل نہیں۔ اسے ایک نہ ایک دن مر کر ہی دارِ قانی سے کوٹ کرنا ہے۔ کل نفس ذائقة الموت ط ہر ذی روح کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہ ایک اٹل فیصلہ موجود ہے۔ لہذا اس کی دی ہوئی جان اس کے دین سر بندگی اور حفاظت کے لئے قربان ہو جائے اس کے کام آجائے۔ یہ بڑی قیمت ہے۔ اس کی رضا کے لئے نذرانہ پیش کرنا ہی حقیقی زندگی ہے۔ مجاہد کی قربانی ملک و ملت کی تقدیر بدل دیتی ہے۔ بلکہ ملک اور قوم کی تقدیر مجاہد کے بازوئے تیغ زن کی مرہونِ منت ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

میں سمجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اہم کیا ہے شمشیر و سناں اول، طاؤس دربابِ آخر

دین اسلام کی ابتدا ہو چکی تو میں خون کی آبیاری سے پھلتی پھولتی ہیں تمہی۔ گنتی کے چند حضرات

اسلام لاپچھے تھے۔ طاغوتی طاقتیں ان کو صنوبر، ستی سے مٹانے کے لئے جان دمال سب کچھ ہی داؤ پر لگائے ہوئے تھیں۔ دین الہی کے نوخیز پودے کو ہر طرف سے بادِ سموم چھو

رہی تھی۔ اس کی حفاظت اور نشوونما کا معاملہ بڑے کٹھن مراحل سے گزر رہا تھا۔ پودے نشوونما کے لیے پانی کھا د اور زر خیر۔ مٹی درکار ہے۔ اس کی نشوونما ان ہی کی مرہونِ منت ہے۔

لیکن قوموں کی نشوونما، ترقی، بقا دینی احکام اور اشاعت کے لئے پانی، کھاد اور مٹی درکار نہیں۔ اس کے لئے خون درکار ہے۔ یہ ملک و ملت کے بہادر سپوتوں سے خون کا نذرانہ مانگتی ہے اس کی بقا کے لئے قربانیاں درکار ہیں۔

جان ہر جاندار کو پاری ہے۔ لڑائی میں مرنا اور مارنا یہ عام بات
جان کی قربانی :- ہے۔ کم ہمت انسان اسے پسند نہیں کرتا۔ زبانی دعوے کرنا
 اور بات ہے عمل کرنا اور بات ہے۔ تحریر و تقریر سے جہاد کرنا یہ قدرے آسان معلوم ہوتا
 ہے۔ اگرچہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ حاکم وقت کے سامنے حق بات کہنا معائب کے
 پہاڑ سے ٹکرانے کے مترادف ہے۔ لیکن ہمیں جان سے مار دینے کے خطرات جنگ کی
 نسبت کم ہوتے ہیں۔ لہذا مشکل معاملہ عملی جہاد کا ہے۔ فی لقب لڑنے کا ہے۔

ابتدائے اسلام میں تو نیچے اور تلوار کی جنگ تھی۔ یہ
دورِ حاضر کی جنگ :- کم خوفناک اور کم خطرناک تھی۔ اب اٹمی دور ہے۔ رسمی
 جنگ میں بھی انواع و اقسام کے ہتھیار استعمال ہو رہے ہیں۔ ذرا محاذِ جنگ کو دیکھ
 لیں دشمن پیش قدمی روکنے کے لئے بارودی سرنگیں بچھا دیتا ہے۔ گڑھے کھود دیتا ہے
 کانٹے دار تار لگا دی جاتی ہے۔ چھوٹے ہتھیاروں کا مسلسل فائر جاری ہے۔ توپیں گولے
 برساتی ہیں۔ ٹینک براہِ راست آگ برساتے ہیں۔ لڑاکا طیارے مسلسل ہوائی حملے کرتے ہیں
 دائیں بائیں بارودی سرنگیں پھٹتی ہیں۔ ساتھی زخمی ہوتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں کٹتے ہیں۔ شہید
 ہو رہے ہیں۔ مجاہد کو پیش قدمی کا حکم ملتا ہے۔ بڑھے چلو۔ بڑھے چلو مجاہدو مجاہدو۔

زندگی میں دو چار بڑے مشکل مقام آتے ہیں

یہی مشکل مقام ہے۔ اگر انسان اس کی حقیقت نتائج اور اقا دیت سے آگاہ نہ ہو تو مار
 کھا جاتا ہے۔ غلطیاں کر بیٹھتا ہے۔ پھر اس کا مدد مشکل ہو جاتا ہے۔ ملک و ملت کو مدتوں
 غمناک بھگتنا پڑتا ہے۔ ہاں تو مذکورہ بالا منظر کو اگر دیکھیں تو یہاں عقل و دماغ کچھ مشورے
 دیتے ہیں۔

یہاں شیطان اپنا داؤ لگاتا ہے۔ عقل و دماغ کے ساتھ مل کر حکم دینے
عقل کا مشورہ :- کی کوشش کرتا ہے۔ وہ دنیاوی زندگی کے سہانے سہانے منظر پیش
 کرتا ہے۔ عقل مشورہ دیتی ہے۔ مارے جاؤ گے۔ اعضاء کٹ جائیں گے۔ اپنے بچاؤ کی
 تدبیر کرے۔ شیطان بائیں طرف سے آتا ہے۔ اس طرف دل ہے۔ اس کے قریب ہو کر اپنا

کام کرتا ہے۔ اُسے گئے تو مارے جاؤ گے۔ بیوی رہ جائے گی۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان کا کون وارث ہوگا۔ مکان ابھی ابھی پختہ بنایا ہے اُس میں کچھ دن رہ کر بھی نہیں دیکھا بہت سے گھروں مسائل درمیتیں ہیں یہ کون حل کرے گا۔ لہذا مورچے میں بیٹھ جاؤ۔ پیچھے ریئر (REAR) میں چلے جاؤ۔ بہتر تو یہ ہے کہ تھوڑے دنوں کے لئے فوج سے ہی بھاگ جاؤ بعد میں سال بھر سزا ہی ہوگی۔ جان تو بچ جائے گی۔ یہاں مرنے سے کیا ملے گا۔ بڑی بات ہوئی تو بچوں کو ڈیڑھ دو سو فیٹس مل جائے گی۔ آج کل اس کی کیا وقت ہے۔ یہ ایک عام بات ہے ایسے خیالات ہر انسان کے دل میں آسکتے ہیں۔ شیطان دوسو سے ڈال سکتا ہے اور وہ ڈالتا ہے۔ اس مرحلے پر اگر ہم اپنے مذہب سے آگاہ ہوں۔ جہاد اور موت و حیات کے احکام سے آگاہ ہوں تو امید ہے ایسی غلطیاں وقوع پذیر نہیں ہوں گی۔

اس کائنات میں ہر شے کا اپنا ایک مشن
شیطانی دوسو سے کا منطقی جواب :- اور اُس کے لئے اُس کا عمل ہے وہ اُسے

حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ لہذا شیطان بھی اپنا کام کرتا ہے۔ اُس نے اسی کام کے لئے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کے لئے ڈھیل لے رکھی ہے۔ وعدہ کیا ہے کہ میں انسان کو ہر جیلے سے صراطِ مستقیم سے بہکانے کی کوشش کروں گا۔ اُس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے۔ اگر میں یہاں سے پیچھے بھاگ گیا۔ دشمن میرا تعاقب کرے گا۔ ملک کے اندر اور گھس آئے گا۔ اس طرح اگر میری پٹائی اور دشمن کی پیش قدمی کا معاملہ جاری رہا تو پورا علاقہ یا ملک جاتا رہے گا۔ اس علاقہ میں میرا گھر، مال، بیوی بچے بھی ہیں۔ رشتہ دار بھی ہیں۔ دشمن کے قبضے سے مجھے ان سے محروم ہونا پڑے گا۔ میری عزت و ناموس، مال و دولت سب کچھ ہی جاتا رہے گا اور بھاگتے بھاگتے آخر میری بھی باری آجائے گی۔ رمعاذ اللہ، تو پھر کیا ہوگا میرا زندہ رہنا کس کام کا اور بسیر کہاں ہوگا۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ پیچھے بھاگ جانے، محفوظ جگہ بیٹھ رہنے یا کسی اور طریقے سے موت سے محفوظ رہ سکیں۔ ہو سکتا ہے موت وہاں بھی آجائے۔

تقدیر اور انسانی تدبیر :- فارسی کا مقولہ ہے۔

تدبیر کنند بندہ تقدیر زند خندہ۔ انسانی تدبیر پر تقدیر منتہی ہے۔ انسان اپنی سوچ، فہم و فراست سے حالات کا کلی طور پر اندازہ نہیں لگا سکتا۔ حالات اُس کے اندازے کے مطابق ہوں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اپنی ذہانت اور تدبیر سے موت کو نہیں ٹال سکتا یہ ایک فطری عمل ہے اپنے انداز میں کار فرما رہتا ہے۔ کہاں اور کس حال میں آئے گی۔ اس کا علم نہیں۔ مستقبل میں کیا ہوگا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لہذا ہماری تسلی کے لئے بڑے اچھوتے انداز میں ہمیں اگاہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَعَسَىٰ أَنْتَ تَكْتُمُ هُوَ أَمَّا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لِّكَ
وَعَسَىٰ أَنْ تَحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لِّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (۱۰۴) البقرہ

اور شاید تمہیں ایک چیز بری لگے اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور شاید کوئی چیز بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ممکن ہے انسان کسی بات کو پسند کرے۔ اُسے کرنے کی خواہش ہو۔ اُسے اپنے حق میں مناسب خیال کرے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی کام کو پسند نہ کرے۔ اُسے کرنے کی خواہش نہ ہو۔ اُسے ناموافق خیال کرے۔ اس کے ناموافق نتائج کا خدشہ ہو لیکن حالات کی مجبوری اور پابندی ایسی ہو کہ کرنا پڑے۔ انسان کا خیال اپنی جگہ ہے۔ ہم مستقبل کی تاریخوں میں جھانکنے کی استطاعت نہیں رکھتے اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ کل ہوا کا راج کیا ہوگا۔ اس کا اندازہ ہم نہیں کر سکتے۔ القصد کس میں بہتری ہے اور کس میں نقصان اِسے معلوم نہیں کر سکتے۔ ہمارا علم مستقبل کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ فائدہ کس میں ہے۔ نقصان کس میں ہے اللہ رب العزت ہی بہتر جانتا ہے۔

انسان کی اور انسان کے علم کی مثال
انسان کی مثال طفل بے شعور کی ہے۔ ایک ایسے کم سن بچے کی ہے۔ جو چولہے کے پاس بیٹھی ہوئی ماں کی گود میں کھیل رہا ہے چولہے میں دیکھتے ہوئے انگائے دیکھ کر خوش ہوتا ہے اُسے پکڑنے کے لئے پکاتا ہے۔ والدہ ہاتھ پکڑ لیتی ہے جھولی میں احتیاط سے سنبھالتی ہے کہ کہیں پک کر انکارا نہ پکڑے۔ بچہ ضد کرتا ہے چلاتا

ہے، روتا ہے۔ لیکن والدہ کی صورت میں اُسے انگارے تک پہنچنے نہیں دیتی۔ اس لئے کہ وہ تاکھ ہے اُسے یہ علم نہیں کہ یہ آگ جلا دے گی۔ ہاتھ کو نقصان پہنچے گا۔ والدہ ناٹک سے آگاہ ہے۔ اس لیے اُس کے رونے اور چلانے کی اہمیت نہیں دیتی۔ ایسا ہی معاملہ انسان کی پسند خواہش اور مستقبل کے حالات اور نتائج کا ہے۔ وہ اپنے شعور سے مستقبل اور حالات کو حتمی طور پر سمجھنے سے قاصر ہے اسی تذبذب اور تردد و قدح کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ تم بے چوں چرا عمل کرو۔ فتح ہوگی یا ناکامی، فائدہ ہو یا نقصان زندہ رہیں گے یا مر جائیں گے۔ اسے اللہ غالب اور حکمت والا جانتا ہے۔ انسان کا نفع اور نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ناموافق حالات کو موافق کر سکتا ہے۔ مصائب کو خوشیوں میں تبدیل کر سکتا ہے۔ تمام حکمتیں اور بھلائیاں اُس کے اختیار میں اُس کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ جب یہ یقین پیدا ہو جائے تو پھر کوئی کام مشکل نہیں کوئی مہم اور مشکل ایسی نہیں جو اُسان نہ ہو جائے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سے

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامین پیدا

انسان اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اُسے یقین ہو اللہ ہمارے حال کو بہتر جانتا ہے اور بہتر کرتا ہے۔ بھلائی اُس کے کرم کی وجہ سے ہے اور مصیبت ہمارے اعمال کی وجہ سے۔ اپنی اصلاح کرے عمل میں اخلاص پیدا کرے یہی فلاح و کامیابی کا راز ہے۔

جہاد نفس اور جہاد

جہاد کفار کبھی فرض عین اور کبھی فرض کفایہ ہوتا ہے نہ شیطان فرض عین میں

فرض عین سے مراد یہ ہے کہ یہ کس طرح بھی ایک انسان دوسرے کے لئے ادا نہیں کر سکتا۔

جہاد کفار کبھی فرض عین ہوتا ہے اور کبھی فرض کفایہ۔ اگر ضرورت کے مطابق لوگ میدان جنگ

میں موجود ہوں۔ لڑائی میں مصروف ہوں۔ تو فرض عین نہیں ہوتا بصورت دیگر فرض عین

ہوتا ہے۔ باقاعدہ نظام حکومت کی صورت میں یہ ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔

اگر عوام سستی کریں تو حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جبری بھرتی کر سکتی ہے۔ جس کسی

کی جہاں ضرورت ہو بھیجا جاسکتا ہے۔ کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ انکار تو دور کی بات ہے سچا مسلمان دل و جاں سے اس کا آرزو مند رہتا ہے اس کے لئے دُعا کرتا ہے کہ اگر موقع آئے تو اللہ شمولیت کی توفیق عطا فرمائے اور جو اس کا خواہش مند نہیں جو جہاد کی آرزو نہیں رکھتا اس کے متعلق سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے۔

” جو شخص مرا اور جہاد نہیں کیا بلکہ جہاد کا خیال بھی دل میں نہ لایا تو اس کی موت ایک قسم کے نفاق پر ہوتی ہے“

جو اس سے ڈرتا ہے وہ اسلام کی روح اور مسلمان کے مقام کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

چوں مسلمان گوئم بلرزم کہ دائم مشکلات لالہ لہ

جب میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہوں۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں تو میرا جسم کانپ اٹھتا ہے۔ اس لئے کہ کلمہ حق بلند کرنے والوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں باطل ان کے درپے آزار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو بڑی بڑی آزمائشوں میں ڈال دیتا ہے مسلمان کو اس کی خاطر مسلسل جہاد کرنا پڑتا ہے بزدل اور کم ہمت اس کا تحمل نہیں ہو سکتا۔ مجاہد کا بے مثال تمنہ اس کے بدن پر سزاوار نہیں ہے۔

قبائے لالہ خونیں قبائے است کہ بربالائے نامرداں دراز است

لالہ کا لباس ہمیشہ خون ہی سے رنگا جاتا ہے اور یہ لباس نامردوں کے جسم پر نہیں بھتا۔

جہاد کا حکم مدینہ شریف کی

جہاد اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم :- ہجرت کے بعد نازل ہوا۔

چنانچہ دس سالہ مدنی زندگی میں چھوٹی بڑی ۸۲ لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں سے ۲۶

لڑائیوں کی آپ نے خود کمان فرمائی۔ جنگوں کی منصوبہ بندی کے حالات کا جائزہ لیا۔ بدر

اور احد میں میدان جنگ کا ملاحظہ فرما کر خود مجاہدوں کو مختلف حصوں میں بانٹا۔ موقع

محل کے پیش نظر اہم جگہوں کا تعین کیا۔ غزوہ بدر میں حق و باطل کی پہلی ٹکرتھی۔ حکم الہی سے

کفار کی طرف کنکریاں پھینکیں۔ جنگِ احد میں دانت مبارک شہید ہوئے۔ چہرہ مبارک

زخمی ہوا۔ سر اقدس پر پہنی ہوئی خود رُخسار مبارک میں جھجگئی۔ غزوہ خندق میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شانہ بشانہ خندق کھودی۔ عددی قلت ضرور تھی۔ لیکن بانثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتنی تعداد موجود تھی۔ اُن میں اتنا جوش و جذبہ تھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کچھ بھی نہ کرتے تو کام چل سکتا تھا۔ دستِ غیب مدد دے سکتا تھا لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ جہاد کی اہمیت اور ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے اُمت کے لئے عملی نمونہ دے دیا۔ رہتی دنیا تک مثال قائم فرمادی۔

جہاد کی حد کہاں تک ہے خصوصاً جہاد
جہاد کا دائرہ عمل اور آخری حد:- کفار اور منافقین سلسلے میں، لڑائی کس
وقت تک جاری رکھی جائے اور کب اس سے ہاتھ روک لیا جائے۔ چنانچہ ارشاد باری
تعالیٰ ہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ط

اور ان سے یہاں تک لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا دین ہو جائے۔

فَإِنْ أَنْتَهُبُوا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ه (پ۔ البقرہ - ع)

پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہ کریں۔ (بقرہ ۱۹۳)

اللہ تعالیٰ نے صاف اور واضح حد مقرر کر دی اور اس کا تعین ہم پر چھوڑ دیا۔ لڑائی
جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ فتنہ و فساد کی صورت میں زندگی کا کوئی شعبہ
پھل پھول نہیں سکتا۔ معاشرے کو امن و سکون مہیا نہیں ہوتا۔ فضا غیر متزلزل اور بے یقینی
کاشکار رہتی ہے۔ انسان پس و پیش میں رہتا ہے۔ ملک و ملت کی ترقی اور اسلام کی
اشاعت کے لئے یہ ضروری ہے کہ امن و امان بحال کیا جائے۔ لوگوں کے ذہن سے عدم
تحفظ کا خاتمہ کیا جائے تاکہ وہ دوسرے سماجی اور معاشرتی معاملات میں یکسوئی سے کام
کر سکیں چنانچہ حکم ہے۔ مجاہد اُس وقت تک سرکھن رہے جب تک دشمن کی طرف
سے خطرہ مکمل طور پر ختم نہیں ہو جاتا وہ اسلام لے آئے یا مطیع ہو جائے یا کسی شرط پر
صلح کر لے اور تمہیں یقین ہو جائے کہ دشمن پھر سر نہیں اٹھائے گا۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ دشمن بعض اوقات دباؤ سے بچنے کے لئے عارضی صلح کی کوشش کرتا ہے تاکہ اُسے وقت مل جائے تیاری کر سکے۔ اپنی خامیوں کو دُور کر سکے۔ دوسروں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا سکے۔ یہ دیکھنا ارباب اختیار کا کام ہے سرانجام رساں محکموں کی ذمہ داری ہے کہ دشمن کی نیت کیا ہے اُن کی پیش کش وقتی ہے یا حقیقت پر مبنی ہے۔ مستقبل میں دشمن کو اس سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے اور ہمیں کیا نقصان متوقع ہے۔ حالات کی تہہ تک چھان بین ضروری ہے پھر اگر وہ باز آجائیں لڑائی سے دست بردار ہو جائیں صلح کرنا چاہیں۔ میطیع ہو کر رہنا پسند کریں تو ان پر زیادتی نہ کرو اُن کو قتل نہ کرو۔ دین کے معاملے میں ان پر حیرت زدہ نہ کرو۔ لا اکراه فی الدین یہ اُن کی مرضی ہے کہ وہ اسلام قبول کریں یا اپنے سابق دین پر قائم رہیں جو ظالم ہے مخالفت پر کمر بستہ ہے باز نہیں آتا اُس کی سزا تلوار کا فیصلہ ہے۔

تینخ بہر عزت دین است و بس مقصد اُو حفظ آئین است و بس

بانی پاکستان حضرت قائد اعظم محمد علی جناح
رحمۃ اللہ علیہ نے قیام پاکستان کے بعد مختلف

مقامات پر پاکستانی افواج سے خطاب کرتے ہوئے ملکی دفاع پر زور دیا اسکی قدر و قیمت سے آگاہ کیا۔ چنانچہ مختلف مواقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

۱:- اپنے آپ کو وطن کے دفاع کے لئے تیار کیجئے۔ ہمارے سامنے دو بڑے مسئلے ہیں۔ ملک کی اندرونی مضبوطی اور بیرونی حملے کی روک تھام۔ ہمیں اپنے وطن عزیز اور محبوب نظر لیا کی حفاظت کے لئے جنگ کرنی ہے۔

بابائے قوم کی دور رس نگاہوں نے اُنے دالے حالات کو جانپ لیا تھا۔ ایک ایسی قوم جس سے آپ نے طویل سیاسی جنگ لڑی تھی اُس کی ذہنیت سے بخوبی آگاہ تھے اور اور شاید اس خطرے کے پیش نظر فرمایا۔

” اگر کبھی وقت آجائے کہ پاکستان کی حفاظت کے لئے آپ کو جنگ لڑنی پڑے تو آپ کسی صورت میں ہتھیار نہ ڈالیں۔ پہاڑوں، جنگوں، میدانوں میں اور دریاؤں میں جنگ

جاری رکھو۔ فتح انشا اللہ آپ کے قدم چومے گی۔

قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :-
خدائے عظیم و برتر کی قسم :- جب تک ہمارے دشمن ہمیں اٹھا کر بھوکے عرب میں نہ
 پھینک دیں ہم ہار نہیں مانیں گے۔ پاکستان کی حفاظت کے لئے میں تنہا لڑوں گا۔ اس
 وقت تک لڑوں گا۔ جب تک میرے ہاتھوں میں سکت ہے اور میرے جسم میں خون کا
 ایک قطرہ بھی موجود ہے۔ مجھے آپ سے کہنا ہے کہ اگر کبھی ایسا وقت آجائے کہ پاکستان کی
 حفاظت کے لئے جنگ لڑنی پڑے تو آپ کسی صورت میں ہتھیار نہ ڈالیں اور پہاڑوں ،
 جنگلوں ، میدانوں اور دریاؤں تک جنگ جاری رکھیں۔ مختصر یہ ہے کہ جب تک ہم زندہ ہیں
 دشمن کے ناپاک قدم اس پاک سرزمین کو مس نہ کریں اسے سرحدوں سے باہر ہی نیست و نابود
 کر دیا جائے۔ اللہ توفیق دے۔ آمین !

اب سلسلہ کلام کو آگے بڑھانے سے پہلے مناسب یہ ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قوی، مالی، جانی اور علی جہاد کے کچھ نمونے
 ہمارے سامنے ہوں تاکہ اس اہم فریضہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

حلیہ مبارک

اُمّ معبد رضی اللہ عنہا جن سے سفر، ہجرت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا واسطہ پڑا تھا، اپنے شوہر کے سامنے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا حلیہ مبارک اس طرح بیان فرماتی ہیں۔

”پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، نہ پیٹ باہر نکلا ہوا، نہ سر کے بال گرے ہوئے، زیبا، صاحب جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں بھاری پن، بلند گردن، روشن مردمک، سرگیں چشم، باریک و پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگریالے بال، خاموش دقار کے ساتھ گویا دل تہگی لئے ہوئے، دور سے دیکھنے میں دلفریب، قریب سے نہایت شیریں و کمال حسین، شیریں کلام، واضح الفاظ، کلام کی کمی و بیشی الفاظ سے معرا، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پردہ ہوئی، میا نہ قد کہ کوتاہی نظر سے حقیر نظر نہیں آتے نہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرتی، رفیق ایسے کہ ہر وقت اس کے گرد و بیش رہتے ہیں جب وہ کچھ کہتے ہیں تو چپ چاپ سنتے ہیں۔ جب حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لئے جھپٹتے ہیں۔ مخدوم متاع نہ کوتاہ سخن نہ فضول گو۔“

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حکم ربانی :- اتر کر اے سوئے قوم آیا اور ایک نسخہ یمیاسا تمہارا لایا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس کام اور تاقیامت رہنے والے مشن کی ابتداء۔ اقرابا سملک الذی خلق سے ہوئی۔ پھر کچھ عرصہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو اس عظیم مشن کی تکمیل کے لئے تیاری میں مصروف رکھا اپنی عبادت میں مشغول رکھا۔ اپنے قرب سے نوازا۔ علم و حکمت عطا کی۔ اور پھر حکم دیا خلق کو میری توحید کی دعوت دو چنانچہ سورہ مدثر میں ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ
وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ (پت مدثر)

اے بالاپوش رکبلی، اترنے والے کھڑے ہو جاؤ
پھر ڈرناؤ اور اپنے اب ہی کی بڑائی بولو۔

(المحضرت بریلوی)

آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرمایا ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں کوہِ حرا پر تھا کہ مجھے ندا کی گئی۔ یا محمد انک رسول اللہ میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا کچھ نہ پایا اور دیکھا ایک شخص آسمان اور زمین کے درمیان بیٹھا ہے (یعنی وہی فرشتہ جس نے ندا کی تھی) یہ دیکھ کر مجھ پر رعب طاری ہوا اور میں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا اور میں نے کہا مجھے بالاپوش اور ڈھا دو۔ انہوں نے اڈھا دیا تو جب ٹیل آئے انہوں نے کہا اے بالاپوش اترنے والے خواب سے بیدار ہو۔ اپنی قوم کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دو اور ایمان نہ لانے پر ان کو عذاب الہی سے ڈراؤ۔ یہ حکم نازل ہونے کے بعد آپ نے خفیہ طور پر لوگوں کو اسلام کی تبلیغ شروع کر دی اور توحید کی طرف بلایا

چنانچہ مذکورہ بالا آیہ کریم نازل ہونے کے بعد آپ نے تبلیغ شروع
خفیہ دعوت اسلام کی۔ نبی الحمال حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اعلیٰ تہ تیغ

کا حکم نہیں تھا۔ اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چپے چپے دعوت اسلام دیتے

رہے۔ اپنے عزیز واقارب سے رشتہ داروں سے اسلام لانے کو کہا۔ یہ سلسلہ تین سال تک

چلتا رہا۔ اس عرصے میں جو لوگ اسلام لائے وہ چھپ کر گھر میں یا کسی پہاڑ کی گھاٹی میں جا کر نماز

پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ بعض مشرکوں کو سعد بن ابی وقاص کے متعلق نماز کی اطلاع مل گئی سعد

چند مسلمانوں کے ہمراہ گھاٹیوں میں نماز پڑھتے تھے۔ مشرکوں نے آپ کو اس نماز پڑھنے پر طعنہ

دیا۔ چنانچہ آپ سے مشرکوں کی لڑائی ہو گئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک آدمی

کو مارا اور اس کے سر کو زخمی کر دیا۔ یہ پہلا خون تھا جو اسلام کی راہ میں بہایا گیا۔ یہ حال دیکھ کر

رسول کریم اور آپ کے صحابہ کرام نے دار ارقم میں منساز پڑھی اور عبادت بجالانا شروع

کی۔ دار ارقم کوہ صفا کے دامن میں تھا۔ اس دوران جو حضرات اسلام لائے ان میں قابل ذکر

یہ ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے حضرت

خدیجہ الکبریٰ عورتوں میں سب سے پہلے اسلام لائیں۔ بچوں میں حضرت علی شیر خدا کرم اللہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غلاموں میں زید بن حارثہ پہلے اسلام لائے۔ علاوہ ازیں حضرت

عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبد اللہ،

ابو عبیدہ الجراح، ابوسلمہ، عبداللہ بن عبدالاسد، عثمان بن مطعون اور آپ کے دونوں

بھائی قدام اور عبداللہ عبیدہ بن الحارث سعید بن زید غاطر بنت الخطاب، اسماء بنت

ابی بکر، عائشہ بنت ابی بکر، خباب ابن الارث، عمیر بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود،

مسعود ابن قاری، سلیط بن عمر، عاطب بن عمر، عیاش بن ابی ربیعہ، اسماء بنت سلام،

خنیس بن خذافہ، عامر بن ربیعہ، عبداللہ ابن جمش، جھرا بن ابی طالب، اسماء بنت عیسیٰ

عاطب بن الحارث، رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ تھے۔

یہ سلسلہ جاری تھا۔ مالک ارض و سما نے حکم دیا اے میرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم میری توحید کا بر ملا اعلان کریں۔ کھلم کھلا دعوت حق دیں۔ دشمنان دین سے

سے خوف نہ کھائیے میں تمہارا حامی و ناصر ہوں۔ دین اسلام کا پر دان چڑھنا اس کا پھل پھول لانا اس کی حفاظت کرنا یہ میرا کام ہے۔ دشمنانِ دین کو اور سرکشوں کو مٹانا یہ میرا کام ہے۔ ان کی بڑی قہقہہ، میری تدبیر سب سے اچھی ہے میں ہی غالب اور حکمت والا ہوں۔

منزل جس قدر بلند ہو۔ اُسے حاصل کرنے کے لیے اعلانیہ تبلیغ اسلام۔ مراحل دیئے ہی کٹھن اور راستہ دشوار گزار ہوگا۔ انعام جس قدر قیمتی اور انمول ہوگا۔ امتحان اتنا ہی سخت ہوگا۔ آپ کا لقب صادق اور امین تھا زمانہ پاکبازی و پاکدامنی کا قائل تھا۔ لیکن جب دعوتِ حق دی۔ ایک اللہ کی طرف بلایا آزمائش کی گھڑی آئی تو اعداءِ دین کی نگاہوں سے صداقت و امانت اور پاک دامنی سب اوجھل ہو گئے اور یہ کہہ دیا اللہ تعالیٰ کو تمہارے علاوہ اور کوئی متمول آدمی نہ ملا جسے پیغمبری عطا کرتا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔
اعلانیہ دعوتِ اسلام کا حکم۔ فَاذْعَبْ بِمَا تُوْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ
 امر الہی کو آپ ظاہر کریں اور مشرکین سے بے پرواہ ہو جائیں یعنی آپ مشرکین کی مخالفت، ان کی ملامت اور ممانعت کا خیال نہ کریں، کوئی لحاظ نہ کریں اور پھر مزید ارشاد ہے۔
وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَوْقُرَبِيْنَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنْ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اے نبی تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذابِ خدا سے ڈراؤ) اور جو مومن تمہارے پیرو ہوں ان کے سامنے اپنا بازو جھکا دو۔ اس واضح حکمِ ربی کے بعد آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور پہاڑ پر چڑھ کر اعلانِ حق فرمایا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کوہ صفا پر کوہ صفا اور اعلانِ حق :- تشریف لے گئے وہاں سے پکارا "یا معشرِ قریش" اے گروہِ قریش تمام لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کوہ

صفا پر پکار رہا ہے۔ چلو نہیں وہ کیا کہتا ہے۔ سب جمع ہو گئے اور کہنے لگے کیا بات ہے آپ نے فرمایا اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں ایک شکر جبار ہے تو کیا آپ میری تصدیق کر دے گے۔ سب نے کہا ہاں ہاں کیوں نہیں۔ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے ہوئے نہیں دیکھا پھر آپ نے فرمایا سنو! میں تم کو اس ہونٹاک طوفان عذاب سے ڈراتا ہوں۔ (جو آنے والا ہے)، اے عبدالمطلب کے بیٹو۔ اے نسلِ عبدمناف! اے خاندانِ زہرہ کے لوگو! اسی طرح آپ نے قریش کی تمام شاخوں کو گنا اور فرمایا خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں کو (عذابِ الہی سے) ڈراؤں، یاد رکھو کہ تم کو نہ تو دنیا سے کوئی فائدہ دے سکتا ہوں اور نہ آخرت میں کوئی حصہ مگر یہ کہ تم کہو۔

لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ

ابولہب نے یہ سن کر فوراً کہا (تَبَالُكَ) "مرد تم" کیا اسی لیے تم نے میں بلایا تھا۔ اس کے بعد کفار مکہ اور بالخصوص ابو جہل اور ابولہب آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ ابولہب کا یہ حال تھا کہ جب کوئی آپ کی بابت سوال کرتا تو یہی کہتا ارے محمدؐ وہ (معاذ اللہ) دیوانہ ہے اور پاگل ہے تاکہ لوگ ملاقات کرنے سے پہلے ہی بد دل ہو جائیں۔

طارق المہاربی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ بازاروں میں کہتے ہوئے جا رہے ہیں۔ لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ کہو فلاح پاؤ گے لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ کہو فلاح پاؤ گے۔ ان کے پیچھے ایک شخص چلا آ رہا تھا جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پتھر مار رہا تھا جس سے آپ کے جسم مبارک سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ شخص کہتا جاتا تھا اس کی پیروی نہ کرنا یہ جھوٹا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے ایک شخص نے کہا یہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور ان کے پیچھے آپ کا چچا ابولہب ہے۔ ابولہب کی بیوی اُم جمیل آپ سے شدید بغض و عداوت رکھتی تھی آپ کی راہ میں کانٹے پھاتی تھی باوجود امیر گھرانے کی ہونے کے لکڑیوں کا گٹھا خود سر پر اٹھا کر لاتی اور کانٹے حضور پاک اور صحابہؓ کے راستے میں ڈال دیتی۔

حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مشکلات - ایک بھولی بھٹکی قوم جو غرور و

نہوت سے محمود ہوا اپنے کو ارفع داعی جانتی ہو۔ اپنی فصاحت و بلاغت اور علم پر ناز رکھتی ہو۔ ان کو یہ کہنا کہ تمہارا دین باطل ہے تم نے شرک اور بت پرستی کی راہ پکڑ رکھی ہے۔ یہ سب بے کار اور بے فائدہ ہیں۔ تم جن سے نجات و ابترہ کہتے ہو یہ تمہیں عذاب میں گرفتار کر دے گی۔ جہنم کا ایندھن بنا دیں گے۔ ان کی سخت دشمنی مول لینا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خداؤں (بتوں) کو حیب لگانا شروع کیا اور یہ فرمایا کہ تمہارے اباؤ اجداد حالت کفر پر مرے ہیں وہ راست دین پر نہ تھے۔ اس سے کفار میں نفرت اور دشمنی بڑھی۔ مذہب کسی بھی قوم کی دکھتی ہوئی زگ ہے۔ اسے خدا سا چھٹو و فوراً ایک جذباتی کیفیت اُٹھ آئے گی۔ غٹوں میں خون خرابہ ہو جائے گا۔ لوگ مرنے مارنے پر تیار ہو جائیں گے۔ ہم سب مسلمان ہیں مختلف فرقے اور عقائد ہیں۔ کسی کو کہیں کہ تم یہ ہو اور وہ ہو۔ بوٹ سے سر پھاڑ دے گا۔ مرہم پٹی کے لئے بھاگ دوڑ ہوگی۔ کوئی پانی لائے گا۔ تھوڑا سا منہ ڈالو ابھی دم باقی ہے جلدی کرو بس پتال پہنچاؤ۔ طبی امداد دو کوئی دعا کرتا ہے اللہ رحم کرے آرام آجائے صحت نصیب ہے ہوں آگیا بڑا عالم اور رہبر تمہیں کسی نے سمجھایا نہیں اُنیدہ کسی سے ہوش سے بات کرے گا۔ مبالغہ نہیں قریب قریب ایسا ہی منظر ہوگا چہ جائیکہ پوری قوم کو کہنا تم گمراہ ہو۔ اس سے بڑا جان جو کھوں کا کام اور کیا ہے۔ اس سے بڑا جہاد اور کیا ہے۔

کھانے انفرادی اور اجتماعی طور پر آپ کو بے پناہ تکلیفیں پہنچائیں۔ ایک نے دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بزم خویش اپنے دین (باطل) کی حفاظت کے لیے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے قدم رکھا۔ لیکن حق حق ہے اور باطل، باطل حق باطل کو مٹانے کے لئے آتا ہے نہ کہ خود مٹنے کے لئے کیا خوب فرمایا ہے۔

مٹ گئے مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدائیرے۔ نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ نامی ایک شخص نے آپ کے گلے میں چادر ڈال کر اس قدر ایتھا کہ آپ کا دم نہ کٹنے لگا آپ جس راستے سے گزرتے تھے وہاں کانٹے بچھا دیئے جاتے ایک اور مرتبہ صحن کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پشت پر

اڈنٹ کی اُدبیری ڈال دی۔ اس سب کچھ کے باوجود آپ نے تبلیغ جاری رکھی۔ مسلمانوں کو تعداد بڑھ رہی تھی لہذا کفار نے اپنا آخری زور مارا اور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان سے لین دین خرید و فروخت بند کر دی۔

اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے اور خصوصاً حضرت امیرِ مہذبہ رضی اللہ عنہ، مقاطعہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے اور کعبہ معظمہ میں نماز پڑھنے سے قریش کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ انہوں نے مشورہ کر کے مسلمانوں سے میل ملاپ۔ شادی بیاہ اور لین دین ترک کر دیا۔ اشیائے خورد و نوش ان تک پہنچنے نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ ابوطالب اپنے تمام قبیلہ کے ساتھ مکہ کے ایک پیڑی درے میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اس کا نام شعیب ابی طالب ہے۔ ابوطالب کے قبیلے کے علاوہ باقی مسلمان بھی وہاں پہنچ گئے۔ کھانے پینے کا سامان ساتھ لے گئے جو کچھ عرصہ کے بعد ختم ہو گیا۔ تین سال تک ان لوگوں نے بہت اذیتیں برداشت کیں۔ درختوں کے پتے کھانے تک نوبت آئی۔ بالآخر بنو ہاشم کے جو رشتہ دار مکہ میں تھے انہیں مسلمانوں کی تکلیفوں کا احساس ہوا اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ اس ظالمانہ عہد نامہ کو منسوخ کیا جائے۔ اُدھر سرکارِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دی کہ اس عہد نامہ میں جہاں جہاں اللہ کا لفظ ہے۔ بس وہی باقی رہ گیا ہے۔ باقی ساری تحریر کو کٹے کھا گئے ہیں یہ سن کر ابوطالب مکہ تشریف لے گئے اور قریش کو کہا کہ مجھ کو میرے بھتیجے نے یہ اطلاع دی ہے اگر یہ صحیح ہے تو مقاطعہ ختم ہو جانا چاہیے۔ کعبہ میں جا کر دیکھا تو واقعی وہ اطلاع صحیح نکلی۔ چنانچہ اسی وقت مقاطعہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔

مذکورہ قصہ سے معلوم ہوا کہ حضور

پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امور

غیب پر مطلع تھے۔ چنانچہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگو! میں تم

سے بہ قسم پوچھتا ہوں کہ کیا میں نے کبھی تبلیغ حق میں کوئی کوتاہی کی ہے اگر کی ہے تو تم مجھے

بتاؤ دو لوگوں کا خیال ہے کہ سورج اور چاند کو جو گھن لگتا ہے اور یہ جو ستارے ٹوٹتے ہیں

یہ کسی بڑے آدمی کی موت کی علامت ہے۔ ایسا نہیں۔ بلکہ یہ کسوف و خسوف اللہ کی

نشانیوں میں جن سے اُس کے نیک بندے عبرت حاصل کرتے ہیں اور اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔

اور خدا کی قسم بے حد تمام چیزیں دکھادی گئی ہیں جو تمہیں پیش آنے والی ہیں۔ سنو قیامت اُس وقت تک نہیں آئے گی۔ جب تک تیس جھوٹے نبی ظاہر نہ ہو لیں۔ ان میں آخری کذاب نبی کا نام دجال ہوگا۔ جس کی بائیں آنکھ ابو سحر (انصاری صحابی) کی طرح چوہٹ ہوگی۔ وہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہوا نکلے گا جو اُس کا مرید ہوا اور اُس کی پیروی کی اللہ اُس کے پچھلے اعمال صالحہ قلم زد کر دے گا اور جس نے اُس کی تکذیب کی تردید کی اُس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ وہ سرزمین حرم البیت المقدس کے سوا ہر زمین پر قابض ہو جائے گا۔ وہ بیت المقدس میں مومنین کو مقید کرے گا۔ ان پر شدید مظالم توڑے گا۔ پھر خدا اُس کو اور اُس کے لشکر کو تباہ کر دے گا۔

اُس وقت ہر درو دیوار سے یہ آواز آئے گی کہ اے مسلمان دیکھو یہاں ایک یہودی (کافر) چھپا ہوا ہے۔ ہاں ہاں جلدی کرو اور اسے قتل کرو اور زہور دجال سے پہلے عظیم حادثہ ہوں گے۔ جن کے متعلق لوگ ایک دوسرے سے دریافت کریں گے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے متعلق کچھ کہا تھا۔ یہ طوفانی حوادث کوہ شکوہ اور لوگوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلادیں گے پھر اس دنیا کا خاتمہ ہوگا۔ (منہج النفاحت)

بعثت کے بعد نو برس تک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ **طائف کا سفر**۔ میں اسلام کی دعوت دیتے رہے ایک مختصر سی جماعت اسلام لائی۔ کفار مکہ مذاق اڑاتے تھے۔ تکلیفیں دیتے تھے آپ کے چچا ابو طالب کے وصال کے بعد کفار نے اور زیادہ سنا شروع کر دیا آپ نے اس خیال سے طائف کا سفر اختیار کیا کہ وہاں قبیلہ ثقیف کی کافی تعداد ہے۔ اگر وہ مسلمان ہو گئے تو مسلمانوں کو تکلیفوں سے نجات مل جائے گی۔ دین کی اشاعت میں مدد ملے گی۔ چنانچہ نبوت کے دسویں سال آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زید بن حارثہ کے ہمراہ وہاں تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر تین بڑے سرداروں سے گفتگو فرمائی۔ دین اسلام کی دعوت دی۔ اللہ کے رسول کی مدد کے لئے کہا قبیلہ ثقیف کے سرداروں

نے بڑی بے مروتی کا مظاہرہ کیا۔ یہاں تک کہ عرب کے دستور کے مطابق مہمان نوازی کے آداب بھی ملحوظ نہ رکھے۔ بے رُحی اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ سرداروں میں سے ایک نے دعوتِ اسلام کا یوں جواب دیا۔ "کیا اللہ کو آپ کے علاوہ کوئی اور نہیں ملتا تھا جس کو وہ بھیجتا" دوسرے نے کہا میں آپ سے بات نہیں کروں گا کیونکہ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ جیسا کہ آپ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے، تو آپ کی ذاتِ اس سے بلند ہے کہ میں آپ کے کلام کی تردید کروں اور اگر آپ نے اللہ پر ہتھان باندھا ہے، خدا کے رسول نہیں تو مجھے آپ سے کلام کرنا نہ چاہیے۔

پھر ان لوگوں نے طائف کے جاہلوں کو اور اپنے غلاموں کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اُبھارا۔ انہوں نے آپ کو گالیاں دیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر خشتِ باری کی۔ یہاں تک کہ لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایک دیوار میں پناہ دی اس وقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پائے اقدس سے خون بہ رہا تھا آپ کے دونوں پاپوشِ خون سے بھر گئے خون جم جانے سے جوتے قدموں سے چھٹ گئے جنہیں خادم نے بڑی مشکل سے اتارا جب وہ لوگ منتشر ہو گئے اور تھوڑا سکون ملا تو آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے۔

یا الہی میں اپنی ناتوانی بے چارگی اور بے کسی کی تیری
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا۔ بارگاہ میں شکایت کرتا ہوں اے خدا۔ اے رحم کرنے والے اے کمزوروں کے پروردگار! تو میرا رب ہے۔ پھر کس کے سپرد تو مجھے کرے گا کسی ایسے کے ساتھ جو مجھ سے ترش روئی کے ساتھ پیش آئے یا کسی دشمن کے حوالے کرے گا جو میرے امر پر غالب آجائے اگر تو مجھ پر غضب ناک نہیں تو مجھے کسی بات کی پناہ نہیں۔ تیری رحمت اور عافیت تو وسیع ہے میں تیرے اس نورِ جلال و جمال کے ذریعے سے جس سے ظلمتیں منور ہو گئیں اور دنیا و آخرت کے امور درست ہو گئے۔ اس بات سے کہ کہیں تیرا غضب مجھ پر نازل نہ ہو جائے اور تو مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ اس وقت تک پناہ مانگتا رہوں گا جب تک تو راضی نہ ہو جائے گا۔ خداوند عزوجل تیرے سوا کوئی بھی قوت و اطاعت کا مرکز نہیں ہے۔

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تکلیف دیکھ کر اللہ رب العزت کی قہاری جوش میں آئی۔ حضرت جبرئیل کو بھیجا۔ حضرت جبرئیل نے اگر سلام عرض کیا اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضور کی اور ان کی گفتگو سنی ہے ان کے جواب سے میں اور ایک فرشتہ کو جس کے متعلق پہاڑوں کی خدمت ہے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ جو پائیں اس کو حکم دیں۔ اگلے بعد اس فرشتے نے سلام عرض کیا اور عرض کیا جو ارشاد ہو میں تعمیل کر دوں۔ اگر ارشاد ہو تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں۔ جس سے سب درمیان میں کھل جائیں یا جو سزا آپ تجوز فرمائیں۔ رحمت و دوا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس کی امید رکھتا ہوں کہ اگر یہ مسلمان نہ ہوئے تو ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی پرستش کریں گے اور اس کی عبادت کریں گے۔

اس کے بعد آپ نے ایک قاصد کے ذریعے کہلا بھیجا کہ میں تین اشخاص احنس، سہیل بن عمرو اور مطعم بن عدی کے پاس جاؤ اور کہو کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہتا ہے کہ کیا تم مجھے اپنی پناہ میں لے سکتے ہو؟ یہاں تک کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا دوں۔ ان سے مطعم راضی ہو گئے۔ اس کی پناہ پر باقی قریش بھی راضی ہو گئے پھر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے۔ مکہ میں کفار نے مسلمانوں کو سخت تنگ کیا تو آپ نے بحکم الہی انہیں مدینہ شریف، ہجرت مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا اور آپ مکہ میں انتظار فرماتے رہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ میں ہی ٹھہرانے رکھا۔ جب مسلمان ہجرت کر گئے تو آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سامان سفر کے لئے آگاہ کیا اس وقت کفار نے آپ کو اکٹھے مل کر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس منصوبے کے تحت گھر کا محاصرو کر لیا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا۔ اپنے بستر مبارک پر سلا یا اور فرمایا کہ لوگوں کی امانتیں لوٹا کر مدینہ پہنچ جائیں۔ کفار گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کی طرف ایک مٹھی بھر خاک ڈال اور قَائِلًا هُمْ فَهَمُّ لَا يُغَيِّرُ ذُنُوهَ پڑھتے ہوئے نکل گئے۔ وہ لوگ آپ کو نہ دیکھ سکے۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ آپ کی جگہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ کو بھئی کیا لیکن آپ نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ آپ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لائے وہاں سے ان کے ہمراہ مکہ سے تین میل کے فاصلے پر غارِ ثور میں تین دن قیام فرما کر ملامدینہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یکم ربیع الاول ۶۲۲ھ کو مکہ سے روانہ ہوئے ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ تشریف پہنچے۔

اہل مدینہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے چشم برہہ تھے۔ ان کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی کا علم ہو چکا تھا۔ لوگ شوق دید سے سرشار شہر سے نکل کر ہر روز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی راہ دیکھتے اور شام کو مایوس لوٹ جاتے ایک شام جب کہ وہ مایوسی کے عالم میں واپس آچکے تھے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قافلہ نظر آیا سارا شہر بکیر کے نعروں سے گونج اٹھا۔ لوگ فرط مسرت سے بے خود ہو کر باہر نکل آئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ کی نواحی بنی قبا میں مقیم ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کی امانتیں لوٹا کر یہاں پہنچ کر آپ سے مل گئے۔ یہاں آپ نے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ یہ اسلام کی سب سے اولین مسجد تھی۔ قبا میں چودہ دن قیام کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شہر میں داخل ہوئے۔ عقیدت مند راستے کے دونوں طرف صفیں بنائے کھڑے تھے۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سواری قریب پہنچی تو جوش و خروش اس قدر بڑھا کہ خاتوناں مدینہ منورہ نے چھتوں پر چڑھ کر یہ اشعار گانے شروع کئے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ حَلِينَا
وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
أَيْهَا الْمَبْعُوثُ قَيْنَا
مِنْ ثَنِيَاتِ الْوِدَاعِ
مَا دَعَى لِلَّهِ دَاعِ
جِئْتُ بِالْأَمْرِ الْمَطَاعِ

دواع کی گھائی سے پاند طلوع ہوا ہے۔ جب تک ایک دُما مانگے والا بھی موجود ہے ہم پر لازم ہے کہ ہم خدا کا شکر ادا کریں کہ اسکی طرف بلانے کے لئے ہم پر کیا ایجادیں نازل ہوا ہے۔ اے ہماری طرف بھیجے گئے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہم پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واجب ہے۔

اہل مدینہ میں سے ہر کوئی شرفِ میزبانی کا ملتی تھا۔ ہر کوئی اپنے ہاں تشریف آوری کی گزارش کرتا تھا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میری ناقہ اللہ تعالیٰ کی محکوم ہے اسے نہ روکو چہاں اللہ کا حکم ہو گا یہ خود بیٹھ جائے گی۔ جس کے دروازے سے ناقہ آگے گور جاتی اس کی تنایاں میں ڈوب جاتی آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوالیوب انصاری پر اپنا فضل کیا۔ ناقہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔ میزبانی کا شرف آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیب ہوا۔ مسجد نبوی اور ازواجِ مطہرات کے لئے کمرے تعمیر ہونے تک آپ وہاں قیام فرما رہے۔

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد
نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دفاعی حکمتِ عملی :- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آرام کی زندگی نصیب ہوئی۔ تبلیغ کا کام شروع کیا۔ اہل مکہ کو یہ بھی ناگوار گزرا۔ بیرونی طور پر اہل مکہ اور اندونی طور پر منافقین سے خدشہ تھا۔ آپ نے یہودیوں سے معاہدہ کیا جس کا اہم پہلو یہ تھا کہ سب کو مذہبی آزادی ہوگی۔ دوستانہ تعلقات ہوں گے۔ لڑائی کی صورت میں ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔ مدینہ شریف پر حملہ کی صورت میں دونوں فریق مل کر مدافعت کریں گے جھگڑوں اور اختلافات کی صورت میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ثالث ہوں گے۔

کفارِ مکہ اور یہودِ مدینہ کی سازش :- کفارِ مکہ کا غصہ برابر خطرناک ہوتا جا رہا تھا! انہوں نے یہود اور منافقین مدینہ سے مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ مرکزِ اسلام کو مسلسل خطرہ تھا۔ ان حالات میں آپ پر ایک کمانڈر کی ذمہ داریاں بھی تھیں۔ جن کی انجام دہی آپ نے انتہائی بے سرو سامانی کے عالم میں اس خوبی، کمالِ فن اور حکمتِ کاملہ کے ساتھ فرمائی کہ آج بڑی بڑی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ اور آزمودہ کار جنرل رہنماؤں کے لئے اس کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہیں۔

... اپنے ہجرت کے چند ماہ بعد ملحقہ علاقوں میں فوجی حفاظتی دستوں کے مقاصد :- دستے بھیجنے شروع کر دیئے۔ تاکہ کفارِ مکہ کی نقل و حرکت کا اندازہ ہو سکے اور ساتھ ساتھ مدینہ شریف کی سرحدوں کی حفاظت بھی ہو سکے۔ اس سے

یہ بھی مقصود تھا کہ قریش مکہ اور دیگر قبائل کو یہ نئی حقیقت بھی معلوم ہو جائے کہ اب مسلمان ایک طاقت کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ ان کا ایک باقاعدہ نظام حکومت ہے۔

۲:- مسلم مجاہدین آس پاس کے علاقوں، اس کی بستیوں، اور نشیب و فراز سے آگاہ ہو سکیں۔ انہیں پانی کے چشموں کا علم ہو۔ دوسرے نغظوں میں یہ جنگی مقاصد کے لئے علاقے کی رہی تھی۔

۳:- ان کو کمان کرنے اور کمان میں رہ کر فرائض ادا کرنے کا شعور حاصل ہو۔ باہم مل جل کر کام کرنے اور جنگی تدبیروں کا علم ہو۔ وقت اور حالات کے مطابق فیصلے کرنے میں مہارت حاصل ہو۔ جنگ میں حالات کے تحت درست فیصلہ کرنا یہ سب سے اہم کام ہے۔ کمانڈر کی ذہانت اور جنگی اہلیت کا صحیح اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے۔

۴:- قریش مکہ کا شام کا تجارتی راستہ مدینہ شریف کے قریب سے گزرتا تھا۔ اہل مکہ کی معاشی حالت میں یہ اہم حیثیت رکھتا تھا۔ آپ اس سے بخوبی آگاہ تھے اس کی سیاسی اور جغرافیائی اہمیت کے پیش نظر آپ نے فوجی دستے اس طرف بھی روانہ کئے۔ جس کا مقصد ایک تو اہل مکہ کو خوف دلانا تھا۔ اور دوسرے یہ باور کرانا تھا کہ تمہاری معاشی شدگ اہل مدینہ کے پنجے میں ہے۔ تمہاری کارستانیوں کے خلاف اسے انتقامی کارروائی میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ان دستوں کی روانگی کا مقصد یہ تھا کہ مجاہدوں کو منظم جنگی کارروائی کی مشق ہو۔ پھر آپ اپنے دستور کے مطابق اپنے قبیلہ کے سردار کے علاوہ دوسرے کسی کے ماتحت لڑنے کے عادی نہیں تھے اس لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ ایک مرکزی کمانڈر کے ماتحت ایک مشین کے کل پرزوں کی طرح کام کرنے کے عادی ہو جائیں۔

حالات سے آگاہ رہنے کے لئے آپ نے خبر رسانی شعبہ خبر رسانی :- کا ایک مضبوط اور موثر نظام ترتیب دیا۔ جس کی وجہ سے آپ مکہ اور گرد و پیش کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے۔ پھر مرکز (مدینہ شریف) کی حفاظت کے لئے پہرہ دار مقرر کئے۔

۱:- ۳۰ رمضان المبارک میں ۳۰ آدمیوں کا ایک دستہ حضرت
دستوں کی روانگی :- حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں سیف الہجر کی جانب روانہ
کیا۔ اس کا مقصد دشمن کی نقل و حرکت کا جائزہ لینا تھا۔ ابو جہل بن امیہ کے ساتھ مکہ سے نکلا
تھوڑے مسلمانوں کو چوکن پاکر پٹ گیا۔

۲:- ۲۰ جمادی اول میں ۶۰ مجاہدوں کا ایک دستہ عبیدہ بن حارث کی کمان میں اہل مکہ کے فوجی
حالات معلوم کرنے کے لیے روانہ کیا۔ دشمن کے دو سو آدمی عکرمہ کی سرکردگی میں ایک جگہ
پائے گئے۔ یہ دستہ گشت لگا کر سخت دباؤ میں آ گیا۔

۳:- ذی قعد ۳۰ میں ۶۰ مجاہدوں کا ایک گروپ سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں حنفہ تک
گیا۔ یہ دستہ بغیر کسی واقعہ پیش آئے واپس آ گیا۔

۴:- ۲۰ ماہ صفر میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود ۶۰ مجاہد لے کر ابوا کے علاقے
میں تشریف لے گئے۔ اسی علاقہ سے قریش کی تجارتی شاہراہ گزرتی تھی۔

۵:- ۲۰ ربیع الاول میں پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ۲۰۰ مجاہدوں
کے ہمراہ رضوی پہاڑ کی جانب اقدام کیا۔ راستہ میں امیہ بن خلف کی سرکردگی میں سو
افراد پر مشتمل قریش کا قافلہ ملا۔ مگر کسی قسم کا معرکہ پیش نہ آیا۔

۶:- ۲۰ ربیع الاول میں کرز بن جابر نے مدینہ کے موشیوں پر ڈاکہ ڈالا۔ اطلاع ملتے
ہی حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ۶۰ آدمیوں کا ایک دستہ ساتھ لے کر تعاقب
کیا۔ لیکن یہ پنج نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر اس تعاقب سے مفید اثر ضرور پڑا اور قریش
مکہ کو معلوم ہو گیا۔ کہ اہل مدینہ پوری طرح ہوشیار ہیں۔

۷:- ۲۰ جمادی الآخر کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ۱۵۰ افراد کا ایک جیش لے کر
مکہ اور مدینہ کے درمیان بیابان میں تشریف لے گئے اور وہاں بنی مدج اور بنی ضمر سے
دوستی کا معاہدہ کیا۔

۸:- ۲۰ رجب میں ۱۲۵ افراد کا دستہ عبداللہ بن جحش کی قیادت میں روانہ کیا۔ یہ دیکھ
بجال کی غرض سے وادی نخله کی طرف روانہ کئے گئے وہاں پنج قریش کے ایک قافلہ

سے سامنا ہو گیا۔ لڑائی کی نوبت آئی۔ اس میں قریش کا ایک آدمی عمرو بن سہزی مارا گیا اور دو گرفتار ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو فرمایا میں نے تمہیں لڑنے تو نہیں بھیجا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مالِ غنیمت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ قیدیوں میں ایک مسلمان ہو گیا اور دوسرا فدیہ دے کر رہا ہو گیا۔

ان واقعات اور مہموں نے اہل مکہ پر یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان ایک ابھرتی ہوئی قوت ہیں اور یہ بوقتِ ضرورت اپنا دفاع کر سکتے ہیں۔ مسلمان جب بھی چاہیں اپنے حلیف قبائل کی مدد سے ان کی تہارتی شاہراہیں بند کر سکتے ہیں۔ یہ تھیں وہ دفاعی تدبیریں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرتِ مدینہ کے فوراً بعد اپنائیں۔ اسلام کے دفاع کے لئے شبِ دروز کی محنت اور اس طرح اہمہ اہمہ قریش اور ان کے حلیفوں کو بے بس کر دیا۔

حضور اقدس صلی اللہ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اہل دورانِ جنگ :-

یہ وہ لوگ تھے کہ اکثر لڑائیوں میں دشمن کے سب سے زیادہ قریب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی ہوتے تھے۔ حالانکہ پہ سالارِ تیغیہ رہتا ہے۔ کیونکہ آگے رہنے کی صورت میں وہ زخمی یا شہید ہو جائے تو ساری فوج کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے۔ دشمن کی فوج کی اطلاعات حاصل کرنے کے لئے مجروحانہ فرماتے اور جنگی قیدیوں سے بھی معلومات حاصل کرتے۔

غزوہ بدر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک میں

غزوہ بدر :- ایک چھڑی تھی۔ اس سے صفیں درست فرماتیں۔ حالانکہ اس وقت تک

عرب میں جنگ میں صف بندی کا رواج نہ تھا۔ پھر خطبہ ارشاد فرمایا اور لوگوں کو جہاد پر ابھارا فرمایا کوئی اپنی جگہ سے بلا حکم حرکت نہ کرے۔ اور اجازت کے بغیر جنگ کا آغاز نہ کرے۔ خود حملہ نہ کرے۔ دشمن پہل کرے تو پھر حملہ کرے اور پھر بے مقصد تیر نہ چلاؤ جب دشمن زد میں آئے تو پھر وار کر دو۔ اس کے بعد آپ اپنے عیش مبارک میں گئے اور اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعا مانگی جسے اللہ تعالیٰ نے پورا کیا۔ مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب ہوئی۔

غزوة اُحد :- اور اہم مقامات کا تعین خود فرمایا۔ کفار کو شکست ہوئی اور وہ دور تک میدان جنگ سے پیچھے ہٹ گئے۔ مسلمانوں نے مالِ غنیمت اکٹھا کرنا شروع کیا یہ دیکھ کر تیر اندازوں کا دستہ جسے پہاڑی در سے پر مقرر کیا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے خلاف اپنی جگہ چھوڑ کر اپنے بھائیوں کا ہاتھ بٹانے میں مصروف ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسا گمان کرنا کہ وہ مال و دولت کے لالچ میں اپنی جگہ چھوڑ گئے مناسب نہیں۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی مصلحت کو کما حقہ سمجھنے سے قاصر رہے۔ اس طرح کم فہمی میں حضور پر نور کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی۔ جس کی مسلمانوں کو بڑی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی (تفصیلی قصہ تھمیل حکم اور ڈسپلن کے ضمن میں آگے آ رہا ہے) کفار نے خالد بن ولید کی قیادت میں جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ عقب سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیر اور چند ساتھی جو ابھی تک اپنی جگہ ڈٹے ہوئے تھے دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ دشمن کے اچانک حملے سے مسلمان گھبرے میں آ گئے۔ لشکر میں افراتفری مچ گئی۔ مسلمانوں کے لئے اپنا دفاع کرنا مشکل ہو گیا۔ مسلمانوں کی جمعیت منتشر ہو گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صرف چند صحابہ رہ گئے۔ دشمن کے پُر زور حملے سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی زخمی ہو گئے۔ عقبہ بن ابی وقاص کے پتھر سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دو دندان مبارک شہید ہوئے۔ زرہ کی دو کڑیاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار مبارک میں چبھ گئیں۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دانتوں سے بڑی مشکل سے کھینچ کر نکالیں۔ جانان جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس حالت میں بھی اُف تک نہ کیا۔ بلکہ زبان اقدس پر یہ الفاظ تھے۔

”اے خدا میری قوم کو بخشد سے وہ ناواقف ہیں“

غزوة خندق :- کھودنی پڑی۔ سخت سردی کا موسم تھا۔ سامان خورد و نوش دشمن کی کثیر تعداد اور وسیع تیاری کے پیش نظر دفاعی خندق

کی سخت قلت تھی۔ مسلمانوں کو تین دن کا فاقہ تھا۔ سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شانہ بشانہ کھدائی میں مصروف تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھوک کی شکایت کی۔ اپنے دامن اٹھا کر دکھائے کہ ہم نے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا کڑا مبارک اٹھایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بطن مبارک پر دو پتھر باندھ رکھے تھے۔ فرمایا مجھے بھی آپ کی طرح انتہائی بھوک لگی ہوئی ہے۔

اس طرح زندگی کے ہر شعبے میں عمل کر کے ہمارے لئے عمدہ نمونہ پیش کیا۔

معجزات

رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
فتح مکہ سے ایک سال پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے
روانہ ہوئے یہ سفر کا واقعہ ہے۔ ذوالحلیفہ میں پہنچ کر مسجد میں دو رکعت نماز ادا کی اور
عمرہ کا احرام باندھا۔ ۱۴ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے
اکثر صحابہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ احرام باندھا۔ بعض صحابہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہم نے جحفہ سے احرام باندھا۔ راستے میں پانی ختم ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے
عرض کیا شکر میں پانی بالکل ختم ہو گیا ہے۔ سوائے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آفتاب کے
اس میں تھوڑا سا پانی ہے۔ فرمایا آفتاب لاؤ۔ آفتاب خدمت اقدس میں پیش کیا گیا۔ سرکارِ دو عالم صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک آفتاب میں ڈالا۔ انگشت ہائے مبارک سے چشمے جوش
مارنے لگے۔ تمام شکر نے پانی پیا۔ وضو کئے اور ٹیکڑے بھر لیے کسی نے خوب فرمایا۔

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پایے جھوم کر ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاہی واہ وا۔
بحان اللہ کیا مقام ہے۔ زمین سے نہیں مانگا۔ پتھر سے جاری نہیں کیا۔ درخت سے نہیں
لید زمین سے حضرت اسماعیلؑ کی ایڑیوں کی رگڑ سے چاہ زمزم جاری ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام
نے اپنا عصا حکم الہی سے پتھر پارا تو بارہ چشمے جاری ہو گئے کوئی شکر دین متین کہہ سکتا ہے کہ زمین
میں پانی تھا۔ اتفاقاً نکل آیا۔ پتھر زمین کا جز ہے۔ اس میں پانی ہو سکتا ہے۔ معاذ اللہ اٹی سی گھا
دلیس دے سکتا ہے۔ یہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے۔ یہاں باطل کی
دلیس ختم ہیں۔ ہاتھ کا توجہ اطہر کے علاوہ اور کہیں تعلق نہیں تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ابتدائے اسلام

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسلام کی خاطر کیا کچھ کیا۔ کس قدر قربانیاں دیں اور کیا کیا مصائب برداشت کیے اُسے مکمل طور پر ضبط و سحرِ برہین میں لانا ایک طویل اور مشکل کام ہے اس کے لئے ایک نہیں بے شمار کتابیں درکار ہوں گی۔ عاشقانِ شمع رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کارناموں۔ صبر و تحمل کی قوتوں مالی اور جانی قربانیوں کو دیکھ کر انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ انسان تھے یا فرشتے۔ کونسی ایسی طاقت تھی۔ جس نے ان کی نفسانی خواہشات کو سلب کر لیا تھا۔ دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا۔ بیوی بچوں سے لاپرواہ ہیں۔ جسمانی اذیتیں دیتے دیتے بڑے نامور جبری تمکک جاتے تھے لیکن مظلوم اُن ذکر کرتے۔ ان کے حالات سے فرمودہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مجسم بن کر انسان کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔

یہ شہادت گہبہ اُلفت میں رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا موزنِ رسولِ پیتی ریت پر لیٹ کر اُخْدُ، اُخْدُ، اُخْدُ کی آواز ہی نکالتے ہیں۔ دنیا کی نعمتوں کا لالچ دیا جانا ہے۔ موت اور زندگی کا اختیار دیا جاتا ہے۔ حکم دیا جاتا ہے۔ اسلام چھوڑ دو۔ زندہ چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ جو مانگو گے وہ دیں گے۔ اسلام پر قائم رہے تو قتل کر دیا جائے گا۔ جو اب میں دنیا ٹھکرا دی جاتی ہے اور موت کو خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ نورِ اسلام سے ان کے سینے منور ہو چکے ہیں۔ ان کے دل ایمان کی عبادت سے لبریز ہو چکے تھے۔ نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا و آخرت کی حقیقت ان پر عیاں کر دی تھی۔ وہ حقیقت حال کو پا چکے تھے۔ بے دین اس کو کہاں سمجھ سکتا ہے۔

لطف سے سمجھ سے کیا کہوں زاہد ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں جو اُگ کے پاس د جائے اُسے گرمی کب گنتی ہے۔ جو پانی نہ پئے اُسکی پاس کب بھتی ہے۔

اُسے کیسے معلوم ہو گا کہ پانی کھاری ہے، بیٹھا ہے یا کڑوا۔ آنکھیں بند کر کے اگر انسان کہے کہ مجھے ارد گرد کچھ نظر نہیں آتا تو تصور کس کا ہے؟ انسان کہے۔ آنکھ کا نہیں۔ اُسے کھولیں گے تو نظر آئے گا۔ اس پر سے پردہ ہٹائیں گے تو بات بنے گی اور یہ تب ہی ممکن ہے جب اللہ پر ایمان لائیں اُس کی طرف رجوع کریں۔ مکان کے اندر کیا ہے؟ اِسے معلوم کرنے کے لئے منطقی طور پر مکان کے اندر جانا پڑے گا یا کھڑکیاں اور دروازے کھول کر اندر جھانکنا پڑے گا۔ تب ہی کچھ نظر آ سکتا ہے۔ دل کی آنکھیں اُسی وقت کھلتی ہیں جب دل ایمان سے منور ہوں۔ تو بات کی حقیقت اُس پر عیاں ہو جاتی ہے۔ یہی معاملہ کفار اور مسلمانوں کے درمیان تھا۔ مسلمان حقیقت حال سے آگاہ تھے۔ کفار کے دل اندھے تھے وہ سمجھنے سے قاصر تھے۔ عتاب پر عتاب کرتے کہ شاید باز آجائیں۔ اُن کا معاملہ یہ تھا۔

فَانْتَهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ
(پہ - الحج - ع ۱۳)

ترجمہ :- تو یہ کے آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں
(اعلم حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

مراد یہ ہے کہ ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں۔ بلکہ سینوں میں دل اندھے ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی گمراہی کی بدولت حق بات سننے کی استطاعت ہی کھو بیٹھے تھے۔ ان میں حق بات سننے اور قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ ایک طرف مومنین شمع رسالت کے پروانے جو۔

اتَّقُوا قُرْآنَةَ الْمَوَدِّ مِنْ فَاثِنَةٍ يَنْظُرُ مِنْ نُورِ اللَّهِ -

مومن کی فراست سے ڈیں کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، سے متصف ہے۔ نور الہی اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی نعمت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی پر کرم نوازی کرتا ہے۔ اس نعمت اللہ کے نوازما ہے تو پھر اُن کی آنکھوں کے سامنے دنیاوی پردے مائل نہیں رہتے وہ ایسے حقائق سے آگاہ ہوتے ہیں۔ جن کو عام ذہن اور آنکھ بھانپ نہیں سکتی۔ چہ جائیکہ بے دین پھر اس سے بھی آگے گزر کر وہ دائرہ "لَا يَخْزَنُونَ" "انہیں کوئی غم نہیں"

میں داخل ہو چکے تھے۔

دوسری طرف کفار جو گمراہیوں کے تاریک پردوں میں گم گشتہ بزمِ خوشی کے دین (بت پرستی)، اپنے آبائی دین کی حفاظت میں مصروف تھے چنانچہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں پر کیا گزری، معاذ اللہ، اُسے لکھتے، پڑھتے اور سنتے ہوئے دل دہل جاتا ہے۔ جسم لرزہ بر اندام ہوتا ہے۔ پاؤں تلے سے زمین نکلی شروع ہو جاتی ہے۔ وہ کیا بستیاں تھیں جن پر اس قدر ظلم ڈھائے گئے اور ان کے پائے ثبات میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی اپنے تو کیا دشمن بھی سن کر ابدیدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ اس باب میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسلام لانے کے حالات، کفار کی سختیاں اور تکالیف دینا، مسلمانوں کی اسلام کے لئے جانی اور مالی قربانیوں کا ذکر کیا جائیگا۔ تاکہ مطالعہ کرنے والے حضرات کو عشق و محبت کی مثالیں مل سکیں اور موضوع کے بعض پہلوؤں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ عملی زندگی میں اپنا موازنہ کر کے اس سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔

اسلام اور ہجرت

ترکِ وطن ہے سنتِ محبوبِ الہی دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی «اقبل» محبت کی آزمائش ہوتی ہے۔ کمرے کھوٹے کو پرکھا جاتا ہے۔ اس کے لئے زبانی اقرار ہی کافی نہیں بلکل کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی سے کمرے کھوٹے میں تمیز ہو سکتی ہے۔ مگر عزیزِ داتا رب اور وطن چھوڑنا مال و دولت سے ہاتھ دھونایا بڑا ہی مشکل کام ہے یہ وہی جانتا ہے جس پر گزرے۔ جسے اس کا پالا پڑے۔ دوسرا اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ انسان کے ہر حال سے آگاہ ہے لیکن ظاہری دنیا میں تمیز کے لئے ایک معیار مقرر کر دیا ہے جس سے حقیقت کھل جاتی ہے۔ چنانچہ جب کفار نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی تو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو ہجرت کرنے کا حکم دیا۔

ہجرت حبشہ :- شاہِ حبشہ اگرچہ نصرانی تھا۔ فی الحال اسلام نہیں لایا تھا۔ لیکن اُس کے

رم دل اور منصف مزاج ہونے کی شہرت تھی۔ چنانچہ پانچویں برس رجب کے مہینے میں بارہ مردوں اور پانچ عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ مکہ والوں نے اُن کا بیچا کیا کہ نہ جا سکیں۔ لیکن یہ لوگ ہاتھ نہ آئے۔ کچھ عرصہ بعد ان کو وہاں خبر ملی کہ مکہ والے سب مسلمان ہو گئے ہیں۔ لہذا یہ لوگ دین کو لوٹے۔ لیکن راستے میں معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے۔ اس لیے کچھ واپس چلے گئے اور بعض کی کپناہ لے کر مکہ میں داخل ہوئے۔ یہ حبشہ کی پہلی ہجرت تھی اس کے بعد ایک بڑی جماعت جس میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں شامل تھیں۔ متفرق طور پر ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گئے۔ اسے حبشہ کی دوسری ہجرت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کفار کو یہ کہاں پسند تھا مسلمان کسی جگہ آرام کی زندگی بسر کریں۔ چنانچہ تحفے تحائف دے کر ایک وفد نجاشی شاہ حبشہ کی خدمت میں بھیجا کہ مسلمانوں کو واپس لائے یہ وفد اول وہاں کے پادریوں اور احکام سے ملا۔ اُن کو تحفے دیئے اور سفارش کا وعدہ لیا پھر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اول بادشاہ کو سجدہ کیا پھر تحفے پیش کر کے اپنی درخواست پیش کی۔ حکام نے ان کی تائید کی۔ مسلمان۔ اُخْرُجُوْ مِنْ دِیَارِھُمْ د وہ جو اپنے گھروں سے نکلے گئے، تو پہلے ہی تھے۔ اب اور ایک بلا تازل ہوں ظلم و ستم کی مشق کے لئے واپس مکہ لے جانے کی بھاگ دوڑ شروع ہے کفار کے وفد نے یوں گزارش کی۔ بادشاہ ہمارے قوم کے چند بے وقوف لڑکے قدیمی دین چھوڑ کر ایک نئے دین میں داخل ہو گئے ہیں۔ جس کو نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ بھاگ کر آپ کے ملک میں آگئے ہیں۔ ہمیں شرفاء مکہ ان کے باپ دادا چچا اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ ان کو واپس لائیں۔ آپ ان کو ہمارے سپرد کر دیں۔

بادشاہ نے جواب دیا جن لوگوں نے میرے ملک میں اگر پناہ لی ہے۔ میں اُن کو تحقیق حال کے بغیر آپ کے حوالے نہیں کر سکتا۔ اول تحقیق کروں پھر اُن کو آپ کے حوالے کر دوں گا۔ چنانچہ مسلمانوں کو بلایا۔ مسلمان پریشان ہوئے کہ کیا کریں۔ پھر ہمت سے یہ طے کیا کہ چلنا چاہیے اللہ کا راز ہے۔ لہذا سیدھے بادشاہ کے پاس پہنچے اور سلام کیا۔ کسی نے کہا کہ بادشاہ کو آداب شاہی کے مطابق سجدہ نہیں کیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم کو ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس کے بعد بادشاہ نے ان

سے حال دریافت کیا۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر :- اور فرمایا ہم لوگ جہالت میں پڑے

ہوئے تھے نہ اللہ کو جانتے تھے اور نہ اُس کے رسولوں سے واقف تھے۔ تو می ضعیف کو ہلاک کر دیتا تھا۔ سال کھا جاتا تھا۔ لڑکیاں زندہ درگور کر دیتے تھے۔ شراب جوا اور قمار بازی ہمارا پیشہ تھا۔ ہم اس حال میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک رسول بھیجا جس کے نسب کو اُس کی سچائی کو، اُس کی امانت داری اور پرہیزگاری کو ہم سب جانتے ہیں۔ اُس نے ہمیں ایک اللہ وحدہ لا شریک لہ، کی عبادت کی طرف بلا یا۔ پتھروں اور بتوں کو پوجنے سے منع فرمایا۔ اچھے کام کرنے کا حکم دیا۔ بُرے کاموں سے منع کیا۔ سچ بولنا۔ امانت داری اور صلہ رحمی کا حکم دیا۔ اچھے اخلاق کی تعلیم دی۔ پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ۔ نماز، روزہ، صدقہ اور خیرات کا حکم دیا۔ زنا بدکاری، یتیم کا مال کھانا، جھوٹ بولنا اور دیگر بُرے اعمال سے منع کیا۔ قرآن پاک کی تعلیم دی۔ ہم اس پر ایمان لائے اور اس کے فرمان کی تعمیل کی۔ اسی وجہ سے یہ لوگ ہمارے دشمن ہیں ہم کو تایا اور تکلیفیں دیں ہم لوگ مجبور ہو کر اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے تمہارے ملک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے ہیں۔

نجاشی شاہ حبشہ نے کہا جو قرآن تمہارے نبی لے کر آئے ہیں وہ کچھ مجھے بھی سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورہ مریم کی اول آیتیں پڑھیں جس کو سن بادشاہ پر رقت طاری ہو گئی اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ تمام پادری جو موجود تھے اس قدر لرزے کہ ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔ کلام الہی اثر کر گئی۔ دل کی کایا پلٹ گئی۔ مسبب الاسباب نے حالات بدل دیئے۔

نجاشی شاہ حبشہ نے دُند کو جواب دیا۔ خُدا کی قسم یہ کلام اور شاہ حبشہ کا جواب :- وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ ایک ہی نور سے نکلے ہیں۔ اور ان لوگوں کو میں آپ کے حوالے برگز نہیں کر سکتا۔ بادشاہ میفروں

کی ترقیر کا خیال رکھتے ہیں۔ سفارتی آداب ملحوظ رکھتے ہیں۔ منفی جواب بھی ذومعنی اور مبہم الفاظ میں دیا جاتا ہے اور کچھ نہیں تو ہمدردانہ خورد فکر اور تعاون کی وقتی مرہم ضرور لگا دی جاتی ہے۔ اگر بڑی طاقت کا سیفر ہو تو حقائق سے قطع نظر ملکی اور ذاتی منافع کو ملحوظ رکھتے ہوئے فوراً ہاں کر دی جاتی ہے۔ اُن کے رعب و داب ہی کے اُگے ہتھیار ڈال دیئے جاتے ہیں۔ لیکن یہاں رب کریم نے مظلوموں کی مدد فرمائی۔ ایک ملکی وفد کے مقابلے میں چند غریب الدیاریوں کی بات مان لی۔ میفرندامت اور ذلت سے دامن بھرے واپس آ رہے ہیں۔ یہ اللہ کی کریمی ہے یہی وہ مدد ہے۔ جسے انسان نہیں سمجھ سکتا۔ رب العزت کی اعانت کے انداز نرالے ہیں۔ اُس کی حکمرانی دلوں پر ہے وہ ان کو پٹ دیتا ہے۔

آزمائش کا سلسلہ جاری رہا۔ جو لوگ مکہ میں تھے اُن کی تکلیفیں دن بدن بڑھ رہی تھیں سرکارِ دہ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دیکھ کر سخت دکھ ہوتا تھا۔ چنانچہ بالآخر مدینہ منورہ کے حالات اور وہاں کے لوگوں کی دعوت کے پیش نظر مسلمانوں کو مدینہ شریف کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ جب تک تمام مسلمان ہجرت کر کے مکہ سے نہ چلے گئے۔ آپ مکہ میں قیام فرما رہے اور سب سے آخر میں آپ نے ہجرت فرمائی۔

مسلمانوں کی آزمائش کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ آج بھی دیکھ لیں۔ مسلمانوں کو پوری دنیا میں مختلف مسائل سامنا ہے۔ اپنے ہومنونوں میں سے لاکھوں نے ۱۹۴۶ء میں گھر و مال و دولت اور وطن کو خیر باد کہا عصتیں ٹائیں، جانیں قربان کیں۔ عزیز واقارب شہید ہوئے۔ دین کی خاطر سب کچھ برداشت کیا اور اپنا آبائی مسکن چھوڑ کر پاکستان ہجرت کر آئے۔ ۱۹۴۷ء کی جنگ میں لاکھوں اسی دین کی خاطر بے گھر ہوئے۔ مصائب برداشت کئے۔ ۱۹۴۷ء میں اس سے بھی زیادہ لوگ متاثر ہوئے مسلمان یہ سب کچھ اللہ کی رضا جوئی کے لئے کرتا ہے۔ اس طرح مسلمان کی مذہبی پختگی اور ناپختگی کا امتحان وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔

عرب اسرائیل تنازعہ اور فلسطینی مہاجرین کی داستان بڑی طویل اور دردناک ہے۔ وہ سب کچھ محض دین اسلام کے لئے برداشت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے آمین

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

خلیفۃ الرسول، یارِ فار، افضل البشر حضرت سیدنا اسلام اور ابتدائی حالات :- ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مردوں میں اسلام لانے والی پہلی ہستی ہیں۔ آپ ایک متمول رئیس تھے۔ اسلام لانے کے بعد ساری عمر اسلام کے لئے وقف کر دی۔ اسلام سے پہلے نام عبد الکعبہ تھا مسلمانوں ہونے کے بعد عبد اللہ رکھا گیا۔ صدیق اور عتیق کے لقب سے سرکارِ دو عالم نے سرفراز فرمایا۔ اپنی کنیت ابو بکر کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب چھٹی پشت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کپڑے کے تاجر تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی اڑھائی برس چھوٹے تھے۔ شروع ہی سے پاکبازی کی طرف مائل تھے۔

بچپن ہی سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دوستی تھی۔ اسی طرح ابتدائے عمر ہی سے صحبتِ پاک سے مستفید ہوتے رہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنی نبوت کا ذکر کیا اور اسلام لانے کی دعوت دی تو ایک لمحہ بھی نہ سوچا اور ایمان لے آئے اور دربارِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں رہنے لگے۔ آپ کا شمار عربِ روسا کی صفِ اول میں تھا۔ لہذا آپ کے اثر و رسوخ سے بہت سے لوگ اسلام لائے ان حضرات میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کے نام قابل ذکر ہیں۔

بہت سے غلاموں اور لونڈیوں کو جو اسلام لانے کی وجہ سے کفار کے طرح طرح کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید کر آزاد کیا۔ امیر بن خلف کے ظلم سے نجات دلائی۔ آپ کی خدمت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ کسی کا احسان نہیں" آپ کی دولت، بزرگی اور اثر و رسوخ کے باوجود آپ کو مصائب سے

دو چار ہونا پڑا۔ اعلیٰ تہ تبلیغ کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ
 آپ کے مشورے پر تشریف لے گئے پہلا تبلیغی خطبہ آپ (ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے
 پڑھا۔ اس پر کفار نے اتنا مارا کہ لہو لہاں ہو گئے۔ شام تک بے ہوش رہے۔ لیکن جذبہ
 شوق اور حب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ ہوش میں آنے پر آپ نے پہلا
 سوال یہ کیا کہ "رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہاں ہیں" جب مکہ سے مسلمانوں نے
 حبشہ کی طرف ہجرت کی تو آپ بھی ساتھ روانہ ہوئے۔ لیکن ایک قدیم دست سردار ابن الدغنه
 ملا۔ وہ آپ کو واپس لے آیا۔ مکہ میں آکر اعلان کر دیا کہ میں ابوبکر کو پناہ دیتا ہوں۔ کفار نے
 کہا کہ ہم ابوبکرؓ کی مخالفت نہیں کریں گے۔ لیکن ایک شرط ہے کہ وہ ابتداً آواز سے قرآن کریم
 کی تلاوت نہ کریں۔ کیونکہ جب وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو ان کی آواز کی رقت
 ایسا اثر پیدا کرتی ہے کہ لوگ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ چند روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 خاموش رہے لیکن آخر نہ رہا گیا۔ آپ نے اپنے مکان کے باہر چھوٹی سی جائے نماز بنوائی اور
 وہیں قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ابن الدغنه نے قریش کے احتجاج پر آپ سے درخواست
 کی تو آپ نے جواب دیا۔ مجھے اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سوا
 کسی کی پناہ درکار نہیں۔

ہجرت مدینہ میں رفاقت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ
 کو ہجرت کا حکم دیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہدایت کی کہ آپ مکہ ہی میں فی الحال قیام فرمائیں
 جب سب مسلمان مکہ سے جا چکے تو خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کا حکم ہوا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ کو اس سفر میں محبوب خدا کی رفاقت نصیب ہوئی۔ غار ثور میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔ غار کو خود پہلے اندر جا کر صاف کیا۔ اپنی چادر مبارک پھاڑ پھاڑ
 کر غار میں تمام سوراخ بند کئے۔ ایک سوراخ بچ گیا۔ وہاں پر دانہ قمیص رسالت نے اپنی
 اڑی رکھ دی۔ مبادا کوئی موذی چیز اس سے نکل کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
 کو نقصان پہنچائے۔ رحمت اللعالمین آپ کی گود میں سر اقدس رکھ کر نیند فرمانے لگے۔ سوراخ

کے اندر سے جہاں آپ نے ایڑی رکھی تھی سانپ نے ڈنگ مارا۔ شدت درد سے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے لیکن حضور سرکارِ دو عالم کی نفیذ میں مُخَل ہونا پسند نہ فرمایا۔ آپ کے آنسو حضورِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس پر گرے آنکھ کھلی۔ دریافت فرمایا۔ صدیق کیا بات ہے۔ عرض کی سانپ ڈس گیا ہے۔ رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لعابِ دہن پاک لگایا جس سے درد ختم ہو گئی۔ جب کفار آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں عین غار کے اُپر آگئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھبرا گئے۔ لیکن حضور پر نور نے لَا تَحْزَنَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا، خوف مت کھائیے اللہ کے ساتھ ہے، فرما کر تسلی فرمادی۔ وہاں سے نکل کر مومنِ خلائق جب عازمِ مدینہ ہوئے تو آپ خادم کے طور پر ہمراہ تھے۔ سنگلاخ راستے اور طویل سفر کی تکلیفیں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہوں یہ پسند نہ تھا۔ چنانچہ آپ نے حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کندھوں پر سوار کر لیا۔ سنگلاخ اور دشوار گزار راستوں کی وجہ سے آپ کے پاؤں زخمی ہو گئے جسم تھک کر چور ہو گیا۔ لیکن کسی بات کی پرواہ نہ کی سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر تن من دمن سب کچھ ہی لگا دیا تھا۔

جان دی ہوئی اُسی کی نھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

دنیا، اولاد اور مال دولت رہے یا نہ رہے اپنی جان کو تکلیفیں ہوں یہ سب بے معنی ہیں۔ مگر محبوبِ بسمانی کو کوئی تکلیف پہنچے یہ کسی حال میں پسند نہیں۔ تمام اہم کام میں حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ سے مشورہ فرماتے تھے۔ غزوہ بدر کے اسیران سے سلوک کے متعلق آپ سے مشورہ کیا گیا اور اس پر عمل کیا گیا۔ غزوہ بدر میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محافظ تھے۔ عریش میں برہنہ تلوار حضور کے ساتھ صرف آپ ہی تھے۔ جنگ کی ہدایات آپ کی معرفت مجاہدوں کو ملتی تھیں۔ دوسرے نفلوں میں موجودہ زمانے کے مطابق چیف آف سٹاف کے فرائض جو کہ سالارِ اعظم کے ماتحت کام کرتا ہے۔ آپ ادا کر رہے تھے۔ فتنہ ارتداد کے خاتمے کے لئے نظامِ نامساعد حالات میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے مختلف ہونے کے باوجود ایک عظیم مجاہدانہ

جذبے سے عمل پیرا ہوئے اور اُس کا مکمل طور پر خاتمہ فرما دیا۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ بہت سے غلام اور لڑکیاں خرید کر **مالی قربانیاں** :- ازاویہ کے ان میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطیر رقم دے کر خریدا اور آزاد کر دیا۔ مسجد نبوی آپ کے روپے سے تعمیر ہوئی۔ غزوة تبوک میں جب حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کی تیاری کے لئے مسلمانوں کو رقم جمع کرنے کا حکم دیا تو آپ نے گھر کی ساری پونجی لاکر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں رکھ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ کو یوں بیان فرماتے تھے۔

حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اتفاقاً اُس زمانے میں میرے پاس کچھ مال موجود تھا میں نے سوچا کہ اگر کبھی میں حضرت ابو بکر سے بڑھ سکتا ہوں۔ تو آج بڑھ سکوں گا۔ چنانچہ گھر گیا اور نصف اثاثہ گھر سے اٹھا لایا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کیا آدھا چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت ابو بکر صدیق کے پاس جو کچھ تھا سب لے آئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ انہوں نے فرمایا ان کے لئے اللہ اور اُس کا رسول چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت ابو بکر صدیق سے میں کبھی بڑھ نہیں سکتا۔

پر دانے کو چراغ ہے بلب کو پھول بس صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس
عہدِ خلافت کا پورا عرصہ اسلام کی خدمت میں گزار دیا۔ مسلسل محنت اور کوشش سے
ایک مضبوط اسلامی حکومت کی بنیادیں اُسٹوار کر دیں۔

حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قبیلہ قریش کی شاخ بنو سعد سے تعلق رکھتے ہیں۔ سلسلہ

نسب اٹھویں پشت پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ذریعہ معاش تجارت تھا۔ اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کے سخت دشمن تھے پوری دنیا آپ کی شجاعت اور بہادری کی معترف ہے۔ اسلام کی قوت کے لئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلمان ہونے کی دعا کی۔ آپ کی دعا قبول ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے مسلمان چھپ کر عبادت کرتے تھے۔ آپ نے اسلام لاتے ہی اعلیٰ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا اعلان کر دیا اور خانہ کعبہ میں اعلیٰ نماز ادا کی۔ اس جرأت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو "فاروق" یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والا لقب عطا فرمایا۔ آپ کے اسلام لانے سے کفار کا پہلا سا زور نہ رہا۔ مسلمانوں پر ظلم و ستم میں کمی آگئی۔ کفار کی اعلیٰ مسلمانوں کو اذیتیں دینے کی ہمت ختم ہو گئی۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے قوموں کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا (اقبال)

اسلام لانے کا قصہ :- حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ حق کے بعد آپ عداوتِ اسلام میں پیش پیش تھے۔ مسلمانوں پر سختیاں کرتے تھے۔ کفار کے کہنے پر ایک دن حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے۔ ہاتھ میں تلوار لئے بڑے کرد فرسے جا رہے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص راستے میں مل گئے۔ پوچھا عمر کہاں جا رہے ہو؟ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ بنو ہاشم، بنو زہرہ اور بنو عبد مناف سے کیسے مطمئن ہو گئے ہو۔ وہ تم کو بدلہ میں قتل کر دیں گے۔ اس پر بگڑ گئے اور کہنے لگے معلوم ہوتا ہے تو بھی بے دین (مسلمان) ہو گیا ہے۔ پہلے تجھے ہی مثالوں۔ یہ کہہ کر تلوار سونت لی۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہہ کر ہاں میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ تلوار سنبھال لی۔ دونوں طرف سے تلوار چلنے والی تھی کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ سپٹے اپنے گھر کی خبر لو۔ تیری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر غصہ سے بھر گئے اور سیدھے بہن کے گھر گئے۔ اس وقت حضرت جناب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں میاں بیوی کو قرآن شریف

پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر کی آواز پر کواڑ کھولا گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز سے حضرت
 خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اندر چھپ گئے۔ وہ ادراق جن پر قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں۔
 جلدی میں دیں رہ گئے۔ ہمیشہ نے دروازہ کھولا۔ ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ جس کو بہن کے سر
 پر مارا جس سے خون بھنے لگا۔ کہا اپنی جان کی دشمن تو مجھے بے دین ہو گئی ہے۔ اس کے بعد
 بہنوئی سے بات کی کہ تو نے دین کیوں چھوڑا ہے۔ بہنوئی نے کہا کہ اگر دوسرا دین حق ہوتا تو
 یہ سننا تھا کہ ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی اور بے تسما مارنا شروع کر دیا۔ خوب مارا۔ بہن نے چھڑانے
 کی کوشش کی تو ایک طمانچہ مارا کہ خون نکل آیا وہ بھی آخر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن تھی کہنے
 لگی۔ عمرؓ کو اس وجہ سے مارا جا رہا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ بے شک ہم مسلمان ہو گئے ہیں جو
 چاہے کرے اس کے بعد عمرؓ کی نظر ان قرآنی پرچوں پر پڑی جو جلدی میں باہر رہ گئے تھے
 کہنے لگے اچھا مجھے بھی یہ دکھلاؤ۔ بہن نے کہا تو ناپاک ہے۔ ناپاک آدمی اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا
 اصرار کے باوجود آپ کو ہاتھ نہ لگانے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غسل کیا اور اس
 کے بعد پڑھا۔ سورہ ظہ لکھی ہوئی تھی۔ پڑھتے ہی حالت بدل گئی۔ کہنے لگے مجھے محمد صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے چلیں۔ یہ الفاظ سن کر خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر سے نکلے اور کہا کہ
 اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ کل شب پنج شنبہ میں حضور اقدس
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعائ مانگی تھی۔ کہ یا اللہ عمرؓ اور ابو جہل میں کچھ جو پسند ہو۔
 اس سے اسلام کو قوت عطا فرما۔ یہ دونوں قوت میں مشہور تھے۔ معلوم ہوتا ہے تمہارے
 حق میں حضورؐ کی دعا قبول ہو گئی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت
 میں حاضر ہوئے اور جمعہ کی صبح کو مسلمان ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 فرماتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام لانا مسلمانوں کی فتح تھی۔ ان کی ہجرت مسلمانوں
 کی مدد تھی اور ان کی خلافت رحمت تھی۔

تمام مسلمانوں نے مکہ سے چوری اور چھپ کر ہجرت کی۔ مگر
ہجرتِ مدینہ منورہ :- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار گلے
 میں ڈال لی۔ کمان ہاتھ میں لی۔ بہت سے تیر لے۔ پہلے خانہ کعبہ گئے۔ طواف کیا۔ پھر

ایلیان سے نماز پڑھی اس کے بعد کفار کے جمعوں میں گئے اور فرمایا کہ جس کا دل چاہیے
اسکی ماں روئے اُس کی بیوی راندھو۔ اُس کے بچے یتیم ہوں۔ وہ مکہ سے باہر آکر میرا مقابلہ
کرے یہ انگ انگ جماعتوں کو بنا کر تشریف لے گئے کسی کو بہت نہ ہونی کہ آپ کا بیچھا کرے
چنانچہ بیس ساتھیوں کھلے کر ہجرت کر گئے۔

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد ملت اسلامیہ کے تمام اہم کاموں میں
مدنی زندگی حصہ لیا۔ تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔ اسلام کی اپنی جان اور مال سے
دل کھول کر مدد کی۔ غزوہ تبوک میں چندہ کی ضرورت پڑی تو گھر کا نصف مال لاکر محبوب خدا
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں رکھ دیا۔ ساری عمر جہاد اسلام میں گزری۔ شانِ محشر
نے آپ کو جنت کی بشارت دی چلتا پھرتا نور فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی
ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔ جنتی ہونے کی قطعی سند ہونے کے باوجود شہادت کے لئے دعا کیا کرتے
تھے۔

اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي سَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ وَاجْعَلْ قَبْرِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ
راے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرما اور میری قبر رسول کریم کے شہر میں بنا،
آپ کے عہد میں مسلمانوں کو اتنی فتوحات نصیب ہوئیں جتنی اور کسی خلیفہ کے عہد
میں نہ ہوئیں۔ سلطنت کے کاموں اور ذاتی موانعہ میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ رعایا کی
خبر گیری کے لیے راتوں کو شہروں کا چکر لگاتے۔ غریبوں کی مدد کرتے اور کوشش کرتے کہ کسی کو
معلوم نہ ہو کہ یہ خلیفہ وقت ہیں۔ چند ایک مثالیں یہ ہیں۔

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کام میں مشغول تھے ایک شخص آیا
خوف خدا اور کہا فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ آپ چل کر مجھے بدلہ دلاؤ دیں۔
آپ نے اُس کو ایک درہ مار دیا کہ میں جب اس کام کے لئے بیٹھا ہوں تو اُس وقت تو اتنے
نہیں اور جب میں دوسرے کاموں میں مشغول ہوتا ہوں تو اگر کہتے ہیں کہ بدلہ دلاؤ۔ وہ شخص
چلا گیا۔ آپ نے آدمی بھیج کر اُس کو بلوایا اور درہ دے کر فرمایا کہ بدلہ لے لو۔ اُس نے کہا کہ
میں نے نماند کے واسطے معاف کیا۔ چنانچہ آپ نے گھر جا کر دو رکعت نماز پڑھی اور ویر

تک اپنے آپ کو ملامت کرتے رہے کہ تو کینہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے اونچا کیا تو گمراہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے ہدایت دی۔ بادشاہ بنایا۔ اب ایک شخص اُکر کہتا ہے کہ بدلہ دلو اعلیٰ تو اُس کو مارتا ہے۔ کل قیامت کے دن رب کو کیا جواب دو گے

غریب عورت کی مدد :- آپ کے فلام حضرت اسلمؓ بیان کرتے ہیں۔ میں ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حصرہ کی طرف جا رہا تھا ایک جنگل میں آگ جلتی ہوئی نظر آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا شاید یہ کوئی قافلہ ہو۔ حشرات ہونے کی وجہ سے شہر میں نہیں گیا اور باہر ہی ٹھہر گیا ہے۔ چلو اس کی خبر لیں۔ اس کی حالت کا انتظام کریں وہاں پہنچ کر دیکھا تو عورت ہے جس کے ساتھ چند بچے ہیں جو رو رہے ہیں۔ ایک دیگی چولہے پر رکھی ہے۔ جس میں پانی بھرا ہوا ہے اُس کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلام کیا اور قریب اُنے کی اجازت لے کر اُس کے پاس گئے اور پوچھا یہ بچے کیوں رو رہے ہیں۔ عورت نے کہا بھوک سے لاچار ہو کر رو رہے ہیں۔ دریافت فرمایا اس دیگی میں کیا ہے۔ عورت نے کہا پانی بھر کر پہلانے کے واسطے آگ پر رکھ دی ہے کہ ذرا تسلی ہو جائے اور سو جائیں۔ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اور میرا فیصلہ اللہ ہی کے ہاں ہو گا کہ میری اس تنگی میں خبر نہیں لیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رونے لگے اور فرمایا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے بھلا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو تیرے حال کی کیا خبر ہے کہنے لگی وہ ہمارے امیر بنے ہیں اور وہ ہمارے حال کی خبر نہیں رکھتے۔ اسلم کہتے ہیں کہ عمرؓ مجھے ساتھ لے کر واپس ہوئے اور بیت المال سے ایک بوری میں کچھ اٹا، کھجوریں اور چربی اور کچھ کپڑے اور کچھ درہم لےئے۔ بوری خوب بھری اور فرمایا یہ میری کمر پر رکھ دو میں نے عرض کی کیا میں لے چلوں۔ آپ نے فرمایا میری کمر پر رکھ دو۔ دو تین مرتبہ جب میں نے اصل رکھا تو فرمایا "کیا قیامت کے دن بھی میرے بوجھ کو تو ہی اٹھائے گا۔" اُس کو میں ہی اٹھاؤں گا۔ کیونکہ قیامت میں مجھ ہی سے سوال ہو گا۔ میں نے مجبور ہو کر بوری آپ کی کمر پر رکھ دی۔ آپ نہایت تیزی سے اُس کے پاس تشریف لے گئے اور میں بھی ساتھ تھا وہاں پہنچ کر اُس دیگی میں اٹا، چربی اور کچھ کھجوریں ڈالیں اور اس کو چلانا شروع کیا چولہے میں خود

ہی پھونکیں مارتے تھے۔ آپ کی گھجان ڈاڑھی میں دھواں کونکلتے ہوئے میں خود دیکھتا رہا۔ حتیٰ کہ حریرہ سا تیار ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے دست مبارک سے نکال کر ان کو کھلایا۔ وہ خوب میر ہو کر ہنسی کھیل میں مشغول ہو گئے اور جو بچا تھا وہ دوسرے وقت کے لئے ان کے حوالے کر دیا۔ وہ عورت بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بجائے آپ خلیفہ بننے کے مستحق ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو تسلی دی اور فرمایا۔ جب تم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جاؤ گی تو مجھ کو بھی وہیں پاؤ گی۔ آپ اس کے قریب ہی ذرا ہٹ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد چلے آئے اور فرمایا کہ میں اس لئے بیٹھا تھا کہ میں نے ان کو روتے دیکھا تھا۔ میرا دل چاہا کہ تھوڑی دیر ان کو ہنستے بھی دیکھوں۔

ہمارے لئے یہ شعل راہ ہے۔ قیامت کے دن ہر حاکم سے ماتحت کی خبر گیری اور سلوک کے متعلق باز پرس ہوگی۔ مواخذہ ہوگا۔ اس کی نکر ہونی چاہیے۔ اپنے آرام و آسائش کو چھوڑ کر ان کی فلاح و بہبود کی طرف بھی آنا چاہیے۔

ایک مرتبہ رات کو گشت کے دوران ایک میدان سے گزر ہوا۔ دیکھا بالوں کا بنا ہوا ایک خیمہ لگا ہوا ہے۔ جو پہلے وہاں نہیں دیکھا گیا تھا۔ قریب پہنچے تو دیکھا ایک صاحب وہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ خیمہ سے کراہنے کی آواز آرہی ہے۔ سلام کر کے ان کے پاس بیٹھ گئے۔ دریافت فرمایا کہ تم کون ہو۔ انہوں نے فرمایا مسافر ہوں جنگل کا رہنے والا ہوں۔ امیر المؤمنین کے سامنے اپنی ضروریات پیش کر کے مدد چاہنے کی غرض سے آیا ہوں۔ دریافت فرمایا یہ خیمہ میں آواز کیسی آرہی ہے۔ ان صاحب نے کہا میاں جاؤ اپنا کام کرو۔ آپ نے اصرار فرمایا نہیں تبادو۔ کچھ تکلیف کی آواز ہے ان صاحب نے بتایا کہ عورت کی ولادت کا وقت قریب ہے درد ہو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کوئی دوسری عورت بھی قریب ہے انہوں نے کہا کوئی نہیں آپ وہاں سے اٹھے اور مکان میں تشریف لے گئے اپنی بیوی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔ ایک بڑے ثواب کی چیز مقدر سے تمہارے لئے آئی ہے۔ پوچھا کیا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ایک گاؤں کی رہنے

والی بے چاری تنہا ہے۔ اس کو درد زہ ہو رہا ہے۔ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ کہاں ہاں تمہاری صلاح ہو تو میں تیار ہوں اور کیوں نہ تیار ہوں کہ یہ بھی تو سید النساء خاتون جنت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ولادت کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تیل، گڑ وغیرہ لے لو وہ لے کر چلیں۔ حضرت عمر تیچھے تیچھے ہوئے۔ وہاں پہنچ کر حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو خیر میں چلی گئیں اور آپ نے آگ جلا کر ہانڈی میں دانے اُبالے گھی ڈالا۔ اتنے میں ولادت سے فراغت ہو گئی۔ اندر سے حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آواز دی عرض کیا۔ امیر المؤمنین اپنے دوست کو لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دیکھے۔ امیر المؤمنین کا لفظ جب اُن صاحب کے کان میں پڑا تو وہ بڑے گھبرائے آپ نے فرمایا گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ وہ ہانڈی خیمے کے پاس رکھ دی کہ اس عورت کو کچھ کھلا دیں۔ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کو کھلا دیا۔ اس کے بعد باہر ہانڈی دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مسافر سے کہا کہ تم بھی کھاؤ رات بھر تہاری جائے میں گزر گئی ہے اس کے بعد اہلیہ کو ساتھ لے کر گھر تشریف لائے اور ان صاحب سے فرمایا کل انا تمہارے لئے انتظام کر دیا جائے گا۔

آج ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیے کہ ہم اور ہمارے اہل و عیال کس حد تک غریب کی خبر گیری کرتے ہیں۔ جنگل تو بڑے دور کی بات ہے۔ ساتھ ہمسایہ میں تکلیف ہو رئیس اور وزیر کا کیا کہنا۔ معمولی مال دار آدمی بھی غریب کے لئے ہاتھ سے کوئی کام کر کے دینا پسند نہیں کرتا۔ دوسروں کی مدد کا احساس کس کو ہے اپنے ہی منصوبوں کے لئے رقم مہیا نہیں ہو رہی۔ آمدنی خواہ کتنی ہی تیزی سے کیوں نہ بڑھے، خواہشات کا میدان اس کے باوجود وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ سوچنا چاہیے کہ ہم بھی اسی دین کے پرہیزگار ہیں۔ اُن ہی کے نام لیوا ہیں۔ کوئی کام اُن جیسا بھی کر لینا چاہیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنو امیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ بڑے مال دار تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد تمیر کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ مالی معاملات میں جب بھی ضرورت پڑی اسلام کی بے پناہ خدمت کی۔ درگاہ رسالت پناہ میں بڑی قدر کی نگاہ سے سرفراز تھے۔ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو "غنی" کا لقب عطا فرمایا۔ یکے بعد دیگرے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دو صاحبزادیاں نکاح میں آئیں۔ اس طرح ذوالنورین ہونے کا شرف نصیب ہوا۔ ہجرت حبشہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ حبشہ کو ہجرت کی۔ کچھ عرصہ بعد اہل مکہ کے اسلام لانے کی انواہ پھیلی تو واپس مکہ آگئے اور وہیں مقیم رہے۔ بعد میں اہل و عیال سمیت مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔

آپ قریش کے دولت مند ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ مدینہ مالی قربانیاں :- منورہ میں مسلمانوں کو پانی کی بڑی تکلیف تھی۔ سارے شہر میں صرف ایک ہی کنواں ایسا تھا جس کا پانی میٹھا تھا اس کنوئیں کا نام "بیئر رومہ" تھا جو کہ ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ یہودی نے اسے ذریعہ معاش بنا رکھا تھا۔ پانی قیمتاً دیتا تھا جس سے غریب مسلمانوں کو بڑی مشکل کا سامنا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بھاری رقم دے کر خرید لیا اور مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

غزوہ تبوک :- غزوہ تبوک میں آپ نے ایک تہائی یعنی دس ہزار سپاہیوں کے لیے رسد اور سازد سامان فراہم کیا۔ اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد پیش کئے۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس قدر خوش ہوئے کہ فرمایا: "آج کے بعد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

غزوات میں شرکت - آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات
 رقبہ یار تھیں۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو روک دیا تھا۔
 اور ان کی دیکھ بھال کے لئے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ لیکن جب فتح ہوئی تو آپ کو مجاہدین
 بدر کا درجہ عطا کر کے مالِ غنیمت کا حصہ دیا۔ صلح حدیبیہ سے پہلے آپ سفارت کا پیغام
 لے کر مکہ تشریف لے گئے تھے جب آپ کی شہادت کی خبر پھیلی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
 وسلم نے تمام صحابہ سے تعاصم کی از سر نو بیعت لی۔ اور حضرت عثمان کو یہ سعادت بخشی کہ اپنے
 بایاں دست مبارک کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت
 لی۔ غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ مطہرہ میں
 آپ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔

قرآن پاک کی اشاعت - ۲۳ھ میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 عراق و شام سے ہوتے ہوئے مدینہ تشریف لائے انہوں
 نے دیکھا کہ مختلف مقامات اور علاقوں میں لوگ قرآن مجید مختلف قراتوں سے پڑھتے ہیں۔
 یہ دیکھ کر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی۔ آپ نے خدشہ محسوس کیا کہ کہیں
 وقت گزرنے کے ساتھ یہ معاملہ بڑھتا چلا گیا تو یہ مسلمانوں کیلئے نقصان کا باعث ہوگا۔ چنانچہ آپ
 نے مجلس شوریٰ بلائی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے طلب فرمائی۔ چنانچہ صحابہ کرام
 کی رائے سے کلام پاک کا وہ نسخہ منگوایا جو سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
 عہد خلافت میں حضرت زید بن عارض رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی
 نگرانی میں مرتب ہوا تھا۔ اور اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا۔ آپ
 نے اس کی نقلیں کروا کر بڑے بڑے شہروں میں بھجوا دیں اور اس کے علاوہ تمام دوسرے
 نسخے جلا دیئے گئے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اُمت مسلمہ پر بہت بڑا احسان ہے
 جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے صحیح قرآن کی اشاعت کر کے اسلام کو ایک بہت
 بڑے خطرے سے بچایا۔

شہادت

اپنے خون سے اُمتِ مسلمہ کا خون زیادہ پیارا ہے۔^۱ فراخ دل سے مملکت

اسلامیہ میں مختلف مقامات پر مختلف گروہوں نے سر اٹھاتا شروع کر دیا تھا۔ آپ کے طرزِ عمل اور اپنے خاندان سے مروت کے متعلق آپ پر بے سراپا آرام عائد کئے۔ شورش نے پہلے کوفہ سے زور پکڑا۔ مالک اشتر نخعی اور یزید بن قیس نے اپنے گروہ کو جمع کر کے خوب فتنہ و فساد کیا۔ گورنر سعید کی معزولی اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گورنر بنانے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کا مطالبہ پورا کر دیا۔ اس کے باوجود سبائیوں کی ریشہ و دانیال بڑھتی گئیں بصر اور عراق کے سبائیوں نے خط و کتابت کے ذریعے ایک دن مقرر کیا۔ پھر مصر اور کوفہ اور بصرہ سے ایک ایک ہزار کی جماعت جمع کا ارادہ ظاہر کر کے روانہ ہوئی۔ انہوں نے مدینہ منورہ کا رخ کیا اور ایک مقررہ مقام پر سب قافلے مل گئے۔ شہر کے قریب پہنچ کر رُک گئے۔ یہ سب لوگ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف متحد تھے۔ لیکن کسی دوسرے خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں ان میں اختلاف تھا۔ مصری حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں تھے۔ بصرہ اور کوفہ والے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں تھے۔

یہ لوگ ان تینوں سے الگ الگ ملے اور خلافت کی پیش کش کی لیکن انہوں نے ان کو ڈانٹ ڈپٹ کر نکال دیا۔ انہوں نے عبداللہ بن ابی سرح گورنر مصر کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ ان کی رائے پر مصریوں کا مطالبہ منظور کرتے ہوئے عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اب صحابہؓ نے ان لوگوں کو سمجھا بھجا کر واپس کر دیا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد مصری گروہ واپس آ گیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک قاصد کو پکڑا ہے۔ جس سے خلیفہ کا ایک خط گورنر مصر کے نام برآمد ہوا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ان تمام کو قتل کر دو۔ اس خط پر خلیفہ کی مہر ثبت تھی۔ حضرت عثمانؓ نے قسم کھا کر

اس خط کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا تو ان لوگوں نے مطالبہ کیا کہ یہ سب شہادت آپ کے
میرٹھی مروان کی ہے۔ اسے ہمارے حوالے کر دیں۔ آپ نے تحقیق کر دینے کا وعدہ کیا لیکن مصری
نہ مانے اور قانون کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر دیا

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ آپ کے
دروازے پر پہرہ دیتے رہتے تھے۔ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت آپؓ کی خدمت
میں حاضر ہوئی اور باغیوں کے مقابلے کی اجازت طلب کی مگر آپؓ نے منع فرمادیا کہ میں یہ
ہرگز پسند نہیں کرتا کہ میرے ہمد میں مسلمانوں کی باہمی خون ریزی کی ابتدا ہو۔

مختلف صوبوں میں مدینہ پر امن کے حملے کی خبر پہنچ چکی تھی۔ امدادی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں۔ لہذا
انہوں نے مزید تاخیر کو اپنے حق میں نہ بکھ کر دیوار پھاند کر اندر داخل ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ
اُس وقت تلاوت کلام پاک میں مصروف تھے۔ محمد بن ابی بکر نے آپؓ کی دائرگی پکڑ لی اور
گستاخانہ کلمات کہے۔ آپؓ نے فرمایا: بھتیجے اگر تمہارے والد دیکھتے تو انہیں تمہارا یہ فعل
کبھی پسند نہ آتا وہ یہ سن کر نادم ہو کر لوٹ آئے۔ لیکن دوسرے لوگوں نے تلوار سے آپؓ کو شہید
کر دیا۔ قرآن مجید کے اوراق آپؓ کے خون سے تر ہو گئے۔ آپؓ کی بیوی حضرت عائشہؓ نے آپؓ
کو بچانے کی کوشش کی تو ان کی تین انگلیاں ہاتھ سے کٹ گئیں۔ شہادت کے وقت آپؓ کی عمر
۸۲ سال تھی۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ

حضرت علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی
تھے۔ باپ نے نام اسد رکھا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ کو علیؓ کا
نام دیا اور یہ زیادہ مشہور ہوا۔ "حیدر" "مترضی" آپؓ کے دو لقب ہیں۔ ابو طالب تنگ
دست تھے اس لیے بچپن ہی سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ کی پرورش
اپنے ذمے لے لی تھی۔ حضور پاکؐ کے زیر سایہ پرورش پانے کی وجہ سے جاہلیت کی تمام
آلائشوں سے پاک رہے۔ بچوں میں آپؓ سب سے پہلے اسلام لائے۔ اُس وقت آپؓ کی
عمر دس سال تھی۔ نبوت کے تیسرے سال جب تبلیغ عام کا حکم ہوا تو سرکارِ دو عالمؐ نے

ہمانوں کے سامنے اسلام پیش کیا اور فرمایا تم میں کون میرا ساتھ دیتا ہے۔ سب خاموش رہے صرف ایک آواز آئی۔ گو میں عمر میں چھوٹا ہوں، گو مجھے آشوب چشم ہے اور میری مانگیں نپلی ہیں۔ لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ یہ آواز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قربانیاں اور بہادری کے واقعات درج کرنے کے لئے، ایک باب یا کتاب کیا کئی کتابیں مرتب ہو سکتی ہیں۔ لیکن یہاں صرف ان چند واقعات پر اکتفا کیا گیا ہے جن سے موضوع پر روشنی پڑے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اور آپ کا بستر پر سونا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بستر پر سلا دیا اور خود حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ ہجرت فرمائے۔ آپ کو حکم دیا کہ لوگوں کی امانتیں وٹا کر مدینہ تشریف لے آئیں۔ اس وقت بستر پر سونا موت سے کھیلنا تھا۔ لیکن آپ نے بڑے اطمینان سے نیند فرمائی۔ صبح ہوئی کفار نے دیپانت کیا زد و کوب کیا۔ لیکن آپ بالکل نہ گھبرائے کچھ بھی کفار کو نہیں بتلایا۔ حضور اقدس کے ارشاد کے مطابق امانتیں واپس کر کے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

آپ دلیری اور شجاعت میں بے مثل تھے۔ جن مواقع پر دوسرے بہادر اور تجربہ کار صحابہ کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ ہم سر نہ کر سکے وہاں آپ کو بھیجا گیا۔ آپ اللہ کے فضل سے ہمیشہ کامیاب و کامران رہے۔ غزوہ بدر میں ولید اور شیبہ کو انفرادی جنگ میں موت کے گھاٹ اتارا۔ اُحد میں ذوالفقار حیدری اس انداز سے چلی کہ دشمن کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ غزوہ خندق میں عمر بن عبدود جیسے ناقابل تسخیر جنگجو کو نہہ تیغ کیا۔ خیبر کا قلعہ آپ کے ہاتھوں فتح ہوا۔

غزوہ اُحد میں مسلمانوں کی اپنی غلطی کی وجہ سے معاملہ فتح سے قریب قریب شکست میں بدل گیا تھا۔ بہت زیادہ جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے خلاف تیر انداز دستے کا پہاڑی پر اپنی جگہ چھوڑ دینا تھا۔ خالد بن ولید نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے

تھے عقب سے ملا کر دیا۔ اس طرح مسلمان پاروں طرف سے کفار کے زخموں میں آگئے جس کی وجہ سے بہت سے صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے۔ ایک افراتفری سی پھیل گئی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی کفار کے گھیرے میں آگئے۔ کفار نے مشہور کر دیا حضور شہید ہو گئے ہیں۔ صحابہ کرامؓ اور پریشان ہوئے۔ بعض نے لڑنا بند کر دیا کہ اب لڑ کر کیا کریں گے۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب کفار نے مسلمانوں کو گھیر لیا اور حضور رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میری نظر سے اوجھل ہو گئے تو میں نے اول حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو زندوں میں تلاش کیا۔ پھر شہیدوں میں تلاش کیا کہیں نہ پایا تو میں نے کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ حضور لڑائی سے بھاگ جائیں۔ بقا ہر حق تعالیٰ شانہ، ہمارے اعمال کی وجہ سے ہم پر ناراض ہوئے۔ اس لئے اپنے پاک رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آسمان پر اٹھایا۔ اس لئے اب اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ میں تلوار لے کر کفار کے جھگے میں گھس جاؤں یہاں تک کہ میں مارا جاؤں۔ میں نے تلوار لے کر حملہ کیا یہاں تک کہ کفار بیچ میں سے ہٹتے گئے اور میری نگاہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر پڑ گئی تو بے حد مسرت ہوئی اور میں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی ہے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر کھڑا ہوا کہ پوری جماعت حضور پر حملہ کے لیے آئی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علیؓ ان کو روکو! میں نے تنہا اس جماعت کا مقابلہ کیا۔ ان کے منہ پھیر دیئے۔ بعضوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد ایک اور جماعت حضور پر حملہ کی نیت سے بڑھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پھر حضرت علیؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔

۱:- انہوں نے پھر تنہا اس جماعت کا مقابلہ کیا۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اگر حضرت علیؓ کی جو انمردی اور مدد کی تعریف کی تو حضور نے فرمایا۔

إِنَّهُ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ، - بے شک میں تم سے ہوں اور میں تم سے ہوں۔
یعنی کمال اتحاد کی طرف اشارہ فرمایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا وَأَنَا مِنْكُمْ اور میں تم دونوں سے ہوں۔

ایک تنہا آدمی کا جماعت سے ٹکرا جانا اور ان کو شکست دینا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وآلہ وسلم کی ذات پاک کو نہ پا کر اپنی جان کی بازی لگا دینے کے لیے کفار کے چمکے میں گھس جانا
 جہاں ایک طرف سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سچی محبت اور عشق کمال بہادری
 دلیری اور جرأت کا ثبوت ہے۔ وہاں جانی جہاد فی سبیل اللہ کے کمال کی بھی نشان دہی کرتا ہے۔
 خودہ خندق میں عمرو بن عبدود نے خندق پا

عمرو بن عبدود سے مبارزت :- کر کے مبارزت کے لیے لاکارا مسلمانوں میں
 بڑے بڑے دلیر مضبوط اور بہادر موجود تھے۔ لیکن کسی نے مقابلہ کی ہمت نہ کی۔ تاریخ کے اس
 خوفناک اور بڑے مقابلے کے لئے آپ نے اپنے آپ کو پیش کیا دو مرتبہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں لڑائی کی اجازت کے لئے حاضر ہوئے۔ لیکن آپ نے اجازت
 نہ فرمائی۔ تفصیلی بیان جہاد فی سبیل اللہ کی وضاحت میں گزر چکا ہے۔ آخر قیسری مرتبہ اجازت عطا
 فرمائی اور دعا کی۔ اے اللہ تو علیؑ کی مدد فرما چنانچہ آپ نے اس خوفناک اور دیوہیکل دشمن کو
 جہنم داخل کیا۔

فتح خیبر کے موقع پر کئی مہینے بھی گئیں۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ باری باری
فتح خیبر :- آزمودہ کار صحابہؓ اپنی اپنی کوششیں کر چکے۔ قلعہ قنوص سر ہونے کو نہیں آتا
 تھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
 ”کل ایک ایسے شخص کو علم دیا جائے گا۔ جس کے ہاتھوں قلعہ فتح ہوگا اور وہ خدا اور
 اس کے رسول کو محبوب ہے“

دوسرے دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو علم عطا فرمایا۔ چنانچہ
 اس قلعہ کا سردار مرحب جو کہ ایک جبری پہلوان تھا۔ ذوالفقار حیدری کا سکار ہوا اور بیس دن
 کے محاصرہ کے بعد آخر یہ قلعہ حضرت علیؑ کے ہاتھوں فتح ہوا۔

بریدہ کلثمی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت
شانِ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- کچھ شکایت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
 وسلم کے سمع مبارک تک پہنچائی۔ اس کا تعلق یمن کے مال غنیمت کی تقسیم سے تھا حضور پاکؐ

نے غم فدیہ میں ایک فصیح خطبہ ارشاد فرمایا۔

اس خطبہ میں اہل بیعت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان و منزلت کا اظہار فرمایا اور حضرت علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔
 مَنْ كُنْتُ مَوْلَاہُ فَهِيَ مَوْلَاہُ
 جس کا میں مولا ہوں۔ علی بھی اُس کا مولا ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے تاریخ اسلام نے مؤذن رسول کے نام سے سرفراز کیا ہے۔ ایک کافر امیہ بن خلف کے فلام تھے۔ وہ سارا دن بیگار لیتا تھا۔ ایک دن حضرت بلالؓ نے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ حسنِ مصطفیٰ اور جمال نبوت دیکھ کر وہیں فلامی اختیار کر لی۔ اسلام لے آئے۔ ایک ہی نگاہ سے کفر و شرک کی زنجیریں کھل گئیں ظلمت اور تاریکی دور ہو گئی۔ مسلمان ہونے کے بعد اس کا مالک آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتا تھا۔ یہ مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ آپ کو سخت گرمی میں تپتی ہوئی ریت پر سیدھا لٹا دیتا۔ ان کے سینے پر پتھر رکھ دیتا تاکہ پہلو نہ بدل سکیں۔ اس کے بعد کبھی اسی حال میں مر جاؤ گے یا اسلام سے ہٹ جاؤ۔ لیکن پروانہ شمع رسالت اسی حالت میں اُخْذُ اُخْذُ ہی پکارتے تھے معبود ایک ہی ہے۔ رات کو زنجیروں میں باندھ دیا جاتا۔ برہنہ جسم مبارک پر کوڑے مارے جاتے جس سے زخم ہو جاتے۔ دن کو جب گرم زمین پر لٹاتے تو زخم اور گہرے ہو جاتے۔ اذیت کی شدت بڑھانے کے لئے زخموں کو مزید بڑھایا جاتا۔ عذاب دینے والے تھک جاتے۔ کبھی ابو جہل آتا کبھی امیہ بن خلف کا نبر آتا اور کبھی اوروں کا۔ ایک سے دوسرا بڑھ کر قوت بازو کا مظاہرہ کرتا۔ گلے میں رسی ڈال کر گلیوں میں پھیرایا جاتا۔ غرضیکہ کفار نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی لیکن آپ کے استقلال میں ذرہ بھر کی ذائقہ۔ اسلام کی محبت اور عشق رسول نے سب کچھ بے اثر کر دیا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں
 حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکلیفوں کا علم رفیق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
 حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوا۔ آپ نے حضرت خاتم الانبیاء سے بات کی۔ عرض
 کیا بلالؓ آپ کی محبت میں ظلم و ستم کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا حضور
 انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو بھرا کیا کیا جائے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض
 کی۔ "میں انہیں خرید لیتا ہوں" امید ہے کہ جتنی رقم طلب کرے گا میں اُسے ادا کر دوں گا۔ رحمت
 دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر مسرور ہو گئے۔ آپ نے فرمایا جاؤ۔ بلال کو خرید لے
 لیکن شرط یہ ہے۔ بلال کی ادھی رقم تم ادا کرنا اور ادھی رقم میں ادا کروں گا۔ دیکھے اللہ تعالیٰ
 کی رحمت جوش میں آرہی ہے۔ مسبب الاسباب نے عاشق صادق کی بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم میں قبولیت بخشی۔ یہ اللہ کے ہاں کتنی بڑی قربانی ہے کتنی ارفع نیکی ہے شافع محشر
 جس میں حصہ دار بننے کی شرط لگاتے ہیں۔ کفار کے ظلم و ستم کا استقلال سے مقابلہ کرنے پر انوش
 رحمت اللعالمین نصیب ہونے والی ہے۔

چنانچہ رفیق رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امیرہ کے مکان پر گئے دروازے پر دستک
 دی امیرہ باہر آیا آپ نے امیرہ سے کہا تو بلال رضی اللہ عنہ کو ناحق کہوں مارتا ہے؟ امیرہ نے جواب
 دیا اگر تم اس پر اتنے مہربان ہو تو اسے خرید لو آپ نے فرمایا میں تیار ہوں۔ میرا ایک غلام ہے
 جو یہودی ہے۔ بہت حسین ہے تم اُسے لے لو اور بلال مجھے دے دو۔ آپ نے اپنا غلام منگوا
 امیرہ یہ دیکھ کر کہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلال کو ہر قیمت پر خریدنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں موقع
 سے فائدہ اٹھانے کے لئے کہنے لگا کہ غلام کے بدلے غلام کا سودا اُسی صورت میں ممکن ہے
 کہ کچھ رقم بھی دے دو۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منہ مانگی رقم اور غلام دے کر
 بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید لیا۔ امیرہ خوش تھا کہ اُس نے کالے غلام کے بدلے حسین غلام خریدا
 اور ساتھ کثیر رقم بھی حاصل کی۔ اُس کی نظر دنیاوی منافع پر تھی اور صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی
 مسرور تھے کہ ایک مسلمان کی عذاب سے غلامی ہوئی۔ پتھر بیچ کر موتی خرید لیا۔ بقول کے۔
 قدرے زر زر گر بداند قدر سے جو ہر جو ہری

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر واپس آنے لگے تو ایسے ہنس پڑا اور کہنے لگا تم نے بلال کی قیمت خود بڑھائی ہے۔ اگر میں تمہارے شوق کو نہ دیکھتا تو میں اسے چند درموں کے عوض بیچ ڈالتا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ظالم تمہاری نظر میں بلال کی قیمت کیا ہو سکتی ہے۔ تم ظاہری رنگ دروہ دیکھتے ہو اور میری نظر اس کی روح پر تھی۔ میں نے یہاں تک ارادہ کر رکھا تھا کہ تو لاکھوں درہم کیوں نہ مانگے میں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضرور خریدوں گا۔ اللہ۔ اللہ ادراک مومن کی شان زالی ہے۔ عشقِ ربانی کا انداز نرالا اُس کی نظر اور ادراک اندھا کیا سمجھے ارشادِ بانی ہے۔

فَاِذَا اَجَبْتُمْ اَلَيْسَ لَكُمْ سَمْعٌ وَ اَبْصَارٌ .

پس جس سے محبت کرتا ہوں میں اُس کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہوں۔

مہربانِ خدا کی آنکھیں اور کان اللہ تعالیٰ کی آنکھیں اور کان ہوتے ہیں اُن کی دید اور شنید نظر ظاہرین سے بند و بالا ہوتی ہے۔ محبوبانِ خدا کی سب و بصر کا تفصیل سے ذکر آگے جہاد کی فیصلت کے باب میں آ رہا ہے۔

متصدیہ ہے کہ خالق دیکھنے کے لئے نگاہ بنا دے اور یہ اُس وقت تک میسر نہیں آتی جب تک مس خام کو کندن نہ بنایا جائے۔ عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بھٹی میں جسدِ خاکی کو نہ جلایا جائے آزمائشوں سے گزارا نہ جائے۔ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ

۴ جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واپسی کا بڑی بے تالی سے انتظار فرما رہے تھے۔ بار بار مبارک نگاہیں راستے کی طرف اٹھتی تھیں۔ یہ اللہ کی کریمی ہے۔ محبوبِ خدا تاجدارِ انبیاء عشقِ بلال کے منتظر ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے حاضری کے بعد کا منظر مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

جوں بدید آں روئے خستہ مصطفیٰ
چوں بلال ایں ناشنید از مصطفیٰ
گفت بستم و فا دخلوها با بھا
خر مغشاً فناد اور بر قضا

تا بد میرے بیخود و بے ہوش ماند
چوں بے ہوش آمد ز شادی اشک راند
مصطفیٰ اش درکت از خود کشید
کس چه داند بخششے کو را رسید
ماہی پڑ مردہ در بحر اوفتاد
کاروان گم شد از بر اشاد
جب خستہ حال بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رُخ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

منہوم :- وسلم پر نظر ڈالی تو سرکارِ دو جہاں نے فرمایا، تمہیں مبارک ہو۔ جنت میں داخل
ہو جاؤ۔ یہ سن کر بے ہوش ہو کر گر پڑے دیر تک بے خودی اور بے ہوشی کے عالم میں رہے۔
ہوش میں آئے تو ستم رسیدہ آنکھوں سے مسرت کے آنسو بہنے لگے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم نے کمالِ محبت سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے اس ہوش مبارک میں لے لیا۔
زیب صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے!

ہے زیب اُس کی خدائی، بھی خدا بھی
چسے مل جائے سایہ دامانِ محمد
رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیارے پر کیا کیا نوازشیں کیں کسی کو کیا خبر
طالب جانے یا مطلب عاشق پنختہ کار کو اپنی مراد مل گئی۔ سفر طے ہو گیا منزل مل گئی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد کرانا :-
حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میں نے تو کہا تھا کہ آدمی رقم میں ادا کر دوں گا۔
آپ اکیلے ہی بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید لائے ہیں۔ آخر کیوں؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا جواب مولانا روم کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

گفت ماد و بندگان کوئے تو
کردمش آزاد من بروئے تو
تو مرا میدار بندہ و یار گار
عرض کی ہم دونوں آپ کے بندے ہیں غلام ہیں۔ آپ کے سامنے بلال رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کو آزاد کرتا ہوں۔ میری التجا صرف یہ ہے میرا معاوضہ یہ ہے کہ شافعِ محشر مجھے اپنا
بندہ اور رفیقِ خاص کی دولت عنایت فرمادیں پس مجھے یہی کافی ہے۔
مزید ارشاد فرمایا۔

کہ مرا از بندگی آزادی است بے تو بر من محنت و بیداد می است
 آقا آپ کی بندگی میں (غلامی) میری آزادی ہے۔ اسی میں میری نجات ہے۔ آپ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خاستوں کے بغیر جہاں مجھ پر دشوار ہے۔

فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی
 وہ گئی رسم اذان روح بلالی نہ رہی

اذانِ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ محب ظاہری ادا پر ہی انحصار نہیں کرتا وہ تو عالم معنی پر
 نظر رکھتا ہے وہ الفاظ نہیں دیکھتا۔ بلکہ قلب کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہوتا ہے۔ موتی سبز
 کی سطح پر نہیں اس کی تہوں میں ہوتے ہیں۔ موتی صدف کے اندر پرورش پاتا ہے۔ جب تک
 صدف کھولا نہ جائے۔ نظر نہیں آتا۔ حقیقت صدف کے کھلنے پر عیاں ہوتی ہے۔ اسی طرح عشق
 حقیقی دل کے پردوں میں پتا ہوتا ہے۔ آزادی کے بعد آپ کو موذن مقرر کیا گیا۔ آپ اذان
 کے بعض الفاظ کو صحیح معنوں میں ادا نہ کر سکتے تھے۔ بالخصوص لفظ "حییٰ" "ہی" ادا کرتے تھے

اس پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحت
 الفاظ کے ساتھ اذان نہیں کہہ سکتے اس لیے کسی خوش آواز موذن کا انتخاب فرمائیے۔ تاکہ غیر مسلم
 اذان سن کر متاثر ہو کر یں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر غصہ میں آگئے اور فرمایا۔
 خدا کی بارگاہ میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ "ہی" بلاشبہ سینکڑوں "حییٰ و حئی"
 سے بہتر ہے۔ کیونکہ بلال میرا محبوب ہے اور محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ مولانا حسن
 نے کیا خوب لکھا ہے۔

اللہ کا محبوب بننے جو تمہیں چاہے اُسکا تو بیان ہی نہیں کچھ تم جسے چاہو

اسلام لانے کے بعد مختلف غزوات میں حصہ لیا۔ بدر و خین میں شریک ہوئے۔
 سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد کچھ دل اس قدر بے قرار ہوا کہ حضور
 اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ کو خالی دیکھنا محال ہو گیا۔ چنانچہ مدینہ منورہ چھوڑ کر جہاد
 کے لئے نکلے گئے۔ ایک عرصے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت
 ہوئی۔ حضور پر نور نے فرمایا۔ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کیا ظلم ہے۔ ہمارے پاس کبھی اُسے ہی نہیں

اس کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ ماہِ ذی الحجہ میں اقامت کے دوران بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اذان کی درخواست کی لیکن آپ نے منظور نہ کیا۔ ان حضرات میں سے کسی نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اذان کی فرمائش کوئی رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جگر گوشوں کی درخواست ایسی نہیں تھی۔ کہ انکار کی گنجائش ہوتی۔ اذان کہنا شروع کی۔ مدت بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی اذان کانوں میں پڑی۔ مدینہ میں اذان سن کر کھرام مچ گیا۔ لوگ روتے ہوئے گھروں سے باہر نکل پڑے۔

اذان ازل سے تیرے عشق کا ترانہ نبی نماز اُس کے نظارے کا اک بہانہ نبی (قبل)
چند روز قیام کے بعد واپس ہوئے اور ۲۷ھ میں دمشق میں وصال ہوا۔
حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشی نژاد تھے غلام تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کی محبت اور عشق رسول دل و دماغ پر چھا گیا تو سب کچھ بھول گئے۔ اَقْدَ اَحَدُ كِي صِدَا بِلْنَدِ مَوْتِي هِي
نوارِ اَتْلُحْ تَرَمِي زَن چوں ذوقِ نغمہ کم یابی ہدی را تیز تر می خواں چوں محل را گراں بینی
دکھ کے بعد سکھ آتا ہے۔ امتحان میں کامیابی کے بعد انعام سے نوازا جاتا ہے۔ یہ اصول
فطرت ہے۔ آزمائشوں سے گزرنے کے بعد صلہ یہ ملا کہ عمر بھر مودن رسول رہے۔ اور سفر و
حضرت میں یہ خدمت آپ کے سپرد رہی۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے نامور صحابی ہیں آپ کا شمار بڑے زاہدوں اور علماء میں ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے۔ "ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے علم کو حاصل کئے ہوئے ہیں جس سے لوگ عاجز ہیں مگر انہوں نے اسے محفوظ کر رکھا ہے۔"

اسلام لانے کا واقعہ :- آپ مدینہ شریف کے رہنے والے تھے۔ حضورِ قدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو یہ خبر مدینہ شریف بھی پہنچی۔ جب یہ خبر وہاں پہنچی تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی کو مکہ بھیجا تاکہ حقیقت حال معلوم ہو سکے جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے کہ میرے پاس وہی آتی ہے۔ آسمان کی خبریں آتی ہیں۔ اُس کے حالات معلوم کرو۔ اُس کے کلام کو سنو۔ چنانچہ آپ کے بھائی مکہ مکرمہ تشریف لائے حالات کی تحقیق کی واپس آئے اور اپنے بھائی سے جا کر کہا کہ میں نے انہیں اچھی مادتوں اور عمدہ اخلاق کا حکم کرتے دیکھا ہے۔ کلام ایسا ہے جو نہ تو شر ہے اور نہ کاہنوں کا کلام۔ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان باتوں سے تشفی نہ ہوئی۔ چنانچہ خود مدینہ جا کر تیاری کر لی۔

مبارک سفر: آپ نے تیاری کی۔ سامان سفر لیا اور سیدھے مکہ تشریف لائے۔ مسجد حرام میں تشریف لے گئے۔ اجنبی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتے نہیں تھے۔ کسی سے پوچھنا بھی مناسب نہ سمجھا شام تک مسجد میں رہے۔ شام کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دیسی سمجھ کر ان کو اپنے گھر لے آئے۔ مین یہ نہ پوچھا کہ کیوں آئے۔ آپ نے بھی کچھ ظاہر نہ کیا اور صبح پھر مسجد آگئے دن بھر اسی حال میں گزر گیا۔ خود رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہر نہ چلا اور کسی سے دریافت نہ کیا۔ دوسرے دن شام کو بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دیسی سمجھ کر پر دیسی مسازرہ کے لیے آیا ہے۔ جو پوری نہیں ہوئی۔ پھر شام کو گھر لے گئے۔ کھانا کھلایا۔ بستر دیا۔ لیکن پھر بھی نہ پوچھا کہ آپ کس عرض سے آئے ہیں۔ اگلے دن پھر مسجد میں گورا اور شام کو وہی پرانی صورت پیش آئی۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تم کس کام آئے ہو۔ اس پر پہلے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قسم لی اور عہد لیا کہ صبح بتائیں گے۔ اس کے بعد اپنا مدعا عرض کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑا یا بے شک وہ اللہ کے رسول ہیں۔ صبح کو جب میں جاؤں تو تم میرے ساتھ چلنا۔ میں وہاں تک پہنچا دوں گا۔ البتہ مخالفت کا زور ہے۔ راستے میں اگر مجھے کوئی ایسا شخص ملا جس سے میرے ساتھ چلنے کی وجہ سے تم کو اندیشہ ہو۔ تو میں پیشاب کرنے لگوں گا یا اچا جو تا درست کرنے لگوں گا۔ اس لئے تم سیدھے چلتے رہنا۔ رُکنا نہیں تاکہ یہ معلوم نہ ہو کہ آپ میرے ساتھ ہیں۔ چنانچہ آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اگلی صبح

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بات چیت ہوئی۔ تسکینِ قلبی نصیب ہوئی۔ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تکالیف کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ اپنے اسلام کا اظہار نہ کرنا چکے سے اپنی قوم میں چلے جاؤ۔ جب ہمارا غلبہ ہو جائے اُس وقت آجانا آپ نے عرض کی یا رسول اللہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کلمہ توحید کو ان بے ایمان لوگوں کے بیچ میں باواز بلند پڑھوں گا چنانچہ اسی وقت مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور بلند آواز سے اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا رسول اللہ چلا کر پڑھا تھا۔ کہ چاروں طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے۔ اس قدر مارا اور زخمی کیا کہ مرنے کے قریب ہو گئے۔ حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کو بچانے کے لئے پٹ گئے اور لوگوں سے کہا گیا ظلم کرتے ہو۔ یہ شخص قبیلہ غفار سے ہے یہ قبیلہ ملک شام کے راستے پر پڑتا ہے۔ تمہاری تجارت وغیرہ سب ملک شام کے ساتھ ہے اگر یہ مر گیا تو شام کا آنا جانا بند ہو جائے گا۔ لوگوں کو خیال آیا کہ واقعی ہماری ساری ضرورتیں شام سے پوری ہوتی ہیں راستہ بند ہو گیا تو مصیبت بن جائے گی۔ لہذا ان کو بھوڑ دیا دوسرے دن پھر اسی طرح مسجد میں جا کر بلند آواز سے کلمہ پڑھا۔ لوگ پھر ٹوٹ پڑے۔ لیکن حضرت عباسؓ کے کہنے پر ٹل گئے۔ اسلامی دلولہ اور جوش اس قدر تھا کہ باوجود حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ابھی اسلام کو چھپاؤ۔ ضبط نہ کر سکتے۔ جب یہ دینِ حق ہے تو پھر کسی کا کیا ڈر ہے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حکم شفقت کی وجہ سے تھا کہ ممکن ہے تکالیف برداشت کرنے کے متحمل نہ ہو سکیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بے پناہ تکالیف اٹھا رہے تھے لہذا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سہولت کی بجائے اتباعِ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کیا۔ یہی ایک جذبہ تھا۔ جس سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر شکل کو عبور کو گئے۔ جو کلمہ شہادت پڑ لیتا۔ پھر بڑی سے بڑی قوت اُس کو روک نہیں سکتی تھی۔ دین کی اشاعت سے ہٹا نہیں سکتی تھی۔

آپ اتہانی زہد و تقویٰ کے مالک تھے مال نہ خود جمع کرتے تھے اور نہ دوسروں کے

پس مع دیکھنا پسند کرتے تھے۔ ایک جنگل میں رہتے تھے۔ چند اونٹ ملکیت تھے۔ ایک غلام
ان کی دیکھ بھال کرتا ان کی آمدنی سے گزارا کرتے تھے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ،

اسلام لانے سے پہلے آپ بڑے ناز و نعمت میں پلے تھے امیر گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ باپ دو دو سو درہم کا جوڑا خرید کر پہناتے تھے۔ ظہور اسلام کے وقت نومر تھے اسلام کے آغاز میں ہی گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہو گئے۔ کسی نے ان کے گھر والوں کو خبر کر دی گھر والوں نے آپ کو باندھ کر قید کر دیا کچھ روز اسی حالت میں گزارے۔ جب موقع ملا تو چھپ کر گھر سے بھاگ گئے اور ان حضرات سے باہلے جو حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے آپ بھی ان کے ساتھ ہجرت کر گئے۔ وہاں سے واپسی پر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور زہد و فقر کی زندگی بسر کرنے لگے۔ آپ پر مالی اعتبار سے انتہائی تنگی کا وقت تھا ایک مرتبہ حضور رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے آپ سامنے سے گزرے۔ بدن مبارک پر صرف ایک چادر تھی جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ ایک جگہ کپڑے کی بجائے چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی موجودہ غریبانہ اور پتلی حالت دیکھ کر ابدیدہ ہو گئے۔

غزوہ اُحد میں مہاجرین کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ جب مسلمان نہایت پریشانی کے عالم میں منتشر ہو رہے تھے تو آپ بڑے اطمینان سے بگے کھڑے تھے ایک کافر آپ کے قریب آیا اور تلوار سے ہاتھ کاٹ دیا کہ جھنڈا گر جائے۔ اس طرح مسلمانوں کو کھلی شکست ہو جائے۔ انہوں نے فوراً دوسرے ہاتھ میں جھنڈا لے لیا۔ اُس نے دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا آپ نے دونوں بازوؤں کو جوڑ کر سینے سے جھنڈے کو چپٹا لیا اور دانتوں سے مضبوطی سے تھام لیا تاکہ گرنے نہ پائے اس کے بعد اس کافر نے تیر مارا۔ جس سے آپ شہید ہو گئے۔ مگر زندگی میں جھنڈے کو گرنے نہ دیا۔ اس کے بعد جھنڈا

گرا۔ جس کو فوراً دوسرے شخص نے اٹھایا۔

ایمان جب کسی کے دل میں گھر کرتا ہے تو وہ دنیاوی عیش و عشرت اور رشتوں
ناطوں سے منہ موڑ لیتا ہے۔ بچپن کی زندگی، ناز و نعمت، قیمتی کپڑوں کے جوڑے سب کچھ
ترک کر دیا۔ زہد و فقر کی زندگی بسر کی۔ یہ قربانی کیا کم تھی۔ دیکھیں آخر وقت اللہ تعالیٰ نے
کس سمت امتحان میں ڈالا۔ ہاتھ تو بڑی بات ہے۔ انگلی کٹ جائے تو درد انسان کو بے قرار
اور بے بس کر دیتی ہے۔ یہاں تک ایک نہیں دونوں ہاتھ کٹ چکے ہیں۔ ہاتھوں کی کس کو
پردہ ہے۔ عشق تو یہ ہے کہ دین اسلام کا جھنڈا سرنگوں نہ ہو۔ دونوں ہاتھ کٹنے کے بعد
درد و کرب کا اندازہ کرنا کس کے بس کی بات ہے۔ جھنڈا پھر بھی سینے سے چٹایا ہوا ہے۔
دانتوں سے پکڑا ہوا ہے۔ آخری سانس تک یہ گوارا نہ ہوا کہ جھنڈا اچھوڑ دوں۔ پٹی کروا
لوں خون بہنا بند کروالوں شاید زندگی بچ جائے۔ جھنڈا کوئی اور اٹھائے۔ یہ سوچ ہم بنا پار
کو ہو سکتی ہے۔ عشق کا انداز اور ہے۔ عاشق تو اس بات کا متمنی ہے کہ اُس کی راہ میں
ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے بدن چھلنی ہو جائے۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھجے کے
ساتھ جھکڑے ہوئے برہمیوں کی یورش پر منہ سے اُن نہیں کہتے۔ حضرت حرام بن معونہ سے
اپنے ساتھیوں کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے اتفاق نہیں کرتا کہ میرا تو شہادت
چھوڑ جانے کو دل نہیں چاہتا۔ یہی معاملہ یہاں ہے۔ حضرت مصعب بن عمیر تو دین الہی کی سرطانی
اور شہادت کے متوالے ہیں۔ دونوں طرف عظیم کامیابیاں سامنے ہیں جو مل جائے وہی قیمت
ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عشق تمام مصطفیٰ، عقل تمام بولہب گاہ بھیلہ می بُرد۔ گاہ بزور می کشد

حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۷ھ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کے ارادے سے روانہ ہوئے
کفار کو نے راستہ روک لیا۔ باوجود موافق حالات کے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے لڑائی سے گریز کیا۔ کفار کی تمام شرائط قبول کر لیں۔ چنانچہ صلح نامہ حدیبیہ مرتب ہوا۔ صلح نامہ ابھی لکھا جا رہا تھا کہ حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ مسلمان ہونے کی پاداش میں صلح نامہ کی تکلیفیں برداشت کر رہا تھا۔ کسی طرح بیڑیاں پہنے گرتے پڑتے حدیبیہ میں پہنچ گئے اور حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آگئے۔ آپ کا باپ سہیل صلح نامہ میں کفار کی طرف سے وکیل تھا۔ بیٹے کے منہ پر طمانچہ مارا اور واپسی کا مطالبہ کیا۔ صلح نامہ کی شرائط میں ایک شرط یہ تھی۔

”کافروں میں جو شخص اسلام لائے اور ہجرت کرے مسلمان اس کو واپس کر دیں گے اور مسلمانوں میں سے خدا نخواستہ اگر کوئی شخص مرتد ہو کر کہ واپس چلا آئے تو اسے واپس نہ کیا جائیگا۔“ سہیل کا حال سن کر حضور رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابھی معاہدہ مرتب نہیں ہوا پھر پابندی کس بات کی مگر انہوں نے اصرار کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے ایک آدمی مانگا ہی دے دو۔ لیکن وہ نہ مانے۔ سہیل نے کہا اگر ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں سے پکار کر فریاد کی میں ستم رسیدہ ہوں۔ مصیبتیں اٹھا کر، یا ہوں یا بھی واپس کیا جا رہا ہوں۔ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واپسی کا حکم فرمایا یہ حکم ربی تھا۔ وعدے کی پابندی تھی۔ حالات کا تقاضا یا وقت کی نزاکت ہم کچھ مان لیں۔ لیکن امتحان اور ابتلا کی دنیا میں یہ بڑا ہی مشکل اور صبر آزما وقت تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دلوں پر کیا گزر رہی تھی۔ اس کا حال اللہ ہی کو معلوم تھا۔ حضور نے تسلی فرمائی، صبر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا عنقریب حق تعالیٰ شانہ تمہارے لئے سبیل نکالے گا۔

وہ دین جس کی خاطر مشکلات اٹھائیں ہیں۔ رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں۔ یہاں یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میں ایسے دین سے باز آیا۔ مجھے وہی آباؤ دین اچھا جس کی پیروی میں مجھے کوئی پوچھتا نہیں۔ مسلمانوں کی زندگی میں ایسے نازک مراحل میں شیطانی دوسو بڑا کارگر ہوتا ہے۔ اس سے بچنا کوئی مشکل بھی نہیں اور یہ بڑا مجال ہے۔ میں نے دونوں باتیں کہہ دیں۔ مشکل نہیں اور مشکل ہے بھی۔ جس پر اللہ تعالیٰ کرم کرے۔ شیطانی دوسووں کے مقابلے کی تاب دے سکتا ہے۔ طلب میں صدق ضروری ہے اگر صدق ہو تو کوئی مجال نہیں۔ جب

جنت کی خوشبو اُحد پہاڑ اور خود اُحد کی پہلی طرف سے آرہی ہے۔ وہاں پہنچنا ہے جو اُس
 کا مشاق ہو۔ اُسے موت و حیات کی کیا پرواہ۔ مصائب کس خاطر میں لیکن ہم جیسے کمزور
 اور وقتی منفعت کے طلب آہن آساں، مصائب سے کترانے والے سب شیطان کے
 اُگے ایسے ہی ہیں۔ جیسے فاخرتہ کے پر باندھے ہوں۔ مانگیں اور سنجے ریشمی دھاگے میں الجھا کر
 اور گے میں نائیلون کی رسی ڈال کر باندھ دیا جائے۔ اب باز کو بھاگ دوڑ کی ضرورت ہی نہیں
 فاخرتہ کے مذکورہ انداز سے مطلب یہ ہے کہ عمل سے ہم سب غاری ہیں۔ کام نہ ہو۔ عیش و عشرت
 کے سامان سب موجود ہوں کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ اور بس ریشم میں تنجے الجھنے سے مراد یہ
 ہے کہ ہم دنیا داری، مال و دولت، جاہ و جلال اور خویش و آقا رب کے دھندے میں ایسے
 گم ہیں کہ یہ ہیں چھوڑتے ہی نہیں ایک پٹا تو دوسرا اور دوسرا پٹا تو تیسرا۔ علیٰ ہذا القیاس
 گردش جاری رہتی ہے۔ گگے میں رسی سے مراد یہ ہے کہ ہماری سوچ کا محور صرف اور صرف
 دنیوی زندگی تک محدود رہ گیا ہے۔ مادیت ہم پر غالب آگئی ہے۔ گردش روز و شب میں
 ہم اس قدر کھوئے ہوئے کہ مستقبل کی خبر ہی نہیں۔ منصوبہ جات اور نفسانی اُمنگوں کی فہرست
 اتنی طویل ہے کہ پوری دنیا سمٹ اُسے شکم سیر نہیں ہوتا۔ مسائل بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ طاقت
 کی خبر نہیں۔ مذہب کو مذہبی رہنماؤں کے وعظ تک محدود رکھتے ہیں۔ عام طور پر یہ ناشرطاً ہے
 کہ عمل کسی اور کا کام ہے۔ جانتے بھی ہیں سو دیکھتے بھی اور سنتے بھی لیکن پھر بھی جام پر جام اور
 خم پر خم لندھاٹے جا رہے ہیں۔ لہذا شیطان کو بھاگ دوڑ کی ضرورت ہی نہیں ہم تو رہتے ہی اُس
 کے دام میں ہیں کوشش اور ٹمک و دو تو اس کے لئے ہو جو جال سے اگاہ ہو اُس سے بھاگے
 یا اُس سے نکل بھاگنے کی کوشش کرے۔ اللہ ہر مسلمان کو اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے
 (آمین)

حضرت خلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

اُوْرُوْ فِي سَبِيْلِیْ "وہ ایذا دیئے گئے میری راہ میں" اس سلسلے میں حضرت خلیب رضی

بن عدی اور زید بن الدثنہ کا قصہ بڑا ایمان افروز ہے یہ ۶۲۵ء کا واقعہ ہے۔ آپ کو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ جن کی تعداد کل چھ تھی۔ چند نو مسلم عربوں کی خواہش کے مطابق تبلیغ دین کے لئے بھیجا گیا تھا۔ یہ کفار کی ایک چال تھی۔ چنانچہ رجیع کے مقام پر مدعو کرنے والے قبیلہ کے توجگ جو آدمیوں نے ان کو اچانک گھیرے میں لے لیا۔ ان صحابہ نے مقابلہ کے لئے تلواریں نکال لیں۔ مگر انہیں وار کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ ان میں سے تین شہید ہو گئے اور تین زخمی ہوئے۔ اسیران کو مکہ لایا جا رہا تھا ایک صحابی راستے میں بندھے ہوئے ہاتھ پھڑانے میں کامیاب ہو گئے اور دشمن پر حملہ کر دیا لیکن وہ خود شہید ہو گئے۔ بالآخر مذکورہ دونوں صحابی مکہ پہنچے۔ گرفتار کرنے والوں نے مکہ میں لاکر کفار کے ہاتھ فروخت کر دیا کفار بھرار تھے کہ ان کو مار کر اپنے گھوڑے ہوئے رشتہ داروں کا بدلہ لیں۔ چنانچہ دونوں قیدیوں کو مکہ کے شمال مغرب میں میدان میں لایا گیا۔ لکڑی کے دو کھمبے گاڑ کر قیدیوں کو ان کے ساتھ باندھنے کے لیے لایا گیا۔ انہوں نے آخری نماز ادا کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ درخواست قبول کر لی گئی۔ چنانچہ جب یہ نماز ادا کر چکے تو کھمبوں کے ساتھ جکڑ دیا گیا۔

اب ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو موت اور زندگی کا اختیار دیا گیا۔ جسے چاہو اختیار کرو۔ قریش کے عقیدہ شرک کی طرف لوٹ آئی تو جان بچ سکتی ہے۔ بصورت دیگر موت ہے۔ چنانچہ ان حضرات نے حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ کے اس قول مبارک کو اختیار کیا۔ حضور پاک کا ارشاد ہے "مسلمانو! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک میں اُسے اُس کے مال، اولاد اور جان سے پیارا نہ ہوں"

ابوسفیان نے دونوں قیدیوں کے پاس جا کر باری باری کہا کیا تم نہیں چاہتے کہ تم اپنے اپنے گھر وں میں بحفاظت ہوتے اور تمہاری جگہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہاں ہوتے۔ ان دونوں نے جواب دیا ہماری ایک جان تو کیا ہزار جانیں ہوں سب حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے قربان کر دیں گے۔ لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایک کاٹا بھی چھبے یہ گوارا نہیں۔ ابوسفیان غیظ و غضب کے عالم میں واپس آ گیا۔ اور اس

نے اپنے ساتھیوں سے کہا میں نے اپنے لوگوں میں اپنے مردوں سے اس قدر محبت کرتے کسی کو نہیں دیکھا۔ جس قدر عمر کے آدمی گڑھے کرتے ہیں۔

چنانچہ پہلے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا گیا۔ ان کی موت فوری اور بے مریہ تکلیف کے واقع ہوئی ایک غلام نے اُسے بڑھ کر برہمی کا ایسا وار کیا کہ وہ اُن کے سینے کے پار ہو گیا اور یہ اصل بخت ہونے اس کے بعد غیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باری آئی آپ کے قتل کو تا شا بنایا جا رہا تھا ہل کر یہ تماشا دیکھنے آئے تھے۔ حکم ملنے پر ۴۰ مسلح لڑکوں نے اس گھجے پر یورش کی۔ انہوں نے غیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم مبارک کو برہمیوں سے پھینکا شروع کیا۔ بعض اوقات لڑکتے میچے ہٹتے اور پھر رہیاں اٹھا کر ہل بول دیتے گریا آپ کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ لیکن پاس پہنچ کر اپنے اپنے وار روک لیتے۔ معمولی چیرے اور زخم دیتے۔ جو ہلک نہ ہوتے۔ کسی کا زخم زیادہ گہرا ہوتا اور کسی کا کم۔ حضرت غیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم مبارک سینکڑوں زخموں کی وجہ سے خون میں لت پت ہو گیا۔ کرب و بلا کا اندازہ کون کر سکتا ہے کہ کیا گزر رہی تھی۔ لیکن پروردانہ غیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن تک نہ کی۔ تماشائی نگارے سے پھر تک اُٹھے یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا۔ پھر ایک آدمی برہمی لے کر غیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اُس نے لڑکوں کو روک لیا۔ شاید اُن کا انتقالی جذبہ اب ملن ہو چکا تھا وہ اپنا بدلہ لے چکے تھے۔ ناظرین جی بھر کر تماشا دیکھ چکے تھے۔ اس آدمی نے برہمی ماری اور اُسے حضرت غیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کے پار کر دیا۔ ان دونوں لاشوں کو لگنے ٹرنے کے لئے اُسی مقام پر رہنے دیا گیا یہ کھیل ابو جہل کے بیٹے عکر نے کروایا تھا۔ اس موقع پر یہ شہدا اگر جان بچانے کے لیے کہہ دیتے کہ ابائی دین پر لوٹ آتے ہیں۔ تو جان بچ سکتی تھی۔ چھپ کر اور بھاگ کر واپس جا سکتے تھے۔ شریعت اس کی اجازت دیتی ہے لیکن کلمہ حق کی سر بلندی اور حسب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہی تقاضا تھا کہ اعدا دین اسلام کو یہ بتایا جائے کہ جن کے دل نور ایمان کی صلاوت سے آشنا ہوتے ہیں۔ ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آتی۔ ظلم و ستم ڈھانے اور نہ ڈھانے برابر ہیں۔ موت ان کی نظر میں موت نہیں بلکہ۔

۸ فقط عالم معنی کا سفر ہے

جو ابداً آباد کی نعمتوں اور نوازشوں سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ہستیوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کو اسلام کے لئے وقف کیا۔ اللہ کی راہ میں تکالیف برداشت کیں۔ آپ اعلان نبوت کے شروع میں ہی مسلمان ہو گئے۔ آپ اسلام قبول کرنے والے پہلے دس حضرات میں شمار ہوتے ہیں جنہیں طویل عرصہ تک تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ ایک عورت کے غلام تھے۔ آپ کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا جاتا۔ جس میں گرمی اور تپش کی وجہ سے پسینوں پر پسینے بستے رہتے۔ گرمی اور پسینے کی وجہ سے گوشت گل کر بالخصوص کمر سے گر گیا تھا۔ عورت جو کہ مالکہ تھی اُسے خبر ملی کہ آپ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ملتے ہیں تو وہ گرم لوہے سے آپ کے سر کو داغ دیتی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ آپ سے ان کی تکالیف کی تفصیل دریافت فرمائی۔ جو ان کو اسلام لانے کے بعد پہنچائی گئی تھیں۔ انہوں نے عرض کیا۔ میری کمر دیکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمر دیکھ کر فرمایا۔ ایسی کمر تو کسی کی دیکھی ہی نہیں۔ پھر اسلام کے دیوانے نے عرض کی۔ مجھے آگ کے انگاروں پر ڈال کر گھسیٹا گیا۔ میری کمر کی چربی اور خون سے وہ آگ بجھی۔

ان حالات کے باوجود آپ کے پائے ثبات میں فرق نہ آیا۔ آپ کا دصال ۳ سال کی عمر میں ہوا۔ کوفے میں سب سے پہلے دفن ہونے والے صحابی آپ ہیں۔

حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انکی والدہ کا قصہ

آپ مکہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کو اور آپ کے والدین کو اسلام لانے کے بعد سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ سخت گرم اور ریتیلی زمین پر امن کو عذاب دیا جاتا۔ رحمتِ دو عالم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جب کبھی اس طرف گزر ہوتا تو صبر کی تلقین فرماتے۔ جنت کی بشارت دیتے آپ کے والد حضرت یاسر اسی طرح تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے مالک حقیقی سے جا ملے۔ کفار نے ایک دن بھی عین دینے دید والد ماجدہ کو ابو جہل ملعون نے برچھا مار کر شہید کر دیا۔ لیکن وہ اسلام سے نہ ہٹیں۔ اسلام میں سب سے پہلی شہادت انہی کی ہے۔

حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک اور شرف حاصل ہے۔ اسلام میں سب سے پہلی مسجد بھی آپ کی بنائی ہوئی ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف فرما ہوئے تو حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک مکان بنانا چاہا۔ جس میں آپ تشریف فرما ہو کریں۔ دو پہر کو آرام فرمایا کریں اور سایہ میں نماز ادا کر سکیں۔ تو قبائلیں حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے پتھر جمع کئے اور مسجد بنائی جو آج کل مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔ جہاد میں بڑے جوش و خروش سے حصہ لیتے تھے ایک لڑائی میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ آپ کی عمر ۹۴ سال کے لگ بھگ تھی۔

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکٹھے ایک ہی دن اسلام لائے۔ اتفاق سے در اقدس پر طاقات ہو گئی۔ ایک دوسرے سے مدعا دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں کا مدعا ایک ہی ہے۔ دونوں اسلام لانے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں۔ بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ ظلم و جبر اور بادموم نے آپ کو ستایا، تکلیفیں دی گئیں۔ ظلم و ستم سے تنگ آ کر آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا۔ کافروں کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ یہ مظلوم کسی دوسری جگہ آرام کی زندگی بسر کریں۔ آپ نے جب ہجرت کی تو باقی مسلمانوں کی طرح آپ کا پیچھا کیا گیا۔ ایک جماعت آپ کو پھرنے کے لیے گئی۔ جب جماعت نے انہیں جالیا۔ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ترکش سنبھالا جس میں تیر تھے اور کفار کو کہا کہ تمہیں معلوم ہے میں تم سب سے بہتر تیر انداز ہوں۔ جب تک ایک بھی تیر میرے پاس رہے گا۔ تم مجھ تک نہ پہنچ

سکو گے۔ تیر ختم ہونے کے بعد میں تلوار سے لڑوں گا اور جب تک تلوار میرے ہاتھ میں ہے تم نزدیک نہیں آ سکتے۔ ہاں جب تلوار میرے ہاتھ میں نہ رہے۔ اس کے بعد جو تم سے ہو سکے کرنا۔ ہاں ایک اور بات ہے اگر تم چاہو تو میں اپنی جان کے بدلے اپنے مال کا پتہ بتا دیتا ہوں جو مکہ میں ہے۔ اور ساتھ دو بانڈیاں بھی ہیں۔ وہ سب تم لے لو۔ اس پردہ راضی ہو گئے۔ آپ نے اپنا مال دے کر جان بچالی۔

یہ کتنی بڑی قربانی ہے۔ ہجرت کی ہے۔ مال دے دیا بانڈیاں دے دیں۔ دین کی خاطر سب کچھ ٹٹا دیا۔ یہ نہ سوچا کہ زندگی کیسے گزرے گی۔ فلاح ہونے کے بعد یہ مال دوبارہ اکٹھا ہو سکے گا یا نہ۔ اللہ اور اللہ کے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت نے دنیاوی دولت کی وقعت ختم کر دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ بِتِغَاةٍ مُّرضَاتِ اللّٰهِ. وَاللّٰهُ رُوّفٌ مّبِیْرٌ بِالْعِبَادِ
ترجمہ:۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی رضا کے واسطے اپنی جان کو بیچ لیتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت مکہ کے بعد قبا میں تشریف فرما تھے۔ آپ بھی وہاں پہنچ گئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دیکھ کر سکر پڑے اور فرمایا۔ نفع کی تجارت کی ہے۔ آپ اللہ کی راہ میں بڑی فراخ دلی سے خرچ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم فضول خرچی کرتے ہو۔ عرض کی ناحق خرچ نہیں کرتا۔

بئیر معونہ کی لڑائی

بئیر معونہ ایک مشہور لڑائی ہے۔ اس میں ۷۰ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک پوری جماعت کی جماعت شہید ہوئی۔ جن کو قرآن کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ سب حضرات قرآن پاک کے حافظ تھے ان میں چند مہاجرین تھے اور باقی سب انصار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کو ان سے بہت محبت تھی۔ کیونکہ یہ رات کا اکثر حصہ ذکر و تلاوت میں گزارتے تھے اور دن کو حضور رحمت و دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کی گھروں کی ضروریات لکڑی پانی وغیرہ پہنچایا کرتے تھے۔ اس مقبول جماعت بارگاہ رسالت مآب کو نجد کا رہنے والا ایک شخص جس کا نام عامر بن مالک اور کنیت ابو براء تھی۔ اپنی پناہ میں تبلیغ اور وعظ کے نام سے لے گیا۔ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے صحابہ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اس شخص نے پورا پورا اطمینان دلایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے ہمراہ بھیج دیا اور ایک خط عامر بن طفیل کے نام جو بنی عامرہ کا رئیس تھا، تحریر فرمایا جس میں اسلام کی دعوت تھی۔ یہ حضرات مدینہ سے روانہ ہو کر بیئر معونہ پہنچے تو ٹھہر گئے اور دو ساتھی ایک حضرت عامر بن امیہ اور دوسرے حضرت منذر بن عمر بن سب کے ادبوں کو لے کر چرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت حرامؓؓؓ اور ساتھی لے کر عامر بن طفیل کے پاس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک نام لینے کے لئے تشریف لے گئے۔ منزل کے قریب پہنچ کر حضرت حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا آپ یہیں ٹھہریں۔ میں حاضر ہوتا ہوں۔ اگر میرے ساتھ کوئی دغا بازی نہ کی گئی تو تم بھی چلے آنا۔ ورنہ یہیں سے واپس چلے جانا۔ تین کے مارے جانے سے ایک کا مارا جانا بہتر ہے۔ عامر بن طفیل، اس عامر بن مالک کا بھتیجا تھا جو مسلمانوں کو اپنے ساتھ لایا تھا۔ عامر بن طفیل کو مسلمانوں سے سخت عداوت تھی۔ حضرت حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نام مبارک دیا۔ عامر پر شیطان اس قدر غالب ہوا۔ اس کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے غصہ پڑھا بھی نہیں اور حضرت حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک ایسا تیر مارا جو پار نکل گیا۔ اس نے نہ چچا کی پرواہ کی اور نہ سفارتی آداب کو خاطر میں لایا۔ اس کے بعد اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور کہا کہ ان مسلمانوں میں سے کسی کو مت چھوڑو۔ لوگ ابو براء کی پناہ کی وجہ سے متردد تھے۔ یہ دیکھ کر اس نے اس پاس سے لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت جمع کی اور ان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مقابلہ کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم چاروں طرف سے گھیرے میں آگئے۔ کہاں تک مقابلہ کرتے۔ بہر حال مقابلہ کرتے کرتے سب شہید ہو گئے۔ کعب بن زید میں ابھی زندگی باقی تھی لیکن کفار

مردہ بچھڑ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اڈنٹ چرانے گئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ مردار خور جانور اڑ رہے ہیں۔ دونوں حضرات یہ سوچ کر لوٹے کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ اگر دیکھا تو تمام ساتھی باہم شہادت نوش فرما چکے تھے۔ سوار خون آلودہ تلواریں لیے ان کے گرد چکر لگا رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر پہلے دونوں صحابہ رُک گئے باہم مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔

عمر بن امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ دیا کہ چلو واپس چل کر حضور کو اطلاع دیں۔ مگر حضرت منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ خبر تو ہو چکی جائے گی۔ میرا دل تو نہیں مانتا کہ شہادت چھوڑ کر یہاں سے چلا جاؤں۔ ہمارے دوست یہاں پڑے ہیں۔ ہمیں بھی ان سے مل جانا چاہیے چنانچہ دونوں میدان میں گھس گئے۔ حضرت منذر شہید ہو گئے اور حضرت عمر بن امیر گرفتار ہوئے۔ عامر بن طفیل کی ماں کے ذمے کسی منت کے سلسلے میں ایک غلام آزاد کرنا باقی تھا۔ لہذا حضرت عمر بن امیر کو عامر کی ماں نے آزاد کرادیا۔

ان حضرات میں جو شہید ہوئے حضرت میدنا نعلش آسمان کی طرف چلی گئی :- ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام عامر بن

فہیرہ بھی تھے۔ ان کے قاتل جبار بن سلمیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب ان کو برچھا مارا اور وہ شہید ہوئے تو انہوں نے کہا "فَرَّتْ وَاللَّهِ" - خدا کی قسم میں کامیاب ہوا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی نعلش آسمان کو اڑی چلی۔ میں بہت حیران ہوا۔ جبار بن سلمیٰ نے بعد میں لوگوں سے پوچھا کہ میں نے خود برچھا مارا اور وہ مرے لیکن پھر بھی وہ کہتے ہیں کہ میں کامیاب ہو گیا۔ وہ کامیابی کیا تھی۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ کامیابی جنت کی تھی۔ اس پر یہ مسلمان ہو گیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اسلام بجا طور پر فخر کرتا ہے۔ اور یہی وہ بہتیاں ہیں جو قوموں کی تقدیر بدلتے ہیں۔ اسلام کی گود میں ایسے فرزندوں کی کبھی بھی کمی نہیں ہوتی اور نہ ہے۔ صرف ہم مادیت کی زد میں اگر نیرو کی رو میں بہہ رہے ہیں۔ جس نے تو نہالان اسلام کے اصلی

جو ہر پردہ ہول ڈال دی ہے۔ اگر ہم اسے صاف کریں۔ اپنے آپ کو اسلام کے آئینے میں

دیکھیں تو واپس اپنی جگہ پر آ سکتے ہیں۔ مادی محرومی کے احساسِ کمتری کو دور کیا جاسکتا ہے
ایک خرابی کی درستی کئی برائیوں کا خود بخود درماں ہو جاتی ہے۔

اسلام میں دفاع کی اہمیت

اسلام میں مدافعت جگ کی اجازت ہے، جارحانہ اور فارت گری کی نہیں۔ آزادی کا تحفظ کفر و شرک کا خاتمہ، دین کی اشاعت، مظلوموں کی مدد اور بنی نوع انسان کو امن و سکون کا ماحول فراہم کرنا اس کا حتمی مقصد ہے۔ اپنی آزادی اور تحفظ کا جذبہ صرف انسان و حیوان تک ہی محدود نہیں بلکہ نباتات اور دیگر اشیائے عالم میں بھی پایا جاتا ہے۔ وہ نرم و نازک ریشہ جو کسی درخت کے بیج سے نوپاتا ہے۔ دانہ جو زمین میں بویا جاتا ہے۔ یہ چٹان اور نرم زمین کو پھاڑتے ہوئے باہر نکل آتے ہیں۔ کمزور مخلوق مرغی اور دوسرے پرندے اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت کے لئے چیل بلکہ شاہین تک سے ٹکرا جاتے ہیں۔ آزادی کی حفاظت ایک فطری عمل ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جہاد کے متعلق ایک ارشاد نبوی ﷺ ارشاد پاک یہ ہے کہ جو کوئی جہاد کئے بغیر یا کم از کم اس کی تمانگے بغیر مر جائے تو اس کی موت مسلمان کی موت نہیں بلکہ ایک لحاظ سے منافق کی موت ہے۔

انما الاعمال بالنیات اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص جہاد کی آرزو نہیں رکھتا وہ ایک فرض سے غافل ہے یا اس سے پہلو تہی کرتا ہے۔ اسکی دوسری صورتیں ہیں اگر زندگی میں جہاد کا موقع آیا اور وہ اس میں حصہ لینے پر قادر ہونے کے باوجود اس میں شریک نہ ہوا تو فرض ترک کر دیا۔ فرائض کا چھوڑنا ایمان کو ناقص کر دیتا ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک اتنا پُر امن اور طویل دور نہیں گزرا جس سے ایک شخص یہ کہہ سکے کہ میری زندگی میں جہاد کا موقع ہی پیش نہیں آیا۔ لہذا بغیر شرعی عذر کے جہاد میں حصہ نہ لینا یا اس کی زندگی

بھرا آرزو نہ کرنا۔ دونوں قریب قریب برابر ہیں کہ اُسے اُس سے محبت نہیں۔ اگر محبت ہوتی تو کبھی اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی اگر خواہش پیدا ہوتی تو وہ اس میں شریک ہونے کی آرزو کرتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سلف صالحین کے ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ جس میں انہوں نے جہاد کی فیصلت اور اس کے ثواب کو سن کر حصہ لینے کی تمنا کی۔ شہادت کی آرزو کی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے شہادت نصیب ہونے کی دعا فرمانے کی درخواست کی۔ چنانچہ وہ شخص جو اس سب کے باوجود رغبت نہیں رکھتا معلوم ہوتا ہے کہ ایسا مسلمان اپنے اندر نور ایمان نہیں رکھتا اس کا دل ردگی ہے۔ اُسے اللہ اور اللہ کا رسول اور اُس کا دین پیارا نہیں۔ چنانچہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔

خدا کی قسم تم میں سے کوئی اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ مجھے اپنی جان و مال اور اولاد سے محبوب نہ رکھے۔

چنانچہ جو آپ کی محبت رکھتا ہو وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قدم مبارک کی پیروی کرتا ہے۔ اتباع کا اہتمام کرتا ہے۔ چہ جائیکہ ایک ایسا فریضہ چھوڑ دے جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری زندگی گزار دی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

جنگِ شاہاں جہاں غارتگری است جنگِ مومن سنتِ پیغمبری است
بسورتِ دیگر اگر بالغرض اس کی نیت ٹھیک ہے وہ آرزو رکھتا ہے۔ لیکن اُسے موقع میسر نہیں آیا۔ لیکن یہ صرف جہاد بالسیف کی بات ہے۔ جہاد بالنفس کا دروازہ تو شرعی بلوفت سے لے کر آخری سانس تک کھلا رہتا ہے۔ غلو من نیت والے کو جہاد کا ثواب ملے گا۔
حدیث پاک ہے۔

اللہ تمہاری صورتوں اور احوال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف نگاہ رکھتا ہے۔

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں امور جہانہانی کی

نشاندہی کی اور جہاد کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے۔ وہ ذلیل ہو جاتی ہے

صلح حدیبیہ کے موقع پر بعض قبائل جو مدینہ شریف کے آس پاس تھے

شرعی عذر :- وہ اس میں شریک نہ ہوئے ان کا یہ خیال تھا کہ مسلمان زندہ پک کر واپس

نہ آسکیں گے۔ اہل مکہ ان پر غالب آجائیں گے۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم کی تیاری سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ جنگ کا ارادہ نہیں۔ قربانی کے جانور ساتھ تھے

اس کے باوجود ان لوگوں کا نفاق انہیں اللہ کی راہ میں نکلنے سے مانع ہوا۔ انہوں نے اہل و

عیال کی خبر گیری اور دنیاوی مشغولیت کے عذر لگ کر بنائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب

کی اور حقیقت حال ظاہر کر کے ان کو دردناک عذاب سے ڈرایا تو اس پر اپنا بیچ اور صاحب

عذر لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے گزارش کی کہ ہمارے لیے کیا حکم ہے

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یَسْ عَلَى الدَّعْوَى حَرَجٌ وَ لَدَى عَلِيٍّ
الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَ عَلَى الْمَرْيُومِ حَرَجٌ

اندھے پر تنگی نہیں اور نہ لنگڑے پر مضائقہ

اور نہ بیمار پر مواخذہ۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے نابینا، اپاہج، لنگڑا جسم کا کمزور، بیمار، مفلس، نابالغ، ہاتھوں

کا ناکارہ بوڑھا اور جس کے پاس سامان جہاد نہ ہو۔ اُسے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ یہ ظاہری

عذر ہے اور یہ لوگ جہاد میں حصہ لینے کے قابل نہیں۔ اس لیے ان کے لیے جہاد میں نہ جانا

جاڑ ہے۔ یہ لوگ نہ دشمن پر حملہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اور نہ بھاگ دوڑ پر قادر ہیں اور

نہ ہی اپنے بچاؤ کا سامان کر سکتے ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی عذر ہیں مثلاً حد درجہ کی محتاجی جس کی وجہ سے وہ سفر اور سامان

جہاد حاصل کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ ایسے کام جو اس سے مانع ہوں مثلاً کسی مریض کی

دیکھ بھال جو کہ اس پر لازم ہو اور کوئی دوسرا آدمی اس کو انجام دینے والا نہ ہو۔

غزوہ بدر میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی

مثالیں :- اللہ تعالیٰ عنہ کو اس میں حصہ لینے سے روک دیا ان کی اہلیہ بنت رسول بیمار

تھیں۔ ان کی تیمارداری کے لئے آپ ان کو پیچھے چھوڑ گئے اور واپسی پر اصحاب بدر کا ثواب

تھیں۔ ان کی تیمارداری کے لئے آپ ان کو پیچھے چھوڑ گئے اور واپسی پر اصحاب بدر کا ثواب

تھیں۔ ان کی تیمارداری کے لئے آپ ان کو پیچھے چھوڑ گئے اور واپسی پر اصحاب بدر کا ثواب

عطا فرماتے ہوئے مالِ غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔

غزوہ تبوک میں جس کا ذکر اگلے باب میں آئے گا، بعض نادار مسلمان سامانِ سفر نہ ہونے کی وجہ سے اس میں حصہ نہ لے سکے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو معذور فرمایا اور مجاہدوں کے برابر ثواب کی خوشخبری دی۔

دنیا میں وہی قوم صاحبِ عزت
وطن کا دفاع ایک مقدس فریضہ ہے۔ اور باوقار کہلانے کی مستحق ہے۔
 جو آزادی کی نعمت سے کما حقہ بہرہ ور ہو۔ آزادی اللہ تعالیٰ کا عظیم تحفہ اور احسان ہے جو قوم
 اپنی آزادی کے تحفظ پر قادر نہ ہو اور جسے ہر لمحہ اپنی آزادی کے سلب ہو جانے کا اندیشہ ہو
 وہ قوم کبھی دنیا میں اپنا وقار بلند نہیں کر سکتی۔ ایسی قوم جلد یا بدیر ایسی عظیم نعمت سے محروم
 ہو جائیگی۔

تاریخ اسلام میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے اپنی شاندار اور حیرت انگیز فتوحات سے
 پوری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ مسلمانوں کو جن قوموں سے مقابلہ کرنا پڑا وہ دنیا کی بہترین فوجیں
 اور طاقتیں تھیں۔ اسلحہ اور تعداد کے اعتبار سے مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہوتے تھے مسلمانوں
 کے پاس گھوڑے، ہلازین، تلواریں بے نیام اور کندھوتی تھیں۔ خوراک جو کی روٹی وہ بھی کبھی
 میسر اور کبھی فاقہ کشی اس کے باوجود مسلمانوں نے کثرت کو شکست دی۔ ان کے گھوڑوں کے
 سموں نے دور دراز علاقے روند ڈالے۔ قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتوں کو ہلا دیا۔ ناقابل
 شکست قلعوں پر فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ ان کی کامیابیوں کی وجہ نہ صرف
 بہادری اور دلیری تھی بلکہ وہ حقیقت میں طرزی سائنس کے موجد تھے۔ انہوں نے ایسے
 جنگی انداز اختیار کئے جن کی پہلے کوئی مثال نہیں تھی۔ ان کو یہ معلوم تھا جس قوم نے فلاحی
 کی ذلت کو قبول کیا اس کو دور کرنے کے لیے جدوجہد نہ کی وہ ہرگز نجات نہ پا سکے گی۔ جس
 نے فتنہ و فساد کے خاتمے کے لیے تلوار نہ اٹھائی۔ مظلوموں کی مدد پر لیک نہ کہا وہ اللہ کے
 ہاں سرفرد نہیں ہو سکتی۔ زندہ قومیں اپنی آزادی کے تحفظ کے لیے جان دینا حیاتِ ابدی
 خیال کرتی ہیں۔ جب ان کا جذبہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو فتح و کامرانی ان کے قدم چومتی ہے۔

انسانی تاریخ کے آغاز ہی سے خاندانوں، قبائل اور اسلامی جہاد کے مقاصد :- اقوام میں جنگیں لڑی گئیں۔ اقتدار اور حکومت کی کشمکش میں انسانیت مصیبت کا شکار ہوتی رہی۔ گاؤں، شہر اور ملک تباہ ہوتے رہے۔ تہذیبیں اور قومیں مٹی رہیں۔ اقتدار ہوس ملک گیری، جاہ و چشم کی خواہش عموماً کسی ضابطہ اصول یا اخلاقی قدر کی پابندی نہیں کرتی وہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے جائز و ناجائز سب کچھ کر گزرتی ہے۔ جنگ کے بارے میں کئی نظریے کار فرما رہے ہیں۔ اسطونے قومی شہرت اور سرحدوں کی دست کیلئے جنگ کو جائز قرار دیا ہے۔ میکیا ولی کے سیاسی فلسفے نے یورپی طاقتوں کو استعماریت کے فروغ کی بنیاد فراہم کی تاکہ وہ دوسری قوموں کو مغلوب کر کے اپنی تجارت اور فلاح و بہبود کو فروغ دیں۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو امن کلا عویدار ہے اس میں دفاع کے اصول مقرر کئے گئے ہیں تاکہ جان و مال عزت و ناموس اور ملکی سرحدوں کو تحفظ حاصل ہو۔ اقوام عالم میں اخوت اور دوستی کے رشتے استوار ہوں۔ امن و امان کو استحکام حاصل ہو۔ برائی اور ظلم کا خاتمہ ہو۔ فتنہ و فساد ختم ہو جائے۔ اور یہ برائی کے خاتمہ تک جاری رہے۔ مختصراً مسلمانوں کو صرف ان صورتوں میں جنگ لڑنے کی اجازت ہے۔

۱:- ظلم کے خاتمے اور اپنی جان و مال کی حفاظت کے وقت۔

۲:- اسلامی طرز زندگی اور تحفظ اسلام کے لیے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بارہا سوال کیا گیا۔ کیا مادی فائدوں کے لئے جنگ لڑنا جائز ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہر موقع پر فرمایا۔ جنگ سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ چنانچہ مذکورہ بالا مقاصد کے لئے جو جنگ لڑی جائے۔ اسلام کی رُو سے اُسے جہاد کہتے ہیں۔

اسلام میں ان لوگوں کے خلاف نبرد آزما ہونے

مظلوموں کی مدد میں جہاد :- کی اجازت ہے جو اسلام کا انکار کریں دوسروں کو

اسلام لانے سے روکیں کمزور مسلمانوں پر ظلم کریں۔ مظلوم کو ظلم و ستم سے نجات دلانے اور دین پر عمل پیرا ہونے کے لئے جنگ کرتی مسلمان کا فرض ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَالْتَضَمْتُمْ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ
وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَعْلَمُونَ رَبَّنَا
أَخْرَجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ
أَهْلُهَا. وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا
وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا

اور تم کو کیا ہوا کہ اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے
اور ان کے واسطے جو مغلوب ہیں۔ مرد اور
عورتیں اور بچے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے
نکال ہم کو اس بستی سے یہاں کے لوگ ظالم ہیں
اور ہمارے لیے اپنے پاس سے حمایت بنا دے
اور ہمارے واسطے اپنے پاس سے مددگار بنا لے

ابتدائے اسلام میں جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو کچھ نو مسلم ایسے بھی تھے۔ جن کا ایمان
کمزور اور ناپختہ تھا کچھ منافق بھی تھے جو بظاہر اسلام لائے تھے۔ لیکن ان کے دل کفر و شرک
کے ساتھ تھے۔ منافق کا ترکا مہی یہ ہے کہ بس جان بچاؤ اور دنیاوی فائدے کے مطابق پہلو
بدلتے رہو۔ البتہ جہاد کے حکم سے کچھ مسلمان بھی متردد ہوئے جان کا خوف گھبراہٹ لانے والی
چیز ہے اور بالخصوص جب ایمان ناپختہ ہو۔ چنانچہ حکم ہوا کہ تمہارے پاس اس کا کوئی عذر
نہیں کہ جہاد کے لئے نہ نکلو۔

آیات بالا مکہ مکرمہ کے ان مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کے حق میں نازل ہوئیں
جن کو مشرکین مکہ نے اسلام لانے کی پاداش میں قید کر رکھا تھا۔ انہیں طرح طرح کی ایذائیں
دیتے تھے بے رحمانہ ظلم کرتے تھے وہ ان لوگوں کے ہاتھوں مجبور اور بے بس تھے اس لیے کسی
کی حالت میں وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے۔ اے اللہ ہماری مدد فرما۔ ہمیں ان ظالم لوگوں
سے اور ان کی بستی سے نجات دلا۔ اپنے پاس سے ہمارے حمایتی بھیج چنانچہ مسلمانوں کو
پکار کر کہا گیا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ مظلوموں کی مدد کے لیے کیوں نہیں نکلتے۔ اس میں کاہلی اور
بددلی والی کونسی بات ہے۔ صلح حدیبیہ کی وجہ سے لوگ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ نہیں آ
سکتے تھے۔ کیونکہ مسلمان ان کو اس معاہدہ کی رو سے واپس کرنے کے پابند تھے۔
چنانچہ ان مظلوموں کی دعا منظور ہوئی۔ فتح مکہ کے بعد جب مسلمانوں کا مکہ پر غلبہ ہوا تو
ان کو کفار سے نجات ملی مجاہدین اسلام نے مظلوموں کی مدد کے لیے اپنے وطن سے

دور دراز جا کر جنگیں لڑیں۔ حضرت طارق بن زیاد نے اہل ہند کو شاہ راڈرک کے ظلم و ستم سے نجات دلانے کے لیے ہسپانیہ کی مشہور جنگ لڑی۔ بارہ ہزار کی قلیل فوج نے ایک لاکھ کے بڑی دل کو تہ تیغ کیا اور وہاں اسلام کا پرچم لہرایا۔

حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو برصغیر ہند روانہ کیا۔ بحری ڈاکوؤں کا سکار منظر سے عورتیں اور بچے مدد کے لئے پکار رہے تھے۔ چھ ہزار کی مختصری جماعت کے ساتھ اپنے ملک سے سینکڑوں میل دور سندھ کے راجہ داسر پر حملہ آور ہوا اُسے شکست دے کر ان عورتوں اور بچوں کو آزاد کرایا۔ سندھ سے لے کر عمان تک کا علاقہ فتح کر کے یہاں دین اسلام کی بنیاد ڈالی اس طرح اللہ تعالیٰ فتنہ و فساد کے فاتے کے لئے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ ورنہ تمام مخلوق فتنہ و فساد کی پیٹ میں آجاتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِن
اللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ
(پ۲۔ البقرہ۔ ع آخری)

نفل فرمانے والا ہے۔

مسلمان اگر اسلام لانے کے بعد پُر خلوص
منافقوں اور عہد شکنوں سے جنگ نہ ہوں ضرورت کے وقت ساتھ نہ دیں

جہاد کے لیے نہ نکلیں یا دین کی خاطر ہجرت کرنے پر آمادہ نہ ہوں عہد کر کے انحراف کر جائیں
تو ان سے جنگ کرو اور ان کو قتل کرو کہ یہ باعث ضرر دین ہیں۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَنَجِدْهُمْ
وَأَقْتُلُوهُمْ
جِنْتٌ وَجِدْهُمْ
وَلَا تَتَّخِذُوا
مِنْهُمْ
وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا
پ۲۔ نساخ، سے کوئی دوست اور مددگار

ان سے مراد وہ مسلمان یا منافق ہیں جو ایمان سے منہ موڑ لیں دین کی خاطر وطن چھوڑنے
پر تیار نہ ہوں ایمان ان کے دلوں میں گھرنے کرے اور وہ اپنی پرانی جہالت کی حالت پر قائم

ہوں۔ ان کے لئے حکم ہے ان کو پکڑو اور قتل کرو۔ جہاں کہیں بھی ہوں ان کا خاتمہ کر دو اور ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ ان کو دوست نہ بناؤ۔ ان سے کوئی رابطہ نہ رکھو۔ کسی قسم کا کوئی علاقہ اور میل جول نہ رکھو۔

یہ مسلمان کے لئے باعث نقصان ہے۔ ہاں ایک صورت میں ان کا قتل جائز نہیں وہ یہ کہ ان لوگوں کا کسی ایسے قبیلہ یا گروہ سے میل ملاپ ہو۔ عہد و پیمان ہو جن کا مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ ہو ایسی صورت میں یہ لوگ بھی اس صلح کے عہد نامہ میں شامل تصور کئے جائیں گے۔

اس کی ایک مثال اسباب فتح مکہ میں ملتی ہے۔

قریش مکہ اور صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی :- قبائل کو آزادی تھی کہ وہ صلح حدیبیہ کے بعد عرب

فریق سے چاہیں معاہدہ کر لیں۔ لہذا بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف ہو گئے اور بنو بکر نے قریش سے معاہدہ کر لیا ان دونوں قبیلوں میں قدیم عداوت تھی۔ اس لئے بنو بکر نے اچانک بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش نے صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اعلیٰ بنو بکر کی حمایت کر دی۔ بنو خزاعہ نے کشت و خون میں ملک کے عام دستور کو بھی ملحوظ نہ رکھا۔ عین حرم کعبہ میں جہاں لڑائی ممنوع تھی۔ بنو خزاعہ کا خون بہایا اب خزاعہ نے دربار رسالت پناہ میں اپنی مظلومیت کی داستان سنائی۔ آپ نے قریش مکہ کے پاس قاصد بھیجا اور فرمایا کہ ان تینوں شرطوں میں سے کوئی ایک منظور کرو۔

۱:- مقتولوں کا خون بہا ادا کیا جائے۔

۲:- قریش بنو بکر کی حمایت سے کنارہ کش ہو جائیں۔

۳:- صلح حدیبیہ کو توڑ دیا جائے۔

قریش نے جوش میں آکر دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں تیسری شرط منظور ہے لہذا معاہدہ ٹوٹ گیا۔ قریش کی بار بار عہد شکنی اور مسلمانوں پر مظالم کی وجہ سے ان کا محاسبہ ضروری تھا۔ بنو خزاعہ کی لڑائی نے جواز مہیا کر دیا جس کے نتیجے میں آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ پر چڑھائی کی۔ مسلمانوں کو اللہ نے بغیر لڑائی کے فتح عطا فرمائی۔ قریش کی طاقت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ان مردوں، عورتوں اور بچوں کو جنہوں نے اہل مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر اللہ تعالیٰ سے مدد اور نصرت کی فریاد کی تھی۔ ان کو رہائی ملی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن سے مسلمانوں کا صلح کا معاہدہ ہوا ان کے حلیفوں سے جنگ کرنے سے معاہدہ ٹوٹ جاتا ہے۔ لہذا ان سے نہ لڑنے کا حکم ہے اگر ضرورت پڑے تو اس قسم کے عوامل کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ حالات اور پس منظر سے ان کو آگاہ کیا جائے۔

اسلام میں عفو و درگزر خوش اخلاق، خاطر مدارت کفار اور منافقوں پر سختی کرو۔ اور نرمی کی تعلیم پر بڑا زور ہے اور اس کے بعض اوقات بڑے خوش آئند نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ لیکن کفار اور منافقین کے معاملے میں جب جگ سے پالا پڑے تو حکم ہے کہ ان پر سختی کرو نرمی اور رواداری سے وہ اپنی ہٹ سے باز نہیں آئیں گے بلکہ شرارت کرنے میں اور دلیری سے کام لیں گے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کو سختی سے دبا دیا جائے۔

چنانچہ حکم ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ
وَاعْلِظْ عَلَيْهِمْ وَمَا أَوْلَيْكُمْ بِهِمْ جَهَنَّمَ طَرَفًا تَوْبَةً بَعْدَ عَذَابٍ
اس قسم کا حکم ایک جگہ کلام پاک میں ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ
وَاعْلِظْ عَلَيْهِمْ وَمَا أَوْلَيْكُمْ بِهِمْ جَهَنَّمَ طَرَفًا تَوْبَةً بَعْدَ عَذَابٍ
اس قسم کا حکم ایک جگہ کلام پاک میں ہے۔

وَإِنَّمَا تَخَافْنَ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةٍ فَا نَبِذُوا إِلَيْكُمْ عَلَىٰ سُوٓءِ عَرِضٍ
عہد شکنی کی سزا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُخَافِيْنَ (پ۔ الاتفال۔ ع۔ ۱)
اگر تمہجے کو کسی سے دغا کا ڈر ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو اس طرح کہ تم اور وہ برابر ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کو دغا باز پسند نہیں آتے۔

عہد و پیمان کی صورت میں اگر غداری کا کھلم کھلا ثبوت مل جائے تو ان کو اطلاع دی جائے کہ تم باز آ جاؤ ورنہ ہم سخت سزا دیں گے اس کے بعد اگر لڑائی کی نوبت آجائی ہے تو پھر حملہ کرنے میں کسی قسم کے شبہ کا امکان نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ دھوکہ دہی کو پسند نہیں فرماتا اور خیانت کرنے والوں کی طرف داری نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں اسکو عذاب دیگا
قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَ
يُخَيِّرْهُمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ أَنْ تَرْتَابِ

ان سے لڑو تاکہ اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں عذاب دے اور سوا کرے اور تم کو ان پر غالب کرے یہ ائین فطرت ہے کہ اللہ تعالیٰ برائیوں اور فتنہ و فساد ختم کرنے کے لئے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ یہاں مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم عہد شکنوں اور منافقوں سے لڑو کہ اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں عذاب دینا چاہتا ہے اور اس کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔

دشمن کو زیر کرنے کے لیے جنگی چالوں اور مناسب تدابیر
دشمن کے لیے گھات لگاؤ :- سے کام لیتا۔ موقع محل کے مطابق جس طرز جنگ کی

ضرورت ہو۔ اسے اختیار کیا جائے اس کے لیے گوریلا جنگ اچانک حملے اور گھات (AMBUSH) جو بھی ضرورت ہو اختیار کیا جائے۔

پس مشرکوں کو مار دو جہاں پاؤ اور پکڑو اور
فَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ
وَ خَذُواهُمْ وَأُخْصِرُوهُمْ وَأَقْبِدُوا لَهُمْ كُلَّ
مَنْ صَدْرٍ (پ۔ ۱۰۔ توبہ۔ ۷۷) اسلام میں وعدہ خلافی کی اجازت نہیں سختی سے
معاہدہ کی خلاف ورزی :- پابندی کا حکم ہے۔ وعدہ پورا کرو۔

إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ط بے شک عہد کے متعلق پوچھا جائے گا۔ سخت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ صلح حدیبیہ میں معاہدہ کی پابندی
کرتے ہوئے حضور اقدس نے حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس فرمایا۔ حالانکہ معاہدہ
ابھی زیر تکمیل تھا۔ تحریر مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد حضرت ابو بصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

قریش کے مطالبے پر جب وہ مکہ سے بھاگ کر مدینہ آگئے تو فرمایا اسلام میں عہد کی خلاف ورزی کی کسی حال میں اجازت نہیں ہاں جب دشمن اسے توڑ دے خلاف ورزی کرے تو اس کے خلاف جہاد کرو۔

ارشاد ہے۔

سو اگر وہ تم سے ایک سو رہیں پھر تم سے نہ لڑیں اور پیش کریں تم پر صلح تو اللہ نے تم کو ان پر راہ نہیں دی اب تم دیکھو گے ایک اور قوم کو جو چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی جب کبھی وہ لڑنا جاتے ہیں فساد کی طرف تو اس کی طرف لڑنا جاتے ہیں۔ پس اگر وہ تم سے ایک سو نہ رہیں اور نہ صلح پیش کریں اور نہ اپنے ہاتھ روکیں تو ان کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور ہمنے تم کو دیا ہے ان پر کھلا غلبہ۔

فَاِنْ اَعْتَزَلُوكُمْ فَلَمَّا لِقَا تِلْوَكُمْ
وَالْقَوْمِ الْيَكْتُمِ السَّلْمَ لَوْ مَا جَعَلَ
اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا وَ سَيَجِدُونَ
اٰخِرِينَ يَرِيْدُونَ اَنْ يَّامْنُوَكُمْ
وَيَّامِنُوْا قَوْمَهُمْ كَلِمًا رَّدُوْا اِلَى الْفِتْنَةِ
اُرْكَبُوْا فِيْهَا فَاِنْ لَّمْ يَعْزِلُوْكُمْ وَيَلْقُوا
اِلَيْكُمْ السَّلْمَ وَيَكْفُرُوْا اَيْدِيَهُمْ فُجْدًا
وَ اَقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ لَقِيتُمُوهُمْ وَ
اُولٰٓئِكَ مَبْعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا
مُّبِيْنًا ۝۵۰ نَا - ع ۱

یہ لوگ صلح کے بعد اس کی پابندی کریں لڑائی چھوڑ دیں اور صلح کے ساتھ رہیں تو مسلمانوں کو ان کو تنگ کرنے کی اجازت نہیں اس کے بعد ایک ایسے گروہ کا ذکر ہے جو نہ تم سے لڑائی کرنا چاہتے ہیں اور نہ اپنی قوم سے تم سے لڑائی نہ کرنے کا عہد کر لیتے ہیں لیکن جب دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے دشمن ان پر غالب آ رہے ہیں تو پھر وہ عہد و پیمان کا خیال نہیں کرتے۔ موقع شناسی کے تحت تمہارے دشمنوں سے جا ملتے ہیں ایسے لوگ اگر صلح توڑ دیں۔ دست درازی کریں تم سے لڑنے کے لیے آجائیں۔ تو تم بھی لڑو اور جہاں تک ممکن ہو ان کا قلع قمع کرو کیونکہ تمہارے پاس ان کے خلاف کھلم کھلا عہد کی خلاف ورزی کی حجت موجود ہے۔

دشمن کی سرکوبی میں کاہلی اور کم ہمتی نہ دکھاؤ :- دشمن سے مقابلہ کی صورت

میں مجاہد کو بے شمار تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سفر، بھوک، پیاس، سردی، گرمی، بیماری اور ساز و سامان کا اٹھانا۔ پہرہ دینا، پٹرول اور گشت وغیرہ کرنا، زخمی ہونا ان تکالیف کا مجاہد کو سامنا ہوتا ہے۔ لہذا حکم ہے کہ ان مشکلات اور مشقتوں کی وجہ سے دشمن کا خاتمہ کرنے اور اس کا پیچھا کرنے میں سستی اور کمزوری نہ دکھاوے۔ یہ مشقت تم پر اور تمہارے دشمنوں پر برابر ہے۔ وہ بھی ان تمام مشکلوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہیں۔ لیکن آپ کی اور ان کی مشقتوں کا اجر مختلف ہے۔

ارشاد ہے۔

وَلَا تَحْزَنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۗ إِنْ تَكُونُوا تَأْمُونًا فَإِنَّكُمْ مَعَكُمْ مُؤْتًا كَمَا تَأْكُمُونَ ۗ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يُرْجُونَ ۗ (آیہ - نسا - ۱۲۴)

اور ان کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں۔ جس طرح تم ہوتے ہو اور تم کو اللہ سے امید ہے جو ان کو نہیں۔

مقصود یہ ہے کہ جنگ کی مشقت میں تو تم دونوں برابر ہو لیکن اللہ کے ہاں جو تمہارا اجر ہے جو تمہارا مقام ہے۔ اُس کی امید کافر کو نہیں۔ وہ آخرت میں قطعی خسارے میں ہے جب کہ تمہارے لئے فازی کا انعام ہے۔ شہادت کا عظیم مرتبہ اور جنت کے مراتب میں۔ غازی یا شہید دونوں پلٹے ایک سے ایک اعلیٰ و ارفع ہیں۔

شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا۔ پر دم ہے اگر تو تو نہیں خطرہ، افتاد آیات بالا غزوہ اُحد کے موقع پر نازل ہوئی جب ابوسفیان اور ان کے ساتھی واپس ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم دیا کہ ان مشرکین کا پیچھا کیا جائے۔ چونکہ لڑائی کا کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ پہلے مسلمانوں کا پہلہ بھاری تھا اور بعد میں تیر اندازوں کے جگہ چھوڑنے سے عقب سے حملہ ہوا تو کفار کا پہلہ بھاری تھا۔ اس لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اندیشہ تھا کہ کفار پلٹ کر حملہ نہ کریں اور بعد میں یہ اندیشہ درست نکلا۔ دوحا کے مقام پر ابوسفیان کو خیال آیا کہ لڑائی کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ لہذا دوبارہ حملہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ جب حضور پاک صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو روانگی کا حکم دیا تو انہوں نے زخموں کی شکایت کی۔ گھسان کی جگہ کی دوسرے بیشتر صحابہ زخمی تھے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ کفار بھی تھکے ماندے ہیں سوہ بھی زخمی ہیں۔ ان کے عزیز و اقارب بھی قتل ہوئے ہیں اور اس پر مزید یہ کہ ان کا یہ سب کچھ کرنا بیکار اور بے فائدہ ہے۔ آخرت میں نامرادی اور جہنم ہے جب کہ آپ کا معاملہ اور انعامات انسانی ادراک میں نہیں آسکتے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ستر صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ تعاقب کیا اور مدینہ سے آٹھ میل دور حراء الاسد کے مقام تک گئے۔ جب ابوسفیان کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو خائف ہو کر مکہ کی طرف بھاگ گیا۔

ماضی قریب میں دو عالمی جنگیں سالوں جاری رہیں۔ کبھو دیا کی جنگ، موجودہ جنگیں۔ آزادی اور دیت نام کا مسئلہ اپنی مثال آپ ہیں موجودہ دور میں بھی کسی طویل جنگ کی ابتدا ہو سکتی ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کی دو جنگوں میں ایک سترہ دن اور دوسری بائیس دن جاری رہی۔ ان میں ہمیں اپنی عددی قوت (STRENGTH) کی بنا پر مشکلات کا سامنا رہا اور اُٹندہ بھی ہو سکتا ہے۔ خصوصاً ایک طویل محاذ پر ہمیں اپنے دشمن سے مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ ملکی وسائل اور آبادی کے لحاظ سے ہماری تعداد کم ہے ہم میں سے ہر ایک کو مسلسل لڑنا پڑتا ہے جو جس کام میں ہے۔ اُسے لگاتار فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔ بہت مواقع ایسے ہوں گے۔ جہاں آپ کو ریلیف (RELIEF) آرام کا وقفہ (ہیما کرنے والا ساتھی) دو دو تین تین دن تک نہ ملے۔ مسلسل دو دن سونے کا اور نیند کرنے کا موقع نہ ملے تھکن اور نیند غالب آجائے۔ پیش قدمی کا حکم ہے اور آپ تھکے ہوئے ہوں۔ چلنا مشکل ہو۔ جی چاہتا ہے سو جائیں۔ ایک گھنٹہ آرام کر کے پیش قدمی کریں گے۔ آج نہیں کل کارروائی کریں گے مذہمی ہوں میں لڑ نہیں سکتا۔ مجبوری ہے۔ کیا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حکم ہے ان حالات میں ڈھیل نہ کرو۔ ہمت نہ ہارو اس سے دشمن کو وقت مل جائے گا وہ طاقت جمع کر سکتا ہے۔ پلٹ کر حملہ کر سکتا ہے۔ دیر کی صورت میں زیادہ سخت مزاحمت کا سامنا ہو سکتا ہے۔ تمام مشکلات جو ایک مسلمان مجاہد کو درپیش ہیں۔ قریب قریب مخالف کو بھی یہی درپیش ہونگی عاقبت کو مد نظر

دکھتے ہوئے مسلمان مجاہد کو زیادہ باہمت، دلیر اور مستقیم برداشت کرنے والا ہونا چاہیے

کھوکھلے نعرے درکار نہیں ہیں۔

زمانہ امن میں تو ہم سب خوب نعرے لگاتے ہیں۔ زبانی اور لفظی جہاد سے آنا نا مناسب کچھ تہہ بالا کر دیتے ہیں ذرا حکم تو ملے۔ دیکھیں دشمن کا کیا کچھ مرنے لگاتے ہیں۔ یہ کیا یاد کرے گا۔ کہنے کو توجیب کچھ ٹھیک ہے۔ اور بہت خوب ہے لیکن آپ اتنا قریب کریں گے کہ گذشتہ ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں بہت سے ہمارے جوان میدان جنگ سے بھاگ گئے یہ تو قریب نہ تھی نہ معلوم عقل پر کیا پردہ پڑ گیا پھر واپس بھی آئے۔ کورٹ مارشل کی زیارت بھی ہوئی۔ فوج سے بستر بوریا گول ہوا اور جیلوں کی سیر کی یہ بڑا تکلیف دہ اور شرمندگی کا پہلو ہے۔ زمانہ امن میں جذبہ برقرار رکھیں اور مزدورت کے وقت ملی ثبوت پیش کریں۔ معاملہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ کہتے کچھ اور ہیں عمل کچھ اور ہے۔ یہ پاکستانی فوج کی شان نہیں۔ لڑائی کے وقت ڈریں مت۔ دشمن سے خوف نہ کھائیں نہ پھیر کر اپنی مجاہدانہ روایات کو دلخ دار نہ کریں۔ پیچھے لائنوں اور دائیں بائیں کوزوں میں رہنے کی کوشش کریں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الْمُتَّقِينَ الَّذِينَ قَبِلُوا الصَّلَاةَ
 اَيَّدِيكُمْ وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
 فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فِرَاقٌ
 مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ
 أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا إِنَّا بِنِعْمَةِ رَبِّنا
 عَلَيْنا الْقِتَالِ كَؤُودًا خَرْنَا إِلَى آجُلٍ
 قَرِيبٍ طرہ - نساء - ع

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ہاتھ لگے رکھو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے ہو پھر جب ان کو لڑائی کا حکم ہوا۔ اچانک ان میں ایک جماعت لوگوں سے ڈرنے لگی۔ جیسے اللہ کا ڈر ہو یا اس سے بھی زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے ہمارے رب کیوں ہم پر فرض کی لڑائی۔ کیوں نہ ہم کو چھوڑ رکھا تھوڑی مدت۔

کہ میں جب لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ تو کافر نہیں بہت سنا لگے مسلمان جنگ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر کہتے کہ ہمیں جنگ کی اجازت دی جائے تو فرمانے لگے ابھی لڑنے کا حکم نہیں۔ ابھی صرف یہی حکم ہے کہ نماز پڑھو۔

اور زکوٰۃ دو۔ جہاد کا حکم مدینہ شریف میں نازل ہوا۔ غزوہ بدر کے لیے جہاد کا حکم ملا۔ انسان موت اور ہلاکت سے فطری طور پر گھبراتا ہے۔ قدرتی طور پر جان بڑی پیاری شے ہے۔ اور پھر یہ پہلا موقع تھا جب حکم ملا تو چند کمزور ایمان والوں پر خوف چھا گیا اور ڈر کے مارے سے قہر کرنے لگے۔ اُن پر اللہ تعالیٰ سے کہیں زیادہ دشمن کا خوف تھا وہ کہنے لگے ابھی تھوڑے دن لڑائی کا حکم نہ ہوتا تو بہتر تھا۔ شاید خیال ہو کہ اور تیاری کر لیں۔ طاقت مضبوط ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے حکمت دریافت فرمائی کہ جہاد کیوں فرض کیا گیا۔ اس میں تھوڑی مدت اور انتظار کیوں نہ کیا۔

اس سے سبق ملتا ہے کہ زمانہ امن کے جوش اور نعروں کا مظاہرہ ہمیں ضرورت پڑنے پر عملی طور پر پیش کرنا چاہیے۔ اس وقت ہمارا ایمان ڈولنے نہ لگے۔ معاملہ نعرہ بازی تک نہ لے۔ دشمن نظر آئے تو کاپنا شروع کر دیں۔ داؤ لگے تو پتہ اُس وقت چلے جب چوہدری خاں، ملک فتح جنگ، شیرخان بہادر خاں دم دبائے سر پر پاؤں رکھے میانوالی بس کے اڈے سے اتر کر دس میل آگے چلا گیا ہو۔ میانوالی لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ بارڈر سے قدرے ہی دور ہے۔ بزدل کو گھر نہیں چھپنے کی جگہ درکار ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اُس کا گھر ہی ادھر ہو۔ وہ تو محاذ جنگ سے مہاگ رہا ہے باقی تمام گجرات سے لے کر کراچی تک محاذ ہی محاذ ہے انسان جیسا کام کرتا ہے ویسا ہی معاوضہ جہاد میں مسلمان کی اپنی فلاح ہے۔ پاتا ہے۔ اچھا یا بُرا جو بھی انجام ہو کام کرنے والا اُس کا مستحق ہوتا ہے انسان کا ہر کام اُس کی اپنی بھلائی یا بُرائی پر منتج ہوتا ہے۔ جو کچھ کرتا ہے۔ اُس کی جزا اور سزا اُس کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہمارے عمل کی ضرورت نہیں بلکہ ہم اُس کے فضل اور رحم و کرم کے محتاج ہیں۔ لہذا اگر ہم جہاد کرتے ہیں تو وہ بھی اپنی فلاح کے لیے اس میں دینی، دنیوی اور اخروی فلاح ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ
إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ

جو اللہ کی راہ میں کوشش کرتا ہے پس وہ اپنی ہی جان کیلئے ہے۔ بے شک اللہ بے پرواہ ہے سارے جہانوں سے

جہاد کرنے میں انسان کا اپنا فائدہ ہے۔ دشمن کو شکست دینے نیت و نابود کرنے سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے شر سے نجات مل جاتی ہے۔ امن و سکون کی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ اپنی دینی رسومات پر بلا روک ٹوک عمل کر سکتا ہے۔ دشمن پر غلبہ کی صورت میں مال غنیمت حاصل ہوتا ہے۔ اُخروی زندگی میں جہاد کی فضیلت، ہجرت کا ثواب۔ مال فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا اجر۔ راہ خدا میں مشقتوں کا اجر۔ شہادت کی ابدی نعمت۔ یہ سب مسلمان کے اپنے لئے ہیں یہ دنیا ایک عارضی جگہ ہے۔ چند روزہ زندگی ہے۔ اور یہاں انسان کو ایک کٹھن منزل اور ہمیشہ کی زندگی کی تیاری کے لئے بھیجا گیا ہے۔ بڑی جلدی ایک لمبے سفر کی طرف بلا دیا جاتا ہے۔ لہذا فائدے میں وہ خوش نصیب ہے جو اپنے عمل کو اس طرز پر جاری رکھتا ہے کہ قیامت کی ہر تالیوں سے بچ سکے۔ حساب کتاب سے کامیابی سے گزر کر انعامات ربانی کو پانے میں کامیاب ہو جائے۔ قیامت کے لئے جس کا ایک معمولی سا پہلو حسب ذیل ہے کچھ تیاری کرے۔

حدیث پاک ہے۔

ترجمہ :- آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن لوگ پسینہ بہائیں گے۔ یہاں تک کہ ان کا پسینہ زمین سے ستر گز تک پہنچ جائے گا اور ان کا پسینہ ان کے مونہوں تک رسام کی طرح پہنچ جائے گا۔ پھر کانوں تک پہنچ جائے گا اور سورج مخلوق کے نزدیک کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک میل تک دور رہ جائے۔ اس کی گرمی سے بعض لوگوں کا پسینہ ان کے ٹخنوں تک، بعضوں کے گھٹنوں تک بعضوں کی گروں تک اور بعضوں کا مرنہوں تک پہنچے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

یعنی قیامت میں کوئی سر چھپانے کی جگہ نہ ہوگی۔ کھانے پینے کے لئے بھی کچھ نہ ہوگا۔ لہذا ہمیں اس جہان کو آباد کرنے کے لئے بھی کچھ فکر ہونی چاہیے۔ اُس کے سائے کا سامان کریں۔ باغات لگوائیں۔ پانی کا بندوبست کریں۔ کنوئیں لگوائیں۔ کھانے کا بندوبست کریں۔ صدقہ کریں تاکہ یہ چیزیں آخرت میں کام دے سکیں۔

ارشاد ہے۔

وَلَنَنْظُرَنَّ نَفْسًا مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۗ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ
اور پھر فرمایا۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَ
اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو
أَقْرَبُوا لِلَّهِ كَرَاهًا حَسَنًا وَمَا لَقَدُمَا
اچھا قرض دو اور اپنے لئے جو بھلائی آگے
لَا أَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ
بھیجو گے اُسے اللہ کے پاس بہتر اور بڑے
هُوَ خَيْرٌ وَأَعْظَمُ أَجْرًا ۗ طَرِيقًا الْمَزْلُومِ ۗ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جسے جنت میں اپنے لئے گھر بنانا ہو وہ
یہاں مسجد کی تعمیر میں حصہ لے گویا اگلا جہاں آباد کرنے کے لیے جانی اور مالی قربانیاں دے زکوٰۃ
اور خیرات و صدقات کر کے اپنے اگلے جہاں کے لئے گھر اور باغات بنا سکتا ہے۔ نہریں جاری
کروا سکتا ہے۔

چنانچہ کلام پاک میں مزید ارشاد ہے۔

لَكِنَّ التَّائِبِينَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ
بِجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ
أُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ زُورًا وَلِلَّهِ
هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۗ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ
جَنَّةً تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ
(پ۔ ۱۰ - توبہ - ع)

لیکن رسول اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے
انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد
کیا اور انہیں کے لئے بھلائیاں ہیں۔ اور
یہی مراد کو نہیں ہے۔ اللہ نے ان کے لیے تیار
کر رکھی ہیں۔ بہشتیں۔ جن کے نیچے نہریں
رداں ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہی
بڑی مراد ملنی ہے۔

انسان جو بھلائی اور نیکی کرتا ہے اُس میں اُس کا نفع ہے اور دانا وہ ہے جو اپنی ماری
زندگی میں نیک کام کرے اور اپنی عاقبت کو بہتر بنائے اس کے لئے اللہ کی راہ میں جانی،
مالی، قوی اور فکری جہاد میں کمر بستہ رہے۔ مسلمان کی مثال ایک ایسے سپاہی کی ہے جو میدانِ
جنگ میں مسلسل دشمن سے برسوں بیکار ہو۔ جہادِ نفس، جہادِ شیطان اور جہادِ کفار و منافقین
سے مسلسل واسطہ رہتا ہے۔ مولانا ابی شامہ صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے۔

صحابی بن کے آیا تو نہ راہی بن کے آیا ہے یہ دنیا زد مگاہ ہے تو سپاہی بن کے آیا ہے
 جہلا اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے آخرت
اللہ کی راہ میں جہاد اور قرض حسنہ - میں کئی گنا زیادہ عطا ہوتا ہے اس لیے اس
 کو کلام پاک میں قرض حسنہ قرار دیا گیا ہے۔
 ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا
 أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ مَنْ ذَا الَّذِي
 يُقرضُ اللَّهُ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ
 لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ
 يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ
 (پا - البقرہ - ۱۷۴)

اور اللہ کی راہ میں لڑو اور جان لو کہ بے شک
 اللہ سُنتا جانتا ہے اور کون شخص ہے جو
 اللہ کو قرض حسنہ (اچھا) دے اور پھر اللہ اسے
 کئی گنا کر دے۔ اور اسٹی تنگی کرتا ہے
 اور وہی کشائش کرتا ہے اور اسی کی طرف
 لوٹائے جاؤ گے۔

یہاں دشمن سے لڑنے کا صریح حکم ہے کہ دین کی راہ میں اللہ کے دشمنوں سے جنگ کرو
 اور پھر جہاد کے لیے سامان حرب خوراک اور کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لیے حکومت
 کو رقم درکار ہوتی ہے اور وہ لوگ جو صاحب استطاعت ہیں۔ دولت مند ہیں۔ ان کو حکم ہے
 کہ دل کھول کر خرچ کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی دولت ہے۔ رزق کی تنگی اور فراخی اسی
 کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اُس کے عطا کئے ہوئے رزق کو اس کی راہ میں خرچ کر دو گے وہ ہائے
 مال کو کئی گنا بڑھا دے گا۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے کہ
 وہ ایک کے بدلے دس اور کبھی ایک کے بدلے ستر عطا کرتا ہے۔

مومن اعلیٰ کلمۃ الحق، اللہ کی رضا،
مومن اور کافر کی جنگ میں فرق :- فتنہ و فساد اور ظلم و جبر ختم کرنے کے لیے
 لڑتا ہے اور کافر طاقتور طاقتوں اور شیطان کی حمایت میں لڑتا ہے۔ اُن کا مطلع نظر اور مقصد
 بالکل متضاد ہے۔
 ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي
سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ
إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا مَلَبًا النَّاسِ

جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے
ہیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ
میں لڑتے ہیں۔ پس تم شیطان کے حمایتوں سے
لڑو بے شک شیطان کا داؤد تدبیر کمزور تھا

مسلمان اللہ کی راہ میں لڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی اپنی تدبیروں سے مدد فرماتا ہے
اور کافر، طاغوت یعنی شیطان کا حمایتی ہے۔ کفر و شرک کے لیے لڑتا ہے۔ قتل و فساد پھیلاتا ہے
مخلوق خدا کو اپنے مکر و فریب کے جال میں پھنسانے رکھنے کے لیے اللہ اور اللہ کی راہ سے
روکنے کے لئے اور اپنے ذاتی فائدے اور اغراض و مقاصد کے لیے لڑتا ہے۔ اس سلسلے میں
وہ جن تدبیروں اور طریقوں پر عمل پیرا ہوگا۔ جن سے اُسے کامیابی کی توقع ہے۔ جنہیں وہ خیال
کرتا ہے کہ وہ اُن کے بل بوتے پر کامیاب ہو جائے گا۔ وہ اس کی اپنی سوچ پر مبنی ہے۔
وہ شیطان کے بتائے ہوئے داؤد اور طریقے ہیں۔ ان دونوں تدبیروں کی تدبیریں کمزور ہیں مگر وہی
کامیاب ہیں۔ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں۔

اس کے مقابلے میں مومن کو اللہ تعالیٰ کی تائید
مومن کو اللہ کی حمایت حاصل ہے :-

دعائیت حاصل ہے۔ کافر کے مقابلے میں اُس
کی تدبیر کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات کبیرا ہے اور اُسی کی تدبیر کامیاب ہے اس کی تدبیر کے
اگے کسی کی تدبیر نہیں چلتی شیطان داؤد بڑے ڈراونے اور مضبوط معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن
نیک نیت اور پختہ ایمان مجاہدین کے سامنے ان کے تمام داؤد پیچ ناکام ہو جاتے ہیں
کافر اپنی کامیابی کے لئے دنیاوی ساز و سامان اور سامانِ جنگ پر انحصار کرتا ہے عدوی
قوت کے بل بوتے پر جنگ جیتنا چاہتا ہے اور مسلمان اللہ اور اس کی مدد پر بھروسہ رکھتا
ہے تقدیر الہی کو سامنے رکھتا ہے۔ یقین دایمان کی قوت کے بل بوتے پر دشمن سے نبوہ آزما
ہوتا ہے۔

اللہ کو پامردی مومن پر بھروسہ اہلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

ناکامی کا ذمہ دار کون ہے :- جنگ میں کامیابی نصیب ہو دشمن مغلوب ہو جائے

انسانی انسانیت یہ تاثر دینے کی کوشش کرتی ہے کہ میری تدبیر اور بہادری کا نتیجہ ہے مابہرہ
 حربی پالیسی اور فوجی حرب پر کمال دسترس سے میں نے یہ فتح حاصل کی ہے اگر معاذ اللہ ناکامی کا
 سامنا ہوتا تو جرم منصوبہ بندی (PLANNING) میں نقائص ہتھیاروں کی کمی ہے اور کبھی سپلائی
 لائن ہماری ضرورت کا ساتھ نہ دے سکی۔ موسم کی مشکلات ہماری سہرا تھیں۔ ہمارے راز افشا
 ہو گئے تھے۔ اس قسم کے لاتعداد ایسے جواز اور سہارے ڈھونڈے جاتے ہیں تاکہ ہزیمت کی
 نحوست اور شرمندگی کو اپنے چہرے سے دور رکھا جائے۔ جرم کسی اور کے سر تھوپ دیا جائے
 اس سلسلے میں مجاہدوں کا اپنا موقف ہو گا۔ اہل قلم، دانشوروں اور نکتہ فروشوں کا اپنا زاویہ نگاہ
 ہو گا۔ سیاست دان اپنے انداز سے پیش کریں گے اور یہ گوما محالات اور واقعات کو ایسے
 رنگ کی چھاپ دیتے ہیں جو ان کے سیاسی مقصد کی پیش رفت میں مفید ملتا اقتدار کے قریب
 ترین یا کلی طور پر اس تک پہنچانے میں کام دے سکے۔ تاریخ اس کے دنیاوی اسباب و
 علل کی گھٹیاں سلجھاتی محالات کی چھان پھنگ کرتی ہوئی، حقائق کی گہرائیوں کو کریدتی ہوئی تہہ
 تک چلی جاتی ہے۔ حقائق جلد یا بدیر اپنی اصل شکل میں تاریخ کے آئینے میں ہمارے سامنے
 آتے ہیں وقت کے معتد رحضرات اُسے قومی اور ملکی مفاد کے لحاظ سے تمام اونچ نیچ کو
 مد نظر رکھتے ہوئے۔ خارجہ تعلقات پر اس کے نتائج اور خصوصاً بڑی طاقتوں کے ساتھ
 تعلقات کے اثرات کو اس ضمن میں بڑی اہمیت دیتے ہیں اور بیچ بچاؤ کر کے ایک ایسی
 بین بین راہ اختیار کرتے ہیں کہ حکمران پارٹی کی ساکھ کم سے کم بھروسہ ہو۔ شکست ناکامی کا
 بدنام و حبرہ ان کی سیاسی تاریخ سے دور رہے۔ القصد ایک واقعہ مختلف پہرائے میں عوام
 الناس کے سامنے سے گزرتا ہے۔ اور ہم اپنے سادہ لوح ہونے کی وجہ سے جدھر کوئی مہار کھینچتا
 ہے۔ چل دیتے ہیں۔

ہم اپنے مذہبی تہواروں میں اور بعض دیگر مواقع پر اپنے رہنماؤں، سیاسی، سماجی، مذہبی
 اور علماء کرام سے سنتے رہتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اللہ کا پسندیدہ دین
 ہے۔ ان الدین عند اللہ اسلام۔ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف دین اسلام ہے اور یہ مکمل
 ضابطہ حیات ہونے کے ساتھ حتمی قوانین فراہم کرتا جو کبھی تبدیل ہی نہیں ہو سکتے اور نہ

ان میں ہیر پھیر ہے۔ چنانچہ ہیں ناکامی کی صورت میں اور کامیابی کی صورت میں دونوں عوامل کا مذہبی نقطہ نظر سے جائزہ لینا چاہیے کہ ان کا صرف دنیاوی اسباب اور وسائل سے تعلق ہے یا کچھ اور بھی اپنے اعمال نیکیوں اور برائیوں کو بھی ان میں دخل ہے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
شامت اعمال اور صورت آتش گرفت :- دورِ خلافت میں کسی شہر میں آگ

لگ گئی۔ مکانوں، محلوں، باغوں اور بازاروں نے خشک مگرمی کی طرح جلتا شروع کیا شہر والوں نے لاکھ جتن کیے کہ آگ پر قابو پالیں لیکن ناکام رہے آگ پر پانی ڈالتے تو وہ اس طرح بھڑک اٹھی جس طرح آگ پر پانی کی بجائے پٹرول ڈال دیا گیا ہے۔ شہر والوں کا ایک وفد گھبرا کر امیر المومنین کی بارگاہ میں آیا آپ نے ان کی پریشانی دیکھ کر فرمایا۔

گفت این آتش ز آیات خداست شعلہ از آتش بخل شماست

آب بجز آرید و نان قسمت کنید بخل بجز آرید اگر آن بیند

آپ نے فرمایا کہ یہ آگ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے یہ آتش زدگی تمہاری آتش بخل کا ایک شعلہ ہے تم پانی ڈالنا چھوڑ دو اور غریبوں میں کھانا تقسیم کرو۔ اگر میری اکبریت پاسنتے ہو تو آئندہ بخل نہ کرنا انہوں نے دل کھول کر سخاوت کی توجیہ ہی آگ سرد پڑ گئی۔ لہذا معلوم ہوا کہ ان کے بخل اور گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ کی صورت میں گرفت فرمائی آگ از خود نہیں تھی اللہ تعالیٰ نے بلا و جہ ان کا نقصان نہ کیا بلکہ ان کے اپنے اعمال کی جزا تھی اور یہ تنبیہ کی صورت تھی اللہ تعالیٰ انسان کے مختلف گناہوں کی وجہ سے مختلف انداز میں گرفت فرماتا ہے۔ صرف ہم اس کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اسے اپنی بیماری اور دیگر قدرتی حادثات کا نام دے دیتے ہیں۔ مولانا دومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں حکیمانہ بات فرمائی ہے۔

آب نماید از پئے منع زکوة و زنا افتد بلا اندر جہات

زکوة ادا نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ بارش روک دیتا ہے اور زنا سے دنیا میں مختلف بلائیں نازل ہوتا شروع جاتی ہیں۔

اسلام نے مسلمان پر زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، فرض، واجب اور مستحبات کی شکل میں ماند کئے ہیں۔ برائیوں کی نشاندہی کی مان سے منع ہی نہیں کیا بلکہ اس دنیا اور آخری زندگی میں جزا و سزا بھی بیان کی اور پھر یہ بھی بتایا کہ ہم نے موت و حیات پیدا کی تاکہ معلوم کریں کہ کون اچھا عمل کرتا ہے۔

ہاں تو مذکورہ شعر میں مولانا رومی بیان فرماتے ہیں کہ جب زکوٰۃ دینا چھوڑ دیتے ہیں غریبوں اور مستحق لوگوں کا حصہ نہیں دیتے تو اللہ تعالیٰ اپنے اصول پر کاربند ہو جاتا ہے اس کا اصول کیا۔

مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يَرْحَمُ۔

جو مخلوق خدا پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائیگا۔ رحم خواہی رحم کن۔ ہم رزق میں کمی کے خوف سے زکوٰۃ نہیں دیتے تو وہ ہمارا رزق کم کرنے کے لیے اپنے رزق کے عطا کار دروازہ بند کر دیتا ہے۔ مخلوق کو خشک سالی سے دوچار کر دیتا ہے۔ یہیں زکوٰۃ دینے پر اختیار ہے اللہ تعالیٰ کو اپنا رحم و کرم روک رکھنے پر اختیار ہے اور جب کوئی قوم دنیا کی لعنت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ وہاں مختلف آفتیں اور بلائیں نازل فرما دیتا ہے۔ بیماریاں پھیلا دیتا ہے یہ کیا ہیں۔ زلزلے، آندھیاں، طوفان، سیلاب، سیف، طاعون اور دوسری اس قسم کی بیماریاں۔ ہم شکایت کرتے ہیں کہ قدرتی آفات ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر نازل ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے شکایت بھی کرتے ہیں اور رحم و کرم کی دُعا بھی اس میں کون حق بجانب ہے۔ بندہ یا اللہ جل جلالہ۔

چنانچہ مولانا بشیر احمد صاحب فرماتے ہیں۔

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامہ اعمال دیکھ اگر کبھی گرفت میں اللہ تعالیٰ دیر کرتا ہے تو یہ اس کی کریمی ہے۔ لیکن جب پکڑتا ہے تو اس کی گرفت بڑی سخت ہے۔ اَنْ بَطَشَ رَبِّكَ كَشِدِّيدًا بَشَكْتِهِ رَبُّكَ كَغْرِفٍ مَبِيئَةٍ

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تو شو مغرور از علم خدا دیر گیر دست گیر دست مرا خدا کے علم سے نرمی سے کریمی سے مغرور مت ہو جانا کیونکہ خدا دیر سے تجھے پکڑتا ہے۔

تو اس کی گرفت بھی بہت سخت ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مصائب، ناکامیاں اور محرومیاں ہمارے اعمال کا نتیجہ ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ
وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنَ
نَفْسِكَ ط (پ۔ النہا۔ ۷۹)

جو پہنچے تجھ کو کوئی بھلائی سوا اللہ کی طرف سے
ہے اور تجھ کو کوئی برائی پہنچے سو تیری اپنی طرف
سے ہے۔

اب بات واضح ہے اور اسلامی تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

۱:- غزوہ احد میں مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا اور وہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے تھا۔

۲:- حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں عکرمہ بن ابی جہل اور شمر جہل کو مسیّر کذاب کی سرکوبی

کے لئے روانہ کیا گیا۔ یہ دونوں مختلف محاذوں پر تھے۔ چنانچہ حکم دیا گیا کہ دونوں اکٹھے مل کر

حکم کریں۔ مگر عکرمہؓ نے شمر جہلؓ کا انتظار کئے بغیر حکم کر دیا۔ مسیّر کے پاس سو وقت چالیس ہزار

سپاہی تھے اور وہ عقبہ کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ عکرمہؓ کی جلد بازی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں

کو شکست ہوئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس ناکامی کا سخت افسوس ہوا اور

آپ نے عکرمہ کو واپس بلا کر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیام کی ہم پر مامور کیا۔

۳:- رومی مغلوب ہوئے اور پھر غالب ہوئے، روم والے مغلوب ہونے کے بعد غالب آئے

راپؓ، اپنی غلطیوں کی تلافی کی تو اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔ تفصیل باب جہاد اور

نصرت الہی میں ملاحظہ فرمائیے۔

اس قسم کی اور بھی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن یہاں پر مقصود صرف یہ ہے کہ ناکامی

کے اسباب معلوم ہو جائیں کہ اس کا ذمہ دار کون ہے اور کون کون سے عناصر اس میں شامل

ہیں۔

ترغیبات جہاد

گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ جنگ میں مرنا، مارنا، اس کے عام مواقع ہوتے ہیں۔ جو جنگ میں شریک ہوا۔ وہ اپنے انجام کا یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ غازی ہوگا، شہید ہوگا، زخمی ہوگا۔ اعضاء کاٹ جائیں گے۔ یا دشمن کے ہاتھوں قید ہو جائے گا۔ اور اس قسم کے اور خیالات بھی ذہن میں آسکتے ہیں اور یہ ممکن ہے کہ شیطانی دوسرے کوئی غلطی کرنے پر آمادہ ہوگی اس لیے حکم ربانی ہے کہ جب لڑائی میں شریک ہو تو پھر ان خیالات کو ترک کر دو سب کچھ بھول جاؤ کیا ہوگا اسے اللہ پر چھوڑ دیں تم دشمن کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ اپنے قدم پیچھے نہ مٹاؤ۔ وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہم کر لڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔ اور جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرے اُس کی شان کے کیا کہنے انسان رحم و کرم کی دمائیں مانگتے مانگتے عاجز آجاتا ہے۔ مشکل کب آسان ہوگی۔ اور کب اللہ تعالیٰ کا کرم ہو معلوم نہیں اور کہاں یہ خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اُن سے محبت کا اعلان کرتا ہے کہ میں اُن سے محبت کرتا ہوں۔ محب محبوب پر کتنا مہربان ہوتا ہے۔ کیا کیا انعام کرتا ہے۔ یہ وہی جانتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

ان اللہ یحب الذین یقاتلون
فی سبیلہ صفا کانتھم بنیان
مراصو ص (پ) ۲۸ - الصف - ۱۹۷

خدا ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اُس
کی راہ میں استقلال سے صف بستہ لڑتے
ہیں۔

گویا ایک دیوار ہیں جس کے اندر سیسہ پگھلا کر بھر دیا ہے۔ ان کے پاؤں دشمن کے مقابلے میں اکھڑتے نہیں وہ سر پر کفن باندھے حاضر ہیں، اُن کے لیے زندگی اور موت دونوں پہلو ہی لاندال ہیں۔ لہذا وہ اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ سینہ سپر ہیں۔ انہیں نزد دشمن

کی قوت کا خوف اور ہتھیاروں کی برتری کا وہم وہ اپنی جانوں سے بے نیاز ہیں۔ اس کی امانت اُس کے داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ فتح و کامرانی کا انحصار طاقت اور تعداد پر نہیں بلکہ ہمت و استقلال کی طوائف میں مضمر ہے۔

دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہو۔ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً
فَاثْبُتُوا - رِط - انْفَال - ع

کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو طوائف میں ثابت قدم رہو۔

دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہو۔ بزدلی کا مظاہرہ نہ کرو۔ مدد اور کامیابی یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اگر مجاہد اس کے حکم پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں اور نہ ہی اُس کے وعدے میں کوئی شک۔ شرط صرف یقینِ کامل کی ہے۔ انجامِ مجاہد کے اخلاص کے مطابق ہوگا۔ حدیثِ پاک ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ جو شخص گھر سے جہاد کے لئے نکلا۔ اُس کو صرف ایک ہی خیال نے نکالا کہ یہ شخص مجھ پر ایمان رکھتا ہے۔ میرے رسولوں کی تصدیق کرتا ہے۔ تو ایسے شخص کا میں ضامن ہوں کہ اس کو جنت میں داخل کروں یا اجر و غنیمت سے مالا مال کر کے اُس کے گھر واپس لے آؤں (مسلم)

لیجئے۔ مسلمان مجاہد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ضمانت دے دی کہ جب وہ میرے راہ میں نکلا تو پھر میں اُس کا ضامن ہوں۔ جو چیز اُس کے حق میں بہتر ہوئی وہ عطا کروں گا۔ لہذا وقت آنے پر ہمیں بے خوف و خطر ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ کسی کمزوری اور وسوسے کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب کا حکم دیا۔

مومنوں کو جہاد کی ترغیب دو :- جہاد کی ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ

اپنے جیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مومنوں کو اس کی ترغیب دینے کے لیے خطاب فرمایا
ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ
پٹا - الانفال - ع ۱۰ (ترغیب دو)

انسان کو کسی کام پر آمادہ کرنے کے لئے اس کے دینی، دنیاوی اور معاشی پہلوؤں پر
روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اس کے فوائد بتائے جاتے ہیں۔ اس کے لیے عملی مثال پیش کی جاتی ہے چنانچہ
سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی زندگی کے ہر شعبے میں ہمارے لیے ایک اعلیٰ
ارفع نمونہ پیش کیا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جہاد و خواہش کا ذکر پہلے باب
میں ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینا اس کے لئے آمادہ کرنا اس کی اہمیت اور
اقادیت سے آگاہ کرنا ہم سب کا کام ہے۔ اس کے بعد کوئی عمل کرے یا نہ کرے یہ اس کی
مرضی ہے۔ جسے اللہ توفیق دے۔

چنانچہ ارشاد ہے۔

سو اللہ کی راہ میں لڑو۔ تو ذمہ دار نہیں مگر
اپنی جان کا اور مسلمانوں کو ترغیب دو کہ
قریب ہے کہ اللہ کافروں کی لڑائی بند کر دے۔
اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور سخت ہے
سزا دینے میں اور جو سفارش کرے۔ نیک
بات میں اس کو بھی ملے گا اس میں سے ایک
حصہ اور جو سفارش کرے بری بات میں اس
پر بھی اس میں سے ایک بوجھ ہے اور اللہ
ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَوْ كُنْتَ
إِلَّا نَفْسًا وَجَرَسَ الْمُؤْمِنِينَ
عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكْفُتْ بَأْسَ الَّذِينَ
كَفَرُوا وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ
تَنْكِيلًا مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً
يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِمَّا وَرَاءَ
يُشْفَعُ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ
كِفْلٌ مِمَّا وَرَاءَ كَانَ اللَّهُ عَلَى
كُلِّ شَيْءٍ مُقْتَنًا (پ النار ع)

اس میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ اگر منافقین جہاد کے لیے آمادہ
نہ ہوں تو تم غم نہ کرو۔ خود نکل کھڑے ہو۔ ان میں سے کوئی آپ کا ساتھ دیتا ہے یا نہیں آپ

اس کی پرواہ نہ کریں۔ ہاں لڑنے کی تاکید ضرور کریں۔ اس سے آگاہ کریں آگے وہ عمل کریں یا نہ کریں آپ اس کے ذمہ دار نہیں اللہ تمہاری مدد کرنے والا ہے۔ کوئی بعید بات نہیں کہ دشمن تمہارے نکلنے کے بعد رعب میں آجائے اس پر آپ کا دبدبہ طاری ہو جائے۔ آپ کی شجاعت کی دھاک بیٹھ جائے اور وہ خوف سے لڑنے کے لیے ہی نہ نکلے اور یہ اللہ تعالیٰ کا مومنین سے وعدہ ہے کہ میں کفار اور دشمنانِ اسلام کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا ہے وہ سزا دینے میں سب سے سخت ہے۔

جو کوئی نیک کام کی ترغیب دے تو اس کو اس کام کے کرنے والوں کے ثواب کا حصہ ملے گا اور جو کوئی بُرائی کی ترغیب دے اس کو اُن کے گناہوں کی سزا کا حصہ ملے گا۔ لوگوں کو کسی کام کی طرف بلائے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ خود اس کے لیے نکل کھڑے ہوں علی طور پر اسے کریں اگر انسان خود عمل سے عاری ہو تو دوسروں پر اس کا اچھا اثر نہیں پڑے گا۔ وہ بھی دیکھا دیکھی کان کھسکاتے ہیں۔ نیک لوگ اپنے قول و عمل سے لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتے ہیں اور کج رو بُرائی کی طرف، نذر وہ تبوک میں منافقین نے یہ کہہ کر مسلمانوں کو جہاد سے روکنے کی کوشش کی کہ لبا سفر ہے۔ بڑی گرمی ہے۔ "لا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ" چنانچہ نیکی سے منع کرنے والوں یا اس کے خلاف ترغیب دینے والوں کو عذاب کا بوجھ اٹھانا پڑے گا لہذا نیک ترغیب دینے والوں کو اس کا رینک کا اجر و ثواب نصیب ہوگا۔

ماضی کے واقعات اور مستقبل کے خطرات کے پیش نظر ترغیبِ جہاد کی اشد ضرورت ہے نوہالان چین کی قوتوں کو دفاع و وطن کے مقدس فریضہ کی طرف موڑنا ہم سب کا فرض ہے۔

انسان دنیوی زندگی کی نعمتوں،

آخرت کی زندگی اور نفع ہی حقیقی ہے لذتیوں اور نفع و نقصان کا بھی کافی

خیال رکھتا ہے۔ اُسے گھربار اور مال و دولت کی دیکھ بھال، فصلوں کا نفع و نقصان اور دیگر ایسی چیزیں سوچ میں ڈال دیتی ہیں۔ انسان ابن کو اپنی مجبوری تصور کرتا ہے۔

اس کمزوری کا یوں ذکر فرمایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ
إِذَا قِيلَ لَكُمْ الْفُرُوقُ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ إِثْنَا قَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ط
أَرْضِيكُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ق
فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ
اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا۔ جب تم سے
کہا جائے کہ خدا کی راہ میں نکلو رکوتن کر دو تم
بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو۔ کیا تم
نے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے پسند کر لی ہے
اور دنیا کا اسباب آخرت کے سامنے نہیں مگر گھٹوٹا

یہاں مسلمان کی رہنمائی کے لئے بصراحت فرمادیا کہ تم اس زندگی پر قناعت کرتے ہو۔ تم
جہاد کے لیے نکلے اور اللہ کی راہ میں مشکلات برداشت کرنے سے گھبراتے ہو۔ یہ دنیا چند روزہ
زندگی ہے اور دنیاوی ساز و سامان کی ابدی زندگی کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں۔ اس
وجہ سے جہاد کرنے سے گرائی محسوس نہ کرو۔

کسی کی نوا میدی پر محبت ہے یہ فرمان جدید ہے جہاد اس دور میں مؤمنان پر حرام (تعالیٰ)

جو اللہ اور اس کے رسول کے
اللہ اور اس کے رسول کے مخالفوں سے لڑو :- خلاف برسر پیکار ہو۔ اللہ کے

رسولوں کو ایذا پہنچانے عہد کرنے کے بعد اُسے توڑ ڈالے اور پھر مخالفت کی ابتدا بھی
کر دے۔ تو پھر مومن خواہ کمزور ہی کیوں نہ ہوں۔ دشمن تعداد اور ساز و سامان میں
قوی ہی کیوں نہ ہو ایمان والوں کا یہ کام نہیں کہ اس سے ڈریں۔ ڈر صرف اللہ ہی کی ذات
کا ہونا چاہیے۔ ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ جب اللہ کے دین کی خلاف ورزی ہو۔ اس کی مخالفت
کی جائے اللہ کے رسولوں کو ایذا پہنچانی جائے تو اُسے ختم کرنے کے لیے جہاد میں پس و پیش
نہ کیا جائے۔

ارشاد ہے۔

أَلَا تَقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَتُوا أَلْمَانَهُمْ
وَهُمْ أَبَاخَرَا جِ التَّوَسُّلِ وَهُوَ
کیا اس قوم سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی
قسمن توڑ دیں اور رسول کے نکالنے کا

بَدَّكُمْ أَدَلَّ مَرَّةٍ طَاخَتْوَنَهْمُ
فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْا - اِلْتِ
كُتْمُ مَوْنِيْنًا

ارادہ کیا۔ حالانکہ اُن ہی کی طرف سے پہل
ہوئی ہے۔ کیا اُن سے ڈرتے ہو تو اللہ اس
کا زیادہ مستحق ہے کہ اُسی سے ڈرو اگر
ایمان رکھتے ہو۔

(پ ۱۰، توبہ - ع ۱)

کلام پاک میں بار بار لڑائی کا حکم آیا ہے۔ جس سے اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے

مومن کی نشانی ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے

مومن اللہ کی راہ میں لڑتا ہے۔ - کمر بستہ رہتا ہے۔ وہ اس کا تلاشی ہے کہ

کہیں موقع ہاتھ آئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ - جو مومن ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے۔

دُقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اللہ کی راہ میں لڑو

اس ضمن میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اور بھی لاتعداد ارشادات موجود

ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

۱:- جو شخص اللہ کا حکم بلند کرنے کے لیے لڑتا ہے۔ وہ اللہ کے راستے کا مجاہد ہے۔

۲:- جان لو۔ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔

۳:- اسلام پھیلنا و رفاقتہ کشوں کو، کھانا کھلاؤ اور کافروں کا سر توڑو۔ بہشت کے وارث

بنائے جاؤ گے۔

گھر میں مہمان آجائے تو اچھے اچھے کھانے

مجاہد فی سبیل اللہ اللہ کا مہمان ہے پکائے جاتے ہیں۔ بہترین بستر مہیا کرنے

کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر میزبان مہمان کی طبیعت سے آگاہ ہو تو اس کی خواہش اور میلان

طبع کو مد نظر رکھتے ہوئے کھانا تیار کرتا ہے۔ جہاں ذرا زیادہ بے تکلفی ہو وہاں مہمان سے

میزبان پوچھ لیتا ہے کہ کیا پکائیں۔ طبیعت کس چیز کو چاہتی ہے۔ اگر وہ اپنی پسند اور چاہت

کا اظہار کر دے تو میزبان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پسند کی چیز میا کرتا ہے۔ خواہ قرض یعنی پڑے یا ہمسایہ سے مانگ کر لائے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ مہمان خوش ہو جائے۔ اُس کی خاطر مدارت میں کمی نہ آئے۔ مجاہدنی سبیل اللہ کا مہمان ہے۔ اللہ تعالیٰ میزبانی کا پورا پورا حق ادا کرتا ہے۔ اللہ رب العزت کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں وہ کسی چیز کے لیے کسی کا محتاج نہیں۔ مہمان کی جو خواہش ہو۔ جس چیز کی اُسے ضرورت ہو وہ اُسے عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا اسباب کی محتاج نہیں وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن مثبت انزومی نے اپنی عطا کے اگے دنیاوی اسباب کا پردہ بنا رکھا ہے۔ لہذا مہمان کی جو خواہش ہوتی ہے۔ جس کے لیے وہ دعا کرتا ہے۔ اُسے قبول کر کے اُس کی تکمیل کے لیے اسباب مہیا کرتا ہے۔

حدیث پاک ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔ مجاہدنی سبیل اللہ عزوجل کا مہمان ہے اس کی ہر دعا قبول کی جاتی ہے۔

(ابن ماجہ۔ بطولہ)

تو ایسے لوگ جن میں مذکورہ باتیں پائی جائیں۔ ان سے تم نہیں لڑو گے۔ یہاں ایک قسم کا ایمان کا ثبوت پیش کرنے کا چیلنج ہے اگر اس پر اعتراض ہو تو معلوم ہوا کہ ایمان کمزور ہے یا بالکل ہے ہی نہیں۔ بس نام کا مسلمان ہے۔ دودھ پینے والا مجنوں ہے۔ خون دینے والا کوئی اور مومن کی زندگی کیا ہے۔ اس سلسلے میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ مومن کی زندگی کیا ہے؟

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا۔ جب جہاد ہو رہا ہو تو اس میں شریک ہو اور جب جہاد نہ ہو رہا ہو تو اس کی تیاری میں مصروف ہو۔

بتاؤں، سمجھو کہ مسلمان کی زندگی کیا ہے یہ ہے نہایت اندیشہ اور کمال جنون

مومن کی جان و مال کا رسول خدا مومن سے زیادہ حقدار ہے

یہ جان، مال اور اولاد اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی چیزیں ہیں۔ یہ ہمارے پاس بطورِ امانت ہیں اور اللہ کا رسول ہماری ان تمام چیزوں کا حقدار ہے۔ بلکہ ہماری (مومن کی) نسبت اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ حقدار بنایا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل لازم ہے خواہ مسلمان اسے پسند کرے یا نہ کرے۔ ارشاد ہے۔

الْمَسِيئَةُ اَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ
كَانَ رَأْسُكَ اُمَّتَهُمْ وَرَأْسُ الْاَحْزَابِ
یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

ترجمہ :- اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ میں مذکورہ آیت کریمہ کی تشریح اس طرح فرمائی کہ دنیا اور دین کے تمام امور میں نبی کریم کا حکم ان پر نافذ اور نبی کی اطاعت واجب اور نبی کے حکم کے مقابل نفس کی خواہش واجب ترک ہے۔ یا یہ معنی ہیں کہ نبی مومنین پر ان کی جانوں سے زیادہ راحت و رحمت اور لطف و کرم فرماتے ہیں اور نافع تر ہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ہر مومن کے لئے دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ میں اولی ہوں اگر چاہو تو یہ آیت پر طہور۔

الْبَنِيُّ اَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِيْنَ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں مِنْ اَنْفُسِهِمْ کے بعد وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ بھی ہے۔ مجاہد نے کہا کہ تمام انبیاء اپنی امت کے باپ ہوتے ہیں اور اس رشتہ سے مسلمان آپس میں بھائی بھائی کہلاتے ہیں کہ وہ اپنے نبی کی دینی اولاد ہیں۔

مسلمان جہاد سے منہ موڑے یہ بڑی ہی کم
ترک جہاد باعث غضب الہی ہے :- نیسی ہے۔ یہ انسان کو محکوم اور غلامی کی
زنجیروں میں جکڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو دوسروں کے ہاتھوں ذلیل کرتا ہے۔ اقدار

سے محروم کر دیتا ہے۔

اور تبارہاری تعالیٰ سے۔

اگر کوہج ذکر و گے تو تمہیں اللہ سخت مذاب
 دے گا۔ اور تمہاری جگہ اور لوگ لے آئے گا
 اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔

اگر تم نے رسول اللہ کے حسب حکم عمل نہ کیا۔ سستی کی تو اللہ چونکہ اپنے نبی کی مدد کا وعدہ
 کر چکا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اس کی مدد کے لیے اور لوگوں کو یہ سعادت نصیب فرمائے
 گا۔ اور تم ان سے محروم رہو گے۔

یہ اس وقت کے لیے تھا اب اگر ایسا ہو تو اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ کوئی دوسری
 قوم مسلمانوں پر مسلط ہوگی۔ پھر مسلمان ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

اللہ کی راہ میں
مسلمان نے اپنی جان اور مال کے عوض نفع کا سودا کیا ہے :- مال خرچ کرنا۔
 دشمنوں سے لڑنا اور دین کی اشاعت اور حفاظت کر کے مسلمان آخری زندگی میں اس سے
 کئی گنا زیادہ حاصل کرنے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جہاں کی نعمتوں کے بدلے
 اگلے جہاں میں جنت اور نعمتوں کا وعدہ دیا ہے۔
 ارشاد ہے۔

اگر تم نے مسلمانوں سے ان کی جان اور مال
 کے مال خرید لیے ہیں۔ اس قیمت پر کہ ان
 کے لیے جنت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ
 میں پس قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں۔

لہذا جب ضرورت ہو تو اپنی جان اور مال سے اس کی تعمیل کرو۔ جان جائے
 یا رہے مال رہے یا نہ رہے۔ دونوں صورتوں میں حکم کی تعمیل کے بدلے میں جنت
 ملے گی۔ یہ اللہ کا پنجمہ وعدہ ہے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ اس کے مقابلے میں باقی تمام

چیریں عارضی ہیں اور پیمیں۔

جنگ میں ہتھیاروں اور سامان حرب کے ساتھ ساتھ اس کی فتح و کامیابی کا انحصار مجاہد کے طرز عمل پر بھی ہے۔ اس میں خدا کا خوف، اخلاق کی بلندی اور غلط روی سے بچنا بڑا ضروری ہے۔ اگر مجاہد ان سے بے پرواہ ہو جائے تو یہ دشمن کے ہتھیاروں سے بھی زیادہ نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں مسلمان سربراہوں نے بڑی احتیاط اور تاکید فرمائی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران کے فاتح سعد بن ابی
مجاہد کا طرز عمل : وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا۔

میں تمہیں اور تمہارے عسکری ساتھیوں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ اپنے دل میں خدا کا خوف پیدا کریں اور بلند اخلاق کو اپنا شعار بنائیں میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ گناہوں سے ایسی احتیاط سے بچو۔ جیسے تم اپنے دشمن یا اس کے ہتھیاروں سے بچتے ہو۔ کسی فوج کی گناہ گاری اور غلط روی خود اسے دشمن سے بھی زیادہ نقصان پہنچاتی ہے۔ دشمن کے مقابلے میں ہماری تعداد کم ہے۔ وہ تعداد اور جنگی سازد سامان کے لحاظ سے ہم سے کئی گنا بڑا ہے۔ ہم صرف اخلاقی برتری سے اس پر غلبہ حاصل کر سکتے ہیں۔ صرف اللہ ہی تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ یہ صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ جس سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔

لہذا مجاہد کا طرز عمل اور اعمال و افعال بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ تو مختصر طور پر جہاد کی حدیں بیان کر دیں گئی ہیں۔ گو پوری تفصیلات کا احاطہ کرنا میرے لیے مشکل ہے بہر حال امید ہے کہ اس پیشے سے منسلک حضرات کو سمجھنے میں کافی حد تک مدد ملے گی۔

ملک کے دفاع کے لیے کسی بھی قوم کی آخر حد یہ ہوگی۔ جب تک وہ زندہ ہے اپنی آزادی کی مخالفت کرے۔ دشمن اس وقت تک ملک میں داخل نہ ہو۔ جبکے رٹنے والے سب ہی قربانیاں پیش کرتے کرتے داخلی اجل کو بیکٹ کہہ دیں۔ ایسا ہی معاملہ ہمارا ہے۔ افواج پاکستان سے خطاب کرتے ہوئے بابائے قوم نے فرمایا آپ کو اپنے بزرگوں کی طرح مجاہدانہ جذبہ پیدا کرنا چاہیے آپ اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس کی تاریخ دلاوری

شہادت اور کردار کی بھدی کے اوصاف سے بھری ہوئی ہے۔ ان اوصاف کے مطابق اپنی
زندگیاں بنائیے اور اپنی تاریخ میں ایک شاندار باب کا اضافہ کیجئے۔

مجاہد اور غیر مجاہد برابر نہیں :- ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر
نہیں اور وہ مسلمان جو اللہ کی راہ میں لڑنے
والے ہیں اپنے مال اور جان سے اللہ نے
اپنے مالوں کے اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے
والوں کا درجہ بیٹھے رہنے والوں سے بڑا کیا
ہے اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا
ہے اور اللہ نے جہاد والوں کو بیٹھنے والوں
پر بڑے ثواب سے فضیلت دی ہے۔ اس
کی طرف سے درجے بخشش اور رحمت ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
غَيْرُ أُولِي الضَّرَبِ وَالْمُجَاهِدُونَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ
فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً
وَكُلًّا وَعَدَّ اللَّهُ الْحَنَافِطَ وَفَضَّلَ
اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا
عَظِيمًا لَا دَرَجَاتٍ صُنْهُ وَمَغْفِرَةً
وَرَحْمَةً ط ۵ - ن ا ع ۱۰

اس آیت پاک میں جہاد کی ترغیب ہے۔ مجاہد کی شان بیان کی گئی ہے کہ مجاہد اور چھپ
کر بلا عذر گھر میں بیٹھ رہنے والا برابر نہیں۔ ان میں فرق ہے۔ شرعی طور پر معذور جسم کا
کمزور۔ بوڑھا، بیمار، اپاہج، ٹکڑا جس کے پاس سامان جہاد نہ ہو۔ نابالغ، نابینا، ہاتھوں کا
ناکارہ ہونا وغیرہ۔ ان کے علاوہ باقی لوگ جو تندرست اور استطاعت رکھتے ہیں۔ ان کا
کوئی عذر نہیں پھر اگر وہ بلا عذر شریک نہیں ہوتے تو ان میں اور جہاد کرنے والے میں فرق
ہے۔ مراتب اور درجات کے لحاظ سے ان کا کوئی میل نہیں۔ مجاہدوں کے لئے بڑے درجات
اور ثواب ہیں۔ اور جو لوگ محض مجبوری کی وجہ سے جہاد میں حصہ نہیں لے سکتے اور ان کی
نیت پر غلوں سے ہے۔ ان کو محض ان کی نیت کے اخلاص کی وجہ سے جہاد کا ثواب عطا ہوتا
ہے۔ وہ اس کی فضیلت اور ثواب سے محروم نہیں کئے جائیں گے۔ وہ توک میں مجبوراً جو
ساتھ نہ جاسکے۔ ان کے لیے سرکارِ دو عالم کا یہی حکم ہے۔

جن مجاہدوں نے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا وہ کامیاب اور کامران ہیں ان کے

متعلق ارشاد ہے۔

لیکن رسول اور اس کے ساتھ جو لوگ ایمان
لائے ہیں اور وہ اپنے مال اور جان سے لڑے
اور انہی کے لیے خوبیاں ہیں اور وہی مراد
کو پہنچنے والے ہیں۔

لَكِنَّ الرُّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ
جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ
وَأَوْلِيَّكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰﴾ توبہ ۱۰

منافق تو حیلے بہانے کر کے جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ لیکن پچھے
مسلمان جنہوں نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے جب موقع آتا ہے
تو سب کچھ لے کر حاضر ہو جاتے ہیں۔ اطاعت گزاری اور فرمانبرداری میں ذرہ برابر انحراف نہیں
کرتے۔ اس میں غزوة تبوک کے منافقین کے خیالوں اور اندازوں کی طرف اشارہ ہسان کا
خیال تھا کہ یہ لوگ اتنی بڑی رومی فوج کا کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہ تباہ و برباد ہو جائیں گے
ان کا بیخ کرنا محال ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا انجام کیا ہے۔ فیصلہ ہم سے ستودہوں
جہاں کی کامیابیاں ان کے لیے ہیں۔ وہ کامیاب ہوں گے اور اللہ ان کو اچھا بدلہ دیگا۔

جذبہ جہاد

جذبہ جہاد ایک ایسی توجہ جو بڑی سے بڑی طاقت کو تہہ و بالا کر دیتا ہے۔ یہ ایک ناقابل تسخیر قوت ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے دوائی
ابتدائے اسلام میں ایک مٹھی بھر مسلمان میدان جہاد میں نکلے۔ ان مجاہدین کے جذبہ جہاد نے بڑے بڑے ججگو بہادروں اور مضبوط کفار قبائل کو نیست نابود کر دیا۔ جذبہ جہاد کا یہ عالم تھا کہ کم سن لڑکے بھی جہاد میں شرکت کے لئے میدان میں نکل آتے تھے۔ غزوہ بدر میں معوذہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو جہل کو قتل کر کے ایک اعلیٰ نمونہ تاریخ کے کے صفات میں آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کر دیا۔

غزوہ اُحد میں نو عمر جوانوں کی شرکت :- نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریعہ تھی کہ جب لڑائی کے لیے

تشریف لے جاتے تو مدینہ منورہ سے باہر جا کر لشکر کا معائنہ کرتے۔ ان کے احوال اور ان کی مزدورتوں کو دیکھتے۔ لشکر کی اصلاح فرماتے اور بچوں کو واپس فرما دیتے۔ شوق جہاد میں جنس نو عمر بچے بھی شکر میں شامل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اُحد کی لڑائی کے لیے جب روانہ ہوئے تو ایک مقام پر جا کر لشکر کا معائنہ فرمایا نو عمروں کو روک لینے کی وجہ سے واپس فرما دیا۔ ان میں یہ حضرات بھی تھے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمرو بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسید بن حصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمار بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی عمریں قریباً تیرہ چودہ برس تھیں۔ جب والہی کا حکم صادر فرمایا تو حضرت خدیج نے سفارش کی کہ یا رسول اللہ میرا لڑکا رافع بہت اچھا تیر چلانا جانتا ہے۔ خود رافع ابھرا بھر کر کھڑے ہوتے تھے کہ قد لمبا معلوم ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت فرمادی تو سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سوتیلے باپ سمرہ بن بنان سے کہا کہ حضور نے رافع کو اجازت مرحمت فرمادی اور مجھے اجازت عطا نہیں فرمائی۔ حالانکہ میں رافع سے قوی ہوں اگر میرا اور اُس کا مقابلہ ہو تو میں اُس کو کچھاڑ دوں گا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کا مقابلہ کرایا تو سمرہ نے واقعی رافع کو کچھاڑ دیا لہذا حضور نے سمرہ کو بھی اجازت دے دی اس کے بعد اور بچوں نے بھی کوشش کی اور بعض اور کو بھی اجازت مل گئی۔ اس سلسلہ میں رات ہو گئی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تمام لشکر کی حفاظت کا انتظام فرمایا۔ پچاس ڈیوہ کو پورے لشکر کی حفاظت کے لیے متعین فرمایا۔

رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت مبارک کا شوق :- حفاظت کا

انتظام فرمانے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہماری حفاظت کون کرے گا ایک صاحب اٹھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیا نام ہے۔ انہوں نے کہا ذکوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور نے فرمایا اچھا بیٹھ جاؤ۔ پھر فرمایا ہماری حفاظت کون کرے گا ایک صاحب اٹھے حضور نے نام دریافت فرمایا عرض کیا ابوسح ربح کا باپ، حضور نے فرمایا بیٹھ جاؤ تیسری مرتبہ پھر ارشاد فرمایا ہماری حفاظت کون کرے گا۔ پھر ایک صاحب کھڑے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نام دریافت فرمایا۔ عرض کیا ابن عبد القیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد القیس کا بیٹا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اچھا بیٹھ جاؤ اس کے تھوڑی دیر بعد ارشاد ہوا کہ تینوں آدمی آ جاؤ تو ایک صاحب حاضر ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے دونوں ساتھی کہاں گئے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ تینوں دفعہ میں ہی اٹھا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعادی

اور حفاظت کا حکم فرمایا رات بھر یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خیر کی حفاظت فرماتے رہے۔

غزوہ خیبر اور عمیر ابی الحکم - عمیر ابی الحکم غلام تھے اور کھمپے تھے۔ جہاد کا شوق بے پناہ تھا۔ خیبر کی لڑائی میں شرکت کی خواہش کی ان کے سرداروں نے بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں سفارش کی کہ اجازت عطا فرما دیجئے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت عطا فرمادی اور ایک تلوار مرحمت فرمائی۔ جو گلے میں لٹکانی مگر تلوار بڑی تھی اور قد چھوٹا تھا۔ اس لیے وہ گھسٹی جاتی تھی۔ اسی حال میں خیبر کی لڑائی میں شرکت کی۔ چونکہ بچے بھی تھے اور غلام بھی تھے اس لیے غنیمت کا پورا حصہ نہیں ملا البتہ بطور عطا کچھ سامان حصہ میں آیا۔

ان حضرات کو یہ بھی معلوم تھا کہ غنیمت میں ہمارا حصہ بھی نہیں اور عمر کے لحاظ سے بھی ابھی جہاد لگاؤ نہیں اس کے باوجود یہ شوق کے دوسرے حضرات سے سفارش کرائی جاتی تھی۔ اس کی وجہ جذبہ جہاد اللہ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وعدوں پر اطمینان ہی تھا۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ - حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ :- اس سلسلے میں بڑا ہی ایمان افروز ہے مسلمان ہونے کے بعد ان کے جنگ لڑنے کا انداز یہ تھا عالم شباب میں زرہ بکتر پہن کر میدان جنگ میں اتر کرتے تھے۔ لیکن بڑھاپے میں آپ زرہ بکتر کے بغیر ہی میدان جنگ میں کود پڑتے تھے۔ آپ کے بازو برہنہ اور سینہ عریاں ہوا کرتا تھا۔ آپ مردانہ دار و دشمن کی صف میں گھس جاتے اور قیامت برپا کر دیتے تھے آپ کے دوستوں نے کہا جب جوان تھے۔ اُس وقت تو اپنا دفاع ہتھیاروں سے کرتے تھے اب آپ بوڑھے ہو چکے ہیں لیکن ہتھیاروں سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔ بے دریغ دشمن کی صفوں میں چلے جاتے ہیں آخر کیوں؟ بڑھاپے میں آپ کو اپنا دفاع زیادہ موثر کرنا چاہیے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

پیش نظر دنیوی سلطنت اور جاہ و جلال نہیں۔ طاقت کا سکہ بٹھانا مقصود نہیں۔ بلکہ جنت ہوتی ہے۔ وہ اس جذبے کے ساتھ لڑتا ہے کہ مارے گئے تو شہید اگر کافر کو مار ڈالا تو غازی ہر طرح ثواب ہی ثواب ہے۔

شہادت ہے مطلوب مقصود مومن ذمال غنیمت۔ نہ کشور کشائی
طارق بن زیاد فاتح اندلس :- ہیں ہسپانیہ موجودہ سپین ان کی مشہور فتح ہے۔
آپ نے کشتیوں کے ذریعے سمندر عبور کیا ساحل پر پہنچنے کے بعد کشتیوں کو آگ لگا دی۔ جب کشتیاں جلادیں تو ایک مجاہد نے مضطرب ہو کر کہا کہ یا حضرت اگر ہمیں ناکامی ہوئی اور واپس جانا پڑا تو واپس کیسے جائیں گے۔ شریعت اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالنے اور اسباب دنیا قطع کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

طارق نے جواب میں فرمایا۔ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اور مسلمان اس کا مالک ہے۔ جہاں تمام میراث مرد مومن کی میرے کلام پر حجت ہے نہ حکم لولاک (اقبال) وہ جہاں بائیں وہی اُس کا گھر ہے۔ اس لیے یہاں سے واپسی والی کوئی بات نہیں۔ فاتح ہو کر اسے اپنا گھر بنائیں گے یا ہماری قبریں یہاں ہوں گی۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس جذبہ جہاد کو یوں بیان فرماتے ہیں۔
طارق چوں برکنارہ اندلس سفیرِ شجوت گفتند کار تو راہ خرد خطا است
طارق نے جب اندلس کے ساحل پر کشتیاں جلائیں تو لوگوں نے کہا کہ عقل کے لحاظ سے آپ نے غلطی کی ہے۔

دور از سواد وطن باز چوں رسم ترک سبب از روئے شریعت کجا است
وطن سے دور ہیں واپس کیسے جائیں گے۔ اسباب کا ترک کرنا شریعت کی رو سے کہاں جائز ہے۔

خندید دوست، خویش بشمشیر بردگفت ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدائے ما است
آپ نے ہنستے ہوئے شمشیر بلند کی اور فرمایا ملک اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور مسلمان

اُس کا مالک ہے وہ جہاں جائے وہ ہی اس کا گھر ہے۔

طارق بن زیاد کے شکر کی تعداد صرف بارہ ہزار تھی۔ راڈرک شاہ اندلس نے ایک لاکھ فوج سے مقابلہ کیا جنگ شروع ہونے سے پہلے طارق بن زیاد نے ایک دلولہ انگریز تقریر کی جس کے ذریعے مجاہدین کے دل گرما دیئے۔ مسلمان دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ راڈرک کی فوج میں وہ جوش و خروش نہ تھا۔ اس کے پہ سالار پہلے ہی حملہ میں پسا ہونے شروع ہو گئے۔ راڈرک کی ذاتی کمان میں اتنی کافی فوج موجود تھی کہ مقابلہ کرتا رہا۔ آخر میں طارق نے اپنے ذاتی دستے سے دشمن کی فوج کے قلب پر حملہ کیا جس سے اُنڈسی فوج کے قدم اکھڑ گئے راڈرک نے بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کی لیکن دریائے گواڈلٹ میں ڈوب کر مر گیا۔ بارہ ہزار مسلمان فوج نے راڈرک کی ٹڈی دل فوج کو جو اس ملک میں بائبل اجنبی تھے۔ بڑی طرح شکست دی وہ پچاس ہزار لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل سپین پر مسلمانوں کا ایسا رعب طاری کیا کہ اس کے بعد انہوں نے کھلے میدان میں جم کر مقابلے کرنے کی ہمت نہ کی اور مسلمان بڑی آسانی سے سائے ملک پر قابض ہو گئے۔

۴ جہاں تمام ہے۔ مومن جانناز کی میراث

حضرت خالد بن ولید۔ جنگ سلاسل :- گو در زہر مز کو لکھا۔ اسلام قبول کرو۔

یا جزیہ دو۔ در نہ تم کو ایک ایسی قوم سے لٹنا پڑے گا جو موت کی اتنی ہی آرزو مند ہے۔ جتنی تم زندگی کی تمنا رکھتے ہو۔

مسلمان مجاہد میں جذبہ جہاد کس حد تک موجود ہے اور اس جذبے کی بناء پر وہ کیا کچھ کر گزرتا ہے۔ اس کے لیے الفاظ کا ذخیرہ مہیا کرنا مشکل ہے۔ یہ حالات کا رخ بدل دیتا ہے۔ ظاہری ہتھیار اور سامان اُس وقت محض بے فائدہ ہیں۔ بلکہ وہ پتھروں کی طرح ہیں۔ جب یہ کسی کم ہمت اور بزدل شخص کے ہاتھ میں ہوں۔ مجاہد کا جذبہ تو اُسے بے تیر و تفنگ آگ میں کود جانا سکھاتا ہے۔ جذبہ حب الوطنی اور قوت ایمانی ناقابل تسخیر ہتھیار ہیں۔

جب ملک اور قوم پکارے اللہ کے دین کے لیے قربانی کی ضرورت ہو تو سامان جنگ کی کمی بیشی سدراہ نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے جنگ کے لیے نکلو۔ اور اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ مومن کے لیے اس میں خیر ہی خیر ہے۔ کمزور کو قوی پر غالب کرنا یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ
فَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ
لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ نِپَا - التوبہ ۴۱

نکلو ہلکے اور بوجھل اور جہاد کرو اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اگر تم میں سمجھ ہے۔

بلکایا بوجھل سے مراد سامان جنگ کی کمی اور زیادتی ہے ان کی فکر نہ کی جائے۔ اصل ہتھیار تقویٰ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور نصرت الہی ہے اور ایمان والوں کو یہ ہر حال میں حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے بندوں کو اپنی مدد سے محروم نہیں کرتا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ مومن ہے تو بیخ بھی لڑتا ہے سپاہی
سامان کی کمی کا بہانہ دشمن کی کثرت کا خوف یہ سب بے معنی باتیں ہیں۔

بابائے قوم نے فرمایا۔
بابائے قوم نے مجاہدین وطن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔
آپ کو اپنے بزرگوں کی طرح مجاہدانہ جذبہ پیدا کرنا چاہیے۔
آپ اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس کی تاریخ دلاوری، شجاعت اور کردار کی بلندی کے اوصاف سے بھری ہوئی ہے۔ ان اوصاف کے مطابق اپنی زندگیاں جانیے اور اپنی تاریخ میں ایک شاندار باب کا اضافہ کیجئے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

دہی جوان ہے قبیلے کی اسیجھ کا تارا شباب جس کا ہے بے داغ فریج کاری
ہمت نہ ہو تو ہتھیار بے کار ہیں۔ گھوڑے پر سوار تھا۔ کسی جنگل میں جا رہا تھا
ایک شخص جسم پر ہتھیار سجائے ایک سمدہ

وہ دیکھنے میں بڑا ہیست ناک اور جنگجو معلوم ہوتا تھا۔ ایک تیر انداز نے اُس کو اپنی طرف آتے دیکھا تو دہشت زدہ ہو کر اپنی کمان سنبھال لی۔ سوار نے دیکھا کہ وہ تیر کی زد میں ہے تو وہ زور سے چلایا کہ بھائی تم مجھے خواہ مخواہ مارے ڈالتے ہو۔ گونپاہر میں فریب اندام ہوں لیکن حقیقت میں بالکل کمزور ہوں میرے ڈیل ڈول کو نہ دیکھو لڑنے میں ایک بڑھیا سے بھی کم ہمت ہوں۔ تیر انداز نے کہا بہت اچھا کیا ہے جو برقت اپنی حقیقت ظاہر کر دی ورنہ میں اپنی جان بچانے کے لیے ضرور تجھ پر تیر چلاتا۔

بس کناں را اں سلاح بستن بکشت

گر پوشی تو سلاح رستاں

بے رجولیت چناں تیغ بکشت

رفت جانت چوں نباشی مرداں

بہت سے لوگوں کو اس ہتھیار بندی نے مردا دیا جو ہمت مردانہ کے بغیر ماتھ میں تلوار لیے نکلتے تھے بے شک تم بہادروں کے ہتھیار پہن لو۔ لیکن تم میں ان کے چلانے کی ہمت اور اہلیت نہیں ہے۔ تو یوں سمجھ لو کہ یہ ہتھیار بندی تمہاری جان لے لے گی۔

غزوہ اُحد میں جب کفار نے عقب سے

اُم عمارہ مازینہ کی بہادری :- حملہ کیا اور مسلمانوں میں افزائ فری پھیل گئی اُحد میں آپ زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ آپ زید بن عاصم کی زوجہ تھیں۔ آپ بیان کرتی ہیں کہ میں اُحد کے دن نکلی تاکہ دیکھوں کہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ میرے ساتھ ایک مشک تھی۔

اُس میں پانی تھا جس سے زخمیوں کو پانی پلا رہی تھی۔ میں رسول کریم تک پہنچی آپ اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے اور اُس وقت ہوا مسلمانوں کے موافق تھی لیکن جب

مسلمانوں کو شکست ہونے لگی تو میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھی اور میں آپ کی مدافعت میں معروف قتال ہوئی تلوار کے ذریعے آپ سے دشمنوں کو بھگانے

لگی۔ اور کمان سے تیر پھینک رہی تھی۔ یہاں تک کے مجھے ایک زخم آگیا روایت ہے آپ کے کاندھے پر ایک گہرا زخم تھا۔

اُن سے پوچھا گیا یہ زخم کس نے لگایا ابن قیر نے۔ جب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے اصحاب بھاگنے لگے تو ابن قیر یہ کہتا ہوا حضرت کی طرف بڑھا

مجھے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک جانے دو اگر وہ پنج گئے تو میں نہیں بچوں گا۔ پھر میں اور مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں آگئے تو اُس نے یہ وار مجھ پر کیا میں نے بھی اُس پر بہت سی مزیں لگائیں لیکن وہ دشمن خدا زریں پہنے ہوئے تھا۔

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ جب اُحد کے دن نیبہ، ان کے شوہر زید بن عامر اُن کے دونوں بیٹے، حبیب اور عبد اللہ نکلے تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تم لوگوں پر برکت نازل کرے یہ سن کر جناب نیبہ نے کہا آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ جنت میں ہم آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ نے دعا کی۔ یا الہی ان سب کو جنت میں میرا رفیق بنا۔ اسی وقت نیبہ بولیں اب ہمیں کسی مصیبت کی پروا نہیں ان کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔ اُحد کے دن نہ وہ دامنی جانب لڑتی تھی نہ بائیں طرف میں نے دیکھا کہ وہ میری حفاظت میں لڑ رہی تھی۔ آپ کو بارہ زخم آئے تھے جن میں کچھ نیزے کے تھے اور کچھ تلوار کے عورت کی ایسی شجاعت دیکھ کر انسان حیرت میں آجاتا ہے جو زخم انہوں نے اللہ کی راہ میں کھائے وہ مردوں کے لیے ناقابل برداشت تھے چہ جائیکہ عورتوں کے لیے اور وہ بھی اُس وقت جب کہ لوگ خوف اور گڑبڑ کی وجہ سے میدان جنگ سے بھاگ رہے تھے۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان مشرکین سے جنگ کرنے میں شہادت کے طلبگار تھے تاکہ جنت نعم پر فائز ہوں۔ یہ لوگ دنیاوی زندگی کی پروا نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ زندگی فانی، عارضی اور غمناک ہوتی ہے۔ لیکن آخرت کا گھر بائیدار ہے۔ جس میں صالحین اور شہداء اُخروی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔ عورتیں مردوں کے ساتھ جنگ کر رہی تھیں اور زخم کھا رہی تھیں۔

اسد الغابہ میں آیا ہے کہ اُم عمارہ بیعت العقبہ میں بھی موجود تھیں۔ اُحد میں بھی اپنے شوہر اور بیٹوں کے ساتھ تھیں۔ بیعت رضوان میں بھی اور جنگ یمامہ میں بھی انہوں نے قتال کیا۔ یہاں تک کہ اُن کا ایک ہاتھ بیکار ہو گیا۔ آپ نے اُحد کے دن بارہ زخم کھائے تھے۔

مکرّم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے روایت کی ہے انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے عرض کیا میں ہر جگہ مردوں کا ذکر پاتی ہوں۔ لیکن عورتوں کا کچھ بھی ذکر نہیں دیکھتی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ - اور مومن عورتیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تشفی فرمادی اور بتایا کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں مومن مرد اور مومن عورتیں اگر جہاد میں شریک ہوں تو درجہ سب کا برابر ہے۔ یہی وہ روح تھی۔ جس سے مسلمان تمام جگہوں پر کامیاب ہوئے اور اسلام پھیلا۔

پاکستانی مجاہدوں نے اپنے اسلاف ہمارے مجاہدین کے کارنامے :- کی بہادری اور شجاعت کو نہ صرف بحال رکھا

بلکہ اپنے کارناموں سے ایک عالم کو محو حیرت کر دیا۔ وطن بزرگی ۳۳ سالہ تاریخ میں جب کبھی وطن نے ان کو پکارا تو یہ پیکر شجاعت عثمانی انداز میں دشمن کے درپے ہو گئے دشمن کے فخر و ناز کو خاک میں ملا دیا ہماری مختصر سی تاریخ میں بری بھری اور فضائی افواج نے دشمن کے ساتھ مختلف جھڑپوں اور بالخصوص ۱۹۶۵ء اور ۱۹۶۷ء کی جنگوں میں انتہائی بے مثال جرأت کا مظاہرہ کیا۔ مختلف محاذوں پر اپنے سے کئی گنا زیادہ فوج کو شکست فاش دی آخری سپاہی تک لڑا۔ آخری گولی تک لڑا۔ ہر مجاہد کے دل دزبان کی صدا تھی۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی بے مثال کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

اس کی اولین مثال کیپٹن محمد سرور شہید نے پیش کی۔ ۱۹۴۸ء میں وہ اپنی کمپنی کے ساتھ محاذ کشمیر پر تھے اس جنگ میں دشمن کی فوج کے ایک دستے نے خاموشی سے ہلے علاقہ میں گھس کر فوجی اہمیت کی ایک پہاڑی پر قبضہ کر لیا۔ اگلی صبح پیکر شجاعت اپنی کمپنی کے ساتھ دشمن کی طرف بڑھے جب یہ پچاس گز کے فاصلے پر رہ گئے تو دشمن نے ان کو تار لیا دشمن نے مشین گنوں اور توپوں سے گولہ باری کی اس کے باوجود کیپٹن سرور نے مختلف اطراف سے دشمن کی طرف پیش قدمی کی۔ حتیٰ کہ ۲۰ گز کے فاصلے پر پہنچ گئے گولہ باری سے ان کا دایاں بازو شدید زخمی تھا۔ اس کے باوجود آپ اپنے مقصد کی لگن

میں بڑھتے گئے منزل مقصود پر پہنچ کر آخری منزل لگائی اس موقع پر آپ دشمن کی شدید گولہ باری کی زد میں آ گئے۔ آپ کا سینہ گولیوں سے چھلنی ہو گیا۔ اسی لمحہ آپ نے جام شہادت نوش فرما کر دائمی اجل کو لبیک کہا اور آنے والی نسل کے لیے تاریخ میں بہادری اور شجاعت کی تابناک مثال محفوظ کر دی قوم نے ان کو نشانِ حیدر کے عظیم اعزاز سے نوازا۔ اس کے بعد آپ کے نقش قدم پر چل کر سات اور مجاہدین وطن نے یہ اعزاز حاصل کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیر خدا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی شجاعت مسلمانوں کو ورثے میں ملی ہے اور ہر آنے والی ٹکڑی اس کا ثبوت ملتا رہے گا۔ ماضی کی یاد تازہ ہوتی رہے گی۔

۱۱ اگست ۱۹۵۸ء کو میجر طفیل محمد شہید نے مشرقی پاکستان نشانِ حیدر کے اعزاز - کے ایک محاذ پر اس کی یاد تازہ کی ۱۹۶۵ء میں میجر عزیز بیٹی

نے جرات اور دلیری کے ایک بے پایاں کارنامے سے اسے اجاگر کیا۔ ۱۹۶۱ء میں ایام جنگ سے چند ہفتے پہلے فضائیہ کے نوخیز شاہین پائلٹ افسیر راشد منہاس نے اپنی جان کی بے باک قربانی دے کر ایک اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ دسمبر ۱۹۶۱ء کی ۱۴ روزہ جنگ میں ان کے نقش قدم پر چلنے والوں میں قابلِ قدر اضافہ ہوا۔ میجر محمد اکرم شہید، میجر شبیر شریف شہید، سوار محمد حسین اور لانس نائیک محمد محفوظ نے مادرِ وطن کے دفاع کیلئے بے مثال بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نذرانہ خون پیش کر کے تاریخ کے صفحات کو زینت بخشی۔

اجتماعی طور پر ملک کی تینوں مسلح افواج نے عظیم کارنامے انجام دے کر قابلِ فخر کامیابیاں حاصل کیں۔ ہندوستان کو حدودی لحاظ سے بر میدان میں برتری حاصل تھی۔ جہاز، ٹینک، توپیں اور دیگر اسلحہ کے لحاظ سے بھی پاکستانی افواج سے اعلیٰ دارِ فتح تھے پاکستانی افواج کے اعلیٰ معیار اور جگہ اہلیت نے یہ ثابت کر دیا کہ جنگ ہتھیاروں کی برتری اور فوج کی کثرت سے نہیں جیتی جاسکتی بلکہ جذبہ جہاد کے سامنے کوئی ہتھیار کارگر نہیں دشمن کے اسلوحہ خانوں میں اس کا کوئی جواب نہیں۔

۱۹۷۱ء میں فضائی جنگ کی ایک ہی جھڑپ میں سکواڈرن لیڈر ایم ایم عالم نے

بھارتی فضائیہ کے پانچ جیٹ طیارے مار گرائے۔ فضائی جنگوں میں اتنے قلیل وقت میں اتنے طیارے مار گرانے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آغاز جنگ کے چند دن کے اندر بھارتی فضائیہ کو جارحانہ انداز بدل کر مدافعانہ جنگ لڑنے پر مجبور کر دیا ایک مختصر فضائیہ کے انتہائی اعلیٰ معیار کا یہ منہ بولتا ثبوت ہے۔

۱۹۶۵ء میں چونڈہ محاذ پر ٹینکوں کی ایک عظیم جنگ لڑی گئی۔ بھارت کے ۶۰۰ ٹینکوں کے حملہ کو روکنے کے لیے ۱۲۵ ٹینک مقابلے پر میدان میں اترے۔ جنگ عظیم دوم کے بعد ٹینکوں کی یہ سب سے بڑی لڑائی تھی۔ اس لڑائی کے تاثرات ایک امریکن رپورٹریوں بیان کرتا ہے امداد نظامی لکھتا ہے۔ اب سے پہلے بھی وار (WAR) رپورٹنگ کر چکے ہو؟ امریکی ریڈیو کے نمائندے رے میلونی نے مجھ سے پوچھا میں نے کہا ہرگز نہیں۔ یہ پہلا تجربہ ہے۔ اب سے پہلے ہمیں ایسی کوئی جنگ لڑنی ہی نہیں پڑی۔ تم لوگ حیرت انگیز ہو۔ رے نے کہا، معلوم ہے میں اپنی زندگی کے بائیس سال جنگی محاذوں پر گزر کر پھٹے بموں اور برستی گولیوں کے درمیان گزار چکا ہوں۔

حیرت ہے تم اس کے باوجود زندہ ہو۔ میں نے کہا۔

ہاں قدرت نے مجھے اس لیے زندہ رکھا ہے کہ دنیا کی حیرت انگیز ترین جنگ دیکھ سکوں اور پھر اس نے ہم لوگوں کے ہمراہ ایک خاموش مقام پر اگر امریکی عوام کے لیے اپنا پیغام اپنے سفری ٹیپ ریکارڈ پر ریکارڈ کیا اس نے اپنے تاثرات یوں بیان کئے۔

میں اس وقت دنیا کی حیرت انگیز ترین جنگ میں دنیا کے سب سے جیلے سب سے دلیر سب سے زیادہ نڈر سپاہیوں کے معجزوں کی طرح حیرت انگیز کارنامے دیکھ رہا ہوں۔ بلاشبہ پاکستانی فوج دنیا کی عظیم ترین سرزدش فوج ہے۔ میں نے ایسے جیلے مجاہد پوری زندگی میں نہیں دیکھے مجھے تو یہ پیدائشی سپاہی معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے ہر محاذ پر اپنے سے چھ گنا زیادہ طاقتور دشمن کا انتہائی ہونناک حملہ روک دیا ہے۔ اور اب اس پرکاری دار لگا رہے ہیں ان کی چلائی ہوئی گولی اور ان کا پھینکا ہوا ہر گولہ انتہائی چچا

تلا ثابت ہوتا ہے انہوں نے دشمن کی صفوں کی صفیں اُلٹ کر رکھ دی ہیں اور اسے اپنے زخم چاٹنے پر مجبور کر دیا ہے۔ میں پاک فوج کی جرأت دلیری اور خود اعتمادی کو سلام کرتا ہوں۔

یہ ایک تجربہ کار اور جہاندیدہ ججی نامہ نگار کے تاثرات ہیں۔ آگے چل کر کہتا ہے۔
 جانتے ہو جنگ میں بھاری توپوں سے گولہ باری کیوں کی جاتی ہے۔ رے میلونی نے ہم لوگوں سے پوچھا۔ ظاہر ہے دشمن کی تنصیبات کو تباہ کرنے اور اس کی صفوں میں ابتری مچانے کے لیے کی جاتی ہے۔ ہم میں سے کسی نے جواب دیا۔ رے میلونی نے مسکرا کر ہماری طرف دیکھا اور بولا۔ ہاں درست ہے۔ بھاری توپوں کے گولے جہاں پھٹیں گے تباہی ضرور مچائیں گے لیکن کسی قسم کی فوجی تنصیبات کو نشانہ بنانا اس گولہ باری کا اصل مقصد نہیں ہوتا۔ بھاری اور ہلکی توپوں سے گولہ باری دراصل اس لیے کی جاتی ہے کہ مسلسل دھماکے دشمن کی فوج کے سپاہیوں کے اعصاب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ چند منٹ کے دھماکوں کے بعد جسمانی نظام پر اعصاب کی گرفت ڈھیل پڑ جاتی ہے۔ ہاتھ پیروں کی حرکت اور پھرتی تقریباً ختم ہو جاتی ہے اور انسان اپنے آپ کو بڑی حد تک مغلوب محسوس کرنے لگتا ہے۔ دماغ کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جواب دے جاتی ہے اور کانوں میں عجیب سی سیٹیاں بجنے لگتی ہیں۔ جو انسان کو پاگل کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اتنا کہہ کر رے میلونی نے بی آر بی نہر کے کناروں سے برکت تک پھیلے ہوئے محاذوں کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔

لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پاک فوج کے گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان میں یا فولادی مجسمے ان کے سروں پر اتنے دنوں سے توپوں اور مینیکوں کے گولے پھٹ رہے ہیں مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ پہلے دن کی طرح چاق و چوبند ہیں۔ بلکہ ان کے جوش و خروش میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ میرے لئے یہ میری زندگی کا انتہائی حیرت انگیز واقعہ ہے۔

چونڈہ کی جنگ العالمین کی جنگ سے بڑی جنگ تھی۔ اس کے بعد چونڈہ ریسالٹ

مخاز سے رے میلونی نے ٹینکوں کی جنگ کے بارے میں رپورٹ امریکہ بھیجی اس کا اب
 لہجہ اتہائی جو شہلا تھا۔ اُس نے شاندار الفاظ میں پاکستان کی دفاعی افواج کو خراج تحسین پیش
 کیا اور انہیں دشمن کے چھ سو ٹینکوں کے حملے اور پاکستان کی محدود فوج کی کامیاب دفاع
 کی داستان سناتے ہوئے بتایا۔

” کہ اس وقت چونڈہ میں مد نظر تک حملہ آور ٹینکوں کے ڈھانچے بکھرے ہوئے ہیں۔
 علی طور پر چونڈہ دشمن کے ٹینکوں کا قبرستان بن چکا ہے۔“

اس نے چونڈہ کے میدان میں ہونے والی ٹینکوں کی لڑائی کے حوالے سے ایک بار
 پھر یہیں اپنے ۲۲ سالہ جنگی تجربہ میں شریک کیا۔ اُس نے پوچھا تمہیں معلوم ہے؟ ٹینکوں کی یہ
 لڑائی تاریخی اہمیت کی حامل تھی، ہم نے بتایا ہاں ہم جانتے ہیں یہ عالمین کے معرکے
 کے بعد ٹینکوں کی سب سے بڑی لڑائی تھی۔ ”عالمین میں فیلڈ مارشل منگرمی کو کس وجہ
 سے فتح ہوئی تھی؟ رے میلانی نے دوسرا سوال کیا میں نے کہا، فیلڈ مارشل منگرمی یقیناً
 ایک بہادر جرنیل تھا۔“ ”ہوگا“ رے میلونی نے اپنے شانے چکائے لیکن عالمین کی
 فتح اس کی بہادری کا ہرگز نتیجہ نہیں تھی ویسے بھی دوسری جنگ عظیم کے بہادر جرنیلوں میں
 سرفہرست جنرل رومیل کا نام آتا ہے۔ منگرمی صرف قسمت کا دہنی تھا۔ وہ بہادری اور
 جنگی مہارت میں اس جرمن جرنیل کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس کو فتح اس لیے ہوئی کہ
 اس نے اپنی ساری فوجی قوت یعنی بری فوج ٹینک، توپ خانہ دوسرے بکتر بند دستے
 اور فضائی فوج اس معرکے میں جھونک دی تھی۔ جرمن ٹینکوں کے لیے اس چوڑے حملے
 کا مقابلہ ممکن نہ رہا اس لیے انہیں شکست ہو گئی۔ رے میلونی لمحہ بھر خاموش ہو گیا پھر
 چونڈہ کے میدان میں جلتے ہوئے ٹینکوں کی طرف اشارہ کر کے بولا ”لیکن اس میدان
 میں لڑی جانے والی جنگ صرف اور صرف بہادری سے جیتی گئی ہے۔ ۶۰۰ جدید ترین
 بھاری ٹینکوں کا تیز رفتار حملہ صرف ۱۲۵ چھوٹے ٹینکوں سے روک لینا اور حملہ آوروں کو
 جاہ کر دینا یقیناً ایک بے مثال کارنامہ ہے۔ اس لیے چونڈہ کی جنگ عالمین کی جنگ
 سے بڑی تھی۔ اس جنگ میں پاکستانی جرنیل فیلڈ مارشل منگرمی سے ہزار گنا بڑا جرنیل تھا۔“

جزل کا جواب سنکر صحافی کے ہاتھ سے نوٹ بک اور ٹیپ ریکارڈ گر پڑا

سیالکوٹ کے محاذ پر صرف ایک روز قبل ہوناک جنگ جاری تھی۔ اب فائر بندی ہو چکی تھی تاہم کسی بھی لمبے قسم کا شہادت کی بناء پر دوبارہ توپوں کے دہانے کھل سکتے تھے اس فضا میں فیلڈ کمانڈر پاکستانی اور غیر ملکی صحافیوں کو محاذ کا دورہ کر رہا تھا۔ ایک جگہ رگ کر اس نے دشمن کے علاقے کی طرف اشارہ کیا اور کہا ”وہ درخت آپ دیکھ رہے ہیں؟“

جی ہاں! اخبار نویسوں نے جواب دیا۔ یہ درخت۔ مشکل تین فرلانگ کے فاصلے پر تھے۔ وہاں دشمن کی بھاری توپیں نصب ہیں۔ فیلڈ کمانڈر نے کہا اور اخبار نویسوں کی جماعت لرز کر رہ گئی۔ میلوں تک تباہی پھیلانے والی بھاری توپیں سیالکوٹ شہر سے صرف نصف میل کے فاصلے پر تیار رکھ دی تھیں۔ ”جزل صاحب“ ایک کانپتی ہوئی آواز بلند ہوئی

جزل صاحب اگر دشمن کی بھاری توپیں وہاں ہیں تو پھر سیالکوٹ شہر تو گیا۔

جزل چلتے چلتے رگ گیا۔ اس نے خطرہ ظاہر کرنے والے صحافی کا کندھا تھپتھپایا اور کہا۔
 ”جوہان! دشمن کو معلوم ہے کہ ہم یہاں ہیں“ اسے میلوں کی اس جواب سے اس بڑی طرح چوٹھا کہ
 اس کے ہاتھ سے تمام نوٹ بجیں۔ ٹیپ ریکارڈ اور قلم بھوٹ کر زمین پر گر پڑے وہ بار بار اپنے سر پر گھونٹے مارتا تھا اور کہتا تھا وہ میرے خدایا۔ یہ انسان ہیں یا فولاد کے
 مجھے۔ خدا کی قسم میں نے ایسی دلیری زندگی میں نہیں دیکھی۔

(ہفت روزہ ہلال)

چونڈہ محاذ پر فضائیہ کی شاندار کارکردگی :- اس جنگ میں فضاؤں پر پاک
 فضائیہ کی مطلق العنان حکومت

اور مکمل بالادستی قائم ہو چکی تھی۔ پاک فضائیہ کے سرفروش شہبازوں نے اپنے طیاروں کی
 تعداد اور کمزور استعداد کے باوجود دشمن فضائیہ سے پوری شجاعت کے ساتھ ٹکر لی
 تھی اور صرف تین روز کے اندر ایگی کمر توڑ دی تھی۔ دشمن کے بیشتر ہوائی اڈے کھنڈ بن
 چکے تھے۔ اس کے علاوہ طیاروں کے پرچے اڑ دینے گئے تھے۔ پاک فضائیہ نے

دشمن فضائیہ کی قوت و کثرت کے خورد کو خاک میں ملانے کے ساتھ ساتھ ہر محاذ پر بری افواج کی دفاعی جنگ میں زبردست مدد کی۔ چونڈہ کی ٹینکوں کی جنگ میں ہمارے ایف ۱۰۴ اور بی ۵۲ طیاروں نے شاندار کردار ادا کیا اور جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ کچھ پائلٹوں کا یہ فقرہ: بچو بچو ۱۰۴ اگیا زبان زد خاص و عام ہے یہ ان کی بہادری اور رعب و اب کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

جوڑیاں کی فتح :- جوڑیاں کی فتح کے متعلق نظامی صاحب اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

جوڑیاں کا قلعہ اونچی جگہ پر پختہ بھردوں اور ناقابل تسخیر ٹوچوں پر مشتمل تھا۔ وہاں سے پاکستان پر حملہ کرنے والے فضائیہ کی بھاری سے بھی بڑی حد تک محفوظ تھے ان کے سامنے برق رفتار دریائے توی پہلا خطہ دفاعی بنا ہوا ہے اور اس کے بعد میدان تھا جہاں اگے بڑھنے والے جوڑیاں کے محافظوں کی زد پر تھے لیکن اسی میدان سے جیلے مجاہدوں نے پیش قدمی کی نشیب سے فراز پر حملہ کیا نہ ان کو پختہ بھردوں سے برسے والی گولیاں روک سکیں۔ نہ دریائے توی کی برق رفتاری ان کی راہ میں رکاوٹ بن سکی۔ وہ تڑپتی بجلیوں کی طرح اگے بڑھے اور پلک جھپکتے ہی جوڑیاں کے ناقابل تسخیر قلعہ پر فتح کا پرچم لہرا دیا۔ دشمن کی فوج وہاں سے اس قدر سرسرا سی گئی کہ عالم میں فراز ہو گئی کہ اپنی وردلیوں اور ہاتھ کے ہتھیاروں تک کا کسی کو ہوش نہ تھا۔ یہاں سے پاک فوج کے مجاہدوں کو اس قدر اسلحہ اور نوپ خانہ ہاتھ آیا۔ جس سے ابھی خاصی فوج کو مسلح کیا جاسکے گا۔

ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں سے یہ چند سطور بطور نمونہ ہیں۔ ورنہ اس قسم کے ہزاروں واقعات ہیں۔

۱۹۶۱ء کی جنگ پاکستان کے لئے
۱۹۶۱ء کی پاک بھارت جنگ :- ایک عظیم المیہ ثابت ہوئی مخصوص حالات اور وجوہات کی بنا پر ہمیں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ہماری افواج نے اس جنگ میں بھی اپنی ماضی کی روایات کو جبراً رکھا۔

ملک کے مشرقی بازو میں مسلح افواج کو بڑے نامساعد حالات کا سامنا تھا۔ بری، بحری اور فضائی طاقت دشمن کے مقابلے میں انتہائی کم تھی۔ فضائیہ کے پاس پرانی طرز کا ایک ہوائی اڈہ جو وہ پرتگیزی بھارتی فضائیہ کے اڈوں میں مشرقی پاکستان کے ارد گرد ۲۰۰۰ میل کا طیارے تھے جن میں سے اکثر ۲۱ Mis نیٹ اور ہنٹر تھے۔ ڈھاکہ میں ہماری فضائیہ کے پاس صرف ایک ہی رن دے تھا ہماری فضائیہ صرف ایک دن یعنی ۴ دسمبر کو کام کر سکی ہمارے شاہینوں نے تیرہ بھارتی طیارے گرائے پاکستان کے صرف تین طیارے تباہ ہوئے اس کے علاوہ ہمارے توپچیوں نے طیارہ شکن توپوں سے مزید گیارہ بھارتی طیارے گرائے دشمن کی فضائیہ کو جب دندان شکن جواب ملا تو اس نے حکمت عملی بدل اور رن دے پر زبردست بمباری شروع کر دی جس سے رن دے تباہ ہو گیا۔ جسے فوری طور پر کارآمد بنانا ممکن نہ تھا اس لئے فضائیہ اپنے باقی گیارہ طیاروں سے کوئی کام نہ لے سکی جنگ کے خاتمے پر ان کو ناکارہ اور تباہ کر دیا گیا تاکہ دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔

مغربی محاذ :- مغربی محاذ پر معاملہ لگ تھا اس محاذ پر ہماری فضائیہ نے پہلے ۲۴ گھنٹوں میں دشمن کے ۲۰ طیارے تباہ کئے جب کہ اپنا صرف ایک ایف ۸۶ تباہ ہوا اس کے بعد بھارتی فضائیہ کی سرگرمیاں کم ہو گئیں۔ بھارت کے پاس ۶۰۰ طیارے تھے۔ پاک فضائیہ کی تعداد ایک تہائی سے بھی کم تھی اس کے باوجود پاک فضائیہ کے طیاروں کے حملے طیاروں کی تعداد کی نسبت سے بھارتی حملوں سے کہیں زیادہ تھے۔ ہماری فضائیہ کی اعلیٰ کارکردگی نے بھارتی فضائیہ کی عددی برتری کو غیر موثر بنا دیا جو اس کا شاندار کارنامہ ہے۔

پاک بحریہ :- ہماری بحری طاقت کی تعداد اور استعداد کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے لیکن بے مثال جرات اور بہادری سے اس نے اعلیٰ روایات قائم کی ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں جو کہ دشمن کا بطور خاص ہدف تھا۔ بھارتی بحریہ کو بڑے موثر انداز میں چٹاگانگ بندرگاہ سے دور رکھا۔ دشمن نے اس بندرگاہ میں داخل ہونے کی سرٹوژ کو شش کی۔ چارگن بوٹوں کے معمولی بیڑے اور چند فوری طور

پر کئے گئے انتظامات نے دشمن کی امیدوں پر پانی پھیر دیا جنگ کے خاتمے تک دشمن بندرگاہ میں داخل نہ ہو سکا۔ ہماری بحریہ نے اپنے محدود وسائل کے باوجود چٹاگانگ کی بندرگاہ کے باہر سرنگوں بچھا دی تھیں جس سے بھارتی بحریہ کی رگوں میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ اس حقیقت کا انکشاف اُس وقت ہوا جب ہتھیار رکھ دینے کے فوراً بعد ہندوستانی بحریہ کے محکمہ جاسوسی کا فراڈ نے ہمارے بحریہ کے جوانوں پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی تاکہ انہیں سرنگوں والے علاقے کا ٹھیک پتہ چل جائے اور وہ ان سے بچ کر باسانی چٹاگانگ کی بندرگاہ میں داخل ہو سکیں۔ مغربی محاذ پر پاکستانی بحریہ کو اپنی مایہ ناز ابدوز مدغازی کی تباہی سے بے حد نقصان ہوا۔ بھارتی بحریہ کی راہ سے ایک خوفناک ہتھیار ہٹ چکا تھا۔ ایک چھوٹی بحریہ سے اس کا مقابلہ تھا جسے کئی قسم کی مشکلات کا سامنا تھا اس سب کچھ کے باوجود پاک بحریہ نے موثر طور پر بھارتی بحریہ کا مقابلہ کیا۔

مشرقی محاذ پر کم و بیش ۴ ڈیڑھ فوج تھی ان کی مدد کے لیے دو بری افواج :- ٹینک زعمتیں اور چند فیلڈ آرٹلری یونٹیں تھیں۔ فضائیہ کی امدادی کارروائی پوری جنگ میں کسی بھی محاذ پر میسر نہ ہو سکی۔ اس کے مقابلے میں بھارت نے کئی گنا زیادہ فوج لگا رکھی تھی۔ بھاری توپ خانہ، ٹینک اور فضائیہ اور پہلی کاپیوں کی بے پناہ اعانت حاصل تھی۔ لڑاکا جہازوں کو تباہ کرنے کے ہتھیاروں کا پاکستانی فوج کے پاس قریب قریب فقدان تھا۔ بھارتی فضائیہ بڑے سکون سے مھوم پھر کر بمباری کرتی اور ہمارے جوان بڑی حسرت سے آسمان کی طرف نگاہیں اٹھاتے کہ ہماری فضائیہ کدھر ہے۔ وہ کبھی اُٹے گی۔ لیکن وہ نہ اُٹی تھی اور نہ اُٹی۔ اس سب کچھ کے باوجود دشمن تمام محاذوں پر اپنا زور آزما چکا تھا۔ اُسے کسی اہم اور قابل قدر علاقے پر قبضہ کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ ہتھیار ڈالنے کے بعد جو حالات اور تجربے مختلف ممبرین کے نظروں سے گزرے ہیں۔ ان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حالات اتنے نامساعد نہیں تھے جتنا کہ ان کو تصور کیا گیا ہے۔ ہتھیار ڈالنے میں بڑی عجلت سے کام لیا گیا ہے۔

متعلقہ احکام بہتر جانتے ہوں گے کہ کیا درپیش تھا۔ بہر حال جہانگیرہ لوگوں

کی تنقیدی نگاہیں ہمارے اعلیٰ کمانڈروں کے فیصلے کے خلاف اور عدم جواز کے
حالی ہیں۔

۶۵ء اور ۱۹۶۵ء کی جنگوں کی تمام اہم کامیابیوں کا ذکر نام مقصود نہیں۔ یہاں
تو موضوع کے لحاظ۔

خستہ نمونہ از خروارے۔

نمونہ ایک دو چیزیں (ITEMS) ہی دکھائی جاتی ہیں۔ لہذا اسی پر ہی اکتفا کیا جاتا

ہے۔

جہاد کی تیاری

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دستِ قضا میں صورتِ شمشیر ہے وہ قوم ہرزماں جو کرتی ہے اپنے عمل کا حساب
انتقامی جذبہ انسان میں ایک فطری عنصر ہے حتیٰ دباطل کا ٹکراؤ ابتدا سے آفرینش سے
پلا آ رہا ہے۔ جب متحارب گروپوں میں سے ایک دوسرے کو پکھاڑ دیتا ہے۔ تو بار بار ہوا۔
فریق اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے پہلے سے زیادہ طاقت اور وسائل سے میدان میں آتا
ہے۔ وہ نئے نئے طریقوں اور حربوں سے اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنے کی کوشش
کرتا ہے۔ ایسا فریق جسے برتری حاصل ہو وہ اپنا مقام برقرار رکھنے کے لیے اپنے معیار کو
مزید بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ ضرب و حرب کی کمی راہیں تلاش کرتا ہے۔ غرضیکہ کوئی
فریق بھی اپنی تیاری اور قوت سے قطعی مطمئن نہیں ہوتا خوب سے خوب تر کی تلاش جاری
رہتی ہے۔

غزوہ بدر میں ۳۱۳ مجاہدین نے ایک ہزار لشکر باطل کو شکست دی۔ اگلے سال تبوک
میں کفار مکہ... ۳ کی فوج لے کر حملہ آور ہوئے یہاں سات سو مجاہدین نے ان کی خبر لی۔
اس کے بعد کفار بڑی شد و مد سے تیاری میں مصروف ہو گئے کہ مسلمانوں کو بالکل ہی مٹا
دو۔ چنانچہ غزوہ خندق میں دس ہزار کے لشکر سے مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو تین ہزار مجاہدین
نے مقابلہ کیا۔ اب اگر ان تینوں غزوات کو غور سے دیکھا جائے جیسے جیسے کفار نے تیاری
اور طاقت میں اضافہ کیا ویسے ویسے مسلمان بھی اس کوشش میں مصروف رہے۔ باوجود
گوناگون مسائل اور مصائب کے اپنی عددی قوت میں اضافہ کرتے رہے ایک کے مقابلے
میں تین کی نسبت جو مقام بدر میں تھی وہ قریب قریب اگلے دو غزوات میں برقرار رہی۔

مسن نصرت الہی پر تکیہ لگائے نہ بیٹھے رہے بلکہ اسباب دنیا کرتے رہے ایک ایسی جنگ جو قیامت تک جاری رہنے والی تھی۔ اُس کے لیے وقت کے ساتھ ساتھ تیاری کرتے رہے۔ حالات کے ساتھ اپنی تیاری میں تبدیلی کی۔

غزوہ خندق میں جب یہ محسوس کیا گیا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ نقصان کا اندیشہ ہے۔ تو خندق کے اندر رہ کر مقابلہ کیا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ضرورت محسوس ہوئی تو بحری بیڑے تیار کئے گئے۔ حضرت محمد بن قاسم رضی اللہ عنہ کو دیل کراچی کے قلعہ کو توڑنے میں وقت پیش آئی تو منجیق کے ذریعے پتھر گرا کر قلعہ کی دیوار توڑ دی گئی۔ القصد وقت کے ارتقا کے ساتھ ساتھ دفاعی نقطہ نظر سے جن چیزوں کی ضرورت پیش آئے ان کا ہیا کرنا ضروری ہے۔ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے اُس کے ہتھیاروں کا توڑ اور مد مقابلہ لازمی ہے۔ انگریزوں کے برصغیر پر قابض ہونے کے اسباب کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھلتی ہے کہ برصغیر کی فوج اور بالخصوص مسلمان انگریزوں کے مقابلہ میں زیادہ دلیر اور بہادر تھے۔ جذبہ جہاد کے ساتھ جذبہ حب الوطنی بھی تھا۔ لیکن اس کے باوجود انگریز کامیاب ہوئے جس کی وجہ بعض دیگر اسباب کے ساتھ ساتھ انگریزی فوج کی ہتھیاروں اور گولہ بارود کی برتری تھی۔ ایسے ہتھیار مثلاً توپیں وغیرہ جو برصغیر کی فوجوں کے پاس نہیں تھی۔

جنگِ عظیم دوم میں جرمنی اور جاپان نے اتحادیوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ لیکن ایٹم بم کے ایک ہی وار نے حالات الٹ دیئے اگر جرمنی یا جاپان کے پاس ایٹم بم ہوتا تو یقیناً اتحادی کارروائی کرنے سے پہلے جو ابی کارروائی کے نتائج کا خیال رکھتے اور اور جاپان ضرور جو ابی کارروائی کرتا اور حالات وہ نہ ہوتے جو وقوع پذیر ہوئے بدلتی ہوئی لیکن لوجی اور دفاعی ضروریات کا ہونا لازمی امر ہے۔ درنہ

۵ اگر ہوقبہ مقامی تو نتیجہ ہے تباہی

اگر ہم جو کچھ ہے۔ اسی پر اکتفا کیے رہیں تو معاملہ عربوں اور اسرائیل کا سا ہوگا۔ وہ محض ہتھیاروں کی برتری سے غالب ہے۔ اگر ہمارے عرب بھائیوں نے بروقت ہوش سنبھالے

ہوتے تو یہ المناک صورتِ حال نہ دیکھنی پڑتی اور شاید ہمارے ساتھ لاکھوں کے واقعات پیش نہ آتے۔

حقیقت ازلی ہے رقابتِ اقوام نگاہِ پیرِ فلک میں نہ میں عزیز نہ تو

تیاری میں مصروف رہو:-

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ
مِنْ قُوَّةٍ وَ مِنْ رِجَالٍ
الْمَخِيلِ تَرَاهُمْ
بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ
وَالْآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ -
(پہ اطفال ع)

اور ان کے لیے گھوڑے تیار رکھو جو قوت
تمہیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ
سکو تیار رکھ سکو، کہ ان سے ان کے دلوں
میں دھاک بٹھائے رکھو۔ جو اللہ کے دشمن
اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے سوا
اوروں کے دلوں میں۔

قوت سے مراد ہتھیار یا قلعے اور بیکر یا نشانہ بازی ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ حضور
سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں قوت کے معنی تیر اندازی کے
بتائے ہیں۔ تیر اندازی کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں۔
حدیثِ پاک ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
فرمایا تیر چلانا سیکھو۔ گھوڑے پر سوار ہوا کرو تیر اندازی کرنا لے مجھے گھوڑے پر سوار ہونے
دالوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ جس نے تیر اندازی سیکھ کر چھوڑ دی اس نے خدا کی نعمت
کافران کیا۔ (ابوداؤد)

جہاد کی تیاری کے حکم سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ توپیں۔ جہاز۔ ٹینک۔ میزائل۔ ایٹم بم
آبدوزیں اور دوسرے جدید ہتھیار سب مہیا کئے جائیں۔ مگر دشمن کے ہتھیاروں کی
استعداد۔ تیاری۔ عدوی قوت۔ عسکری جہارت اور طرزِ عمل کا مطالعہ اس کی چالوں پر نظر
اس کے سزائم کا سراخ اور ادوں اور منصوبوں سے آگاہی یہ سب کچھ تیاری میں شامل

ہے۔ اس تیاری کا کام ملک میں مختلف شعبوں کے سپرد ہوتا ہے۔ موجودہ دور کی تباہ کن جنگوں کی پیش گوئی قرآن حکیم میں موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانے کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ہتھیاروں میں بھی ترقی اور تبدیلی ہوگئی اس سلسلے میں احسان قریشی صابری کا حسب ذیل مضمون ۶ جون ۱۹۷۱ء کو نوائے وقت میں شائع ہوا۔

نئے دور میں ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کا تصور اب پرانا ہو چکا ہے

مستقبل کی جنگ :- اس وقت امریکہ، روس، اسرائیل اور فرانس کے پاس ایسے گیس بم پڑے ہیں۔ جن کے دائرے میں آنے والے ہر جاندار چیزتین منٹ کے اندر اندر ہلاک ہو جائیگی۔ بشرطیکہ اس جاندار چیز کا منہ گیس ماسک (GAS MASK) سے محفوظ نہ ہوگی۔ گیس اس قسم کی بھی ایجاد شدہ ہیں جو دو منٹ کے اندر اعصاب مفلوج کر دیں گی اور انسان پر پدمہلک قسم کا فائج گر جائے گا۔ ایسی گیسوں کا تجربہ امریکہ نے چند سال گذرے ویٹ نام کی جنگ میں بھی کیا تھا مگر کراہی کی رائے عامہ کے احتجاج کے بعد گیس بم کا استعمال ترک کر دیا گیا تھا۔ شہر سائمنڈان آئینڈسٹائن سے کسی نے پوچھا تھا کہ تیسری عالمگیر جنگ میں کس قسم کے ہتھیار استعمال ہوں گے؟

اس نے جواب دیا۔

مجھے تیسری عالمگیر جنگ میں استعمال ہونے والے ہتھیاروں کا علم نہیں ہے۔ البتہ میں بتلا سکتا ہوں کہ چوتھی عالمگیر جنگ میں کون سے ہتھیار استعمال ہوں گے۔ چوتھی عالمگیر جنگ ڈنڈوں، سوٹوں اور ہاکیوں سے لڑی جائے گی۔ سوال کرنے والے نے دریافت کیا کہ چوتھی عالمگیر جنگ ڈنڈوں اور ہاکیوں سے کیسے لڑی جائے گی؟ یہ آپ نے کیا کہا ہے وضاحت فرمائیے۔ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ آئینڈسٹائن نے جواب دیا کہ تیسری عالمگیر جنگ میں وہ ہلکے ہتھیار اور مہلک گیسیں استعمال ہونگی کہ انسان تو کیا مار ٹرتو ہیں، ٹینک بجز بند گاڑیاں اور ہببار طیارے ان گیسوں سے یا ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں سے بگل کر پانی کی طرح بہہ جائیں گے۔ ماڈرن ہتھیاروں کا نام و نشان نہیں رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آئندہ نسل کا حضرت انسان کی چوتھی عالمگیر جنگ ڈنڈوں، سوٹوں اور

ہاکیوں سے لڑی جائے گی۔ قرآن حکیم نے کیمیاوی گیسوں اور زہریلے دھوئیں سے جنگِ عظیم ہونے کی حیرت ناک پیش گوئی سورہ "دخان" پارہ نمبر ۲ میں تیسرے سو سال قبل کر دی تھی۔

ترجمہ :- بلکہ وہ شک و شبہ میں کھیل رہے ہیں تو اس دن کا منظر رہ جب آسمان لائے گا۔ صریح دھواں یہ دھواں لوگوں کو گھیر لے گا۔ یہ دردناک عذاب ہوگا پھر وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم سے یہ آفت دور کر ہم اسلام قبول کرتے ہیں۔ اور مومن بننے کے لیے تیار ہیں مگر اب ان کے لیے نصیحت کہاں ہوگی۔ تفسیر بیضاوی میں ان آیات کی تفسیر یوں لکھی ہے کہ یہ قرب قیامت کے زمانہ میں ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے فرمایا کہ قیامت آنے سے پہلے دھوئیں کا عذاب آسمان پر اٹھے گا اور یہ دھواں لوگوں پر چھا جائے گا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے فرمایا کہ دھواں خود لوگوں کا ہی پیدا کردہ ہوگا اور نوع انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اس دھوئیں کا عذاب اتنا دردناک ہوگا کہ کافر لوگ تو فوراً چیخ اٹھیں گے کہ ہم مومن بنتے ہیں اسلام پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم سے یہ دردناک عذاب دور ہو دوسرے راوی مثلاً ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ اور زید بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بھی ایسی ہی تفسیر کرتے ہیں۔ آخری آیت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جنگ کفار کے مابین ہوگی اور جب وہ ختم ہونے لگیں گے تو مومن بننے کی آرزو کریں گے۔ آسمان سے دھواں کیسے آئے گا؟ سورہ قمر پارہ نمبر ۲، اس طرح شروع ہوتی ہے۔

ترجمہ :- قیامت کی گھڑی قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا یہ آیت مبارکہ ذمہ معنی ہے پہلے تو انسان انسان کے ساتھ دھوئیں کی جنگ لڑے گا۔ یعنی زہریلی کیمیاوی گیسوں سے آپس میں لڑائی ہوگی اس سے دنیا کا ہر حصہ تباہ برباد ہو جائے گا اس کے بعد حضرت انسان دوبارہ چاند کی سطح پر راکٹ لے جا کر تجربہ کرنے کے لیے ہائیڈروجن بم چاند کی سطح پر پھینکے گا۔

پہلے معافی جواب تک مفسرین کرتے آئے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب معجزہ شق القمر دکھلایا اور حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کے اشارہ سے ہی چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور کچھ دیر بعد یہ دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ قیامت کے قرب نزلنے میں بھی دوبارہ اسی طرح ہوگا اور پھر قیامت آئے گی۔ اب دوسرے معنی جو جامعہ ازہر قاہرہ (مصر) کے علماء نے کئے ہیں اور مصر کے اخبار الاہرام کے ٹیلیگراف میں گذشتہ سال چھپ بھی چکے ہیں وہ یہ ہیں کہ اس صدی کے سائنس دان چاند کی ماہیت کو پرکھنے کے لیے راکٹ میں ایٹم بم یا ہائیڈروجن بم یا گیس بم لے کر چاند پر جائیں گے۔ اور چاند کی سطح پر ہائیڈروجن بم پھینکا جائے گا۔ اپنی طرف سے وہ تجربہ کریں گے کہ چاند کی سطح کی ہریت کیا ہے؟ چاند کا کچھ حصہ ہائیڈروجن بم کے دھماکہ سے شق ہوگا۔ یعنی پھٹ جائے گا اس طرح چاند سائنسی اقدامات سے دوبارہ شق ہوگا یعنی پھٹ جائے گا۔ آسمان سے زہریلی کیمیادی گیس نیچے زمین کا رخ کرے گی۔ آسمان سے ایسا دھواں زمین پر آئے گا جو انتہائی مہلک ہوگا۔ اس کے بعد قیامت انتہائی نزدیک آجائے گی یعنی اس اقدام کے تھوڑے عرصے کے بعد ہی "روز قیامت" وقوع پذیر ہوگا۔ یہ تہی دوسری تعبیر اس آیت کی یعنی قیامت کی گھڑی نزدیک آچھی اور چاند پھٹ گیا۔ یعنی قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی۔ جب تک پہلے چاند شق نہیں ہوگا اور یہ عمل شق القمر حضرت انسان کے ہاتھوں سے ہی وقوع پذیر ہوگا۔ پہلی کیمیادی گیس کی جنگ بھی حضرت انسان انسان کے ساتھ ہی لڑے گا اور یہ روئے زمین پر ہی واقع ہوگی دوسری جنگ حضرت انسان چاند کی سطح پر لڑے گا اور یہ چاند اس جنگ کی بدولت شق ہوگا اس کے بعد ہی قیامت آئے گی اور دنیا مکمل طور پر تباہ و برباد ہوگی۔

مجاہد کی تیاری :- مجاہد کی تیاری یہ ہے کہ وہ جس کام کا ذمہ دار ہے اُسے جو فرائض سونپنے گئے ہیں۔ جو ہتھیار دیئے گئے ہیں۔ ان میں کمال ہمارت رکھتا ہوں ان کے استعمال میں ہی ماہر ہو بلکہ اصل مہارت تو یہ ہے کہ اپنے کام کے علاوہ دیگر کاموں سے بھی واقفیت رکھتا ہو۔ مثلاً اگر آپ گنر ہیں تو گاڑی

چلانا بھی سیکھیں تاکہ اگر کسی وقت ڈرائیور کسی وجہ سے اپنا کام ذکر کے تو آپ کی پوری پارٹی بیکار نہ ہو جائے۔ ڈرائیور ہیں تو ڈرائیور لیس اپریٹر کا کام سیکھیں گن (LAYING) میں واقفیت پیدا کریں تاکہ بوقت ضرورت کچھ کام کیا جاسکے۔ ٹیکس کا کارڈ ٹیکس کی ڈرائیونگ بھی سیکھیے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر فوجی اپنے کام کے علاوہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے کام سے بھی کچھ نہ کچھ واقفیت پیدا کرے۔ اس سے جنگی اہلیت میں اضافہ ہوگا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ فائر کی مشق :- صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا آپ مبر پر فرما رہے تھے دشمنوں کے لیے اپنی طاقت کے مطابق قوت تیار کرو پھر فرمایا قوت سے مراد رمی (فائر) ہے قوت سے مراد فائر ہے۔ قوت سے مراد فائر ہے۔ (مسلم)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
فائرنگ کی مشق جاری رہنی چاہیے :- روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس نے رمی (فائر) کرنا سیکھا پھر اسے پھوڑ دیا وہ ہم میں سے نہیں یا اس نے نافرمانی کی۔ (مسلم)

فوج کی طرف سے جو بھی سامان ایک فوجی کے حوالے
سامان کی دیکھ بھال :- کیا جاتا ہے یہ ملک اور قوم کی مقدس امانت ہے۔ ہمارے والدین اور بھائیوں کے گاڑے پینے کی کمانی ہے بیرونی قرضہ جس کے عوض ان کو خرید گیا ہے اس کا بوجھ قوم کے سر ہے سامان لوہے اور دھاتوں کا ہے۔ لیکن ہمارے لیے سونا ہے یہ سونا دے کر حاصل کئے گئے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کریں ان کی صفائی کریں ان کو قابل استعمال حالت میں رکھیں ٹوٹ پھوٹ اور بیکار ہونے سے بچائیں ان کی دیکھ بھال جہاد کا حصہ ہے بلکہ میں جہاد ہے ان کا حتمی مقصد قوم اور ملک کا دفاع ہے۔ اس دفاع کی تیاری کے لیے جو کچھ بھی کیا جائے وہ اسی ذمے میں آتا ہے کسی کے ذمے گاڑی ہے اور کسی کے ذمے گن۔ سستی اور ناقص۔ دیکھ بھال سے اس کے پدزے خراب ہو گئے یا کمزور ہو گئے جنگ میں بوقت ضرورت ٹیکس کام نہ کیا

تو یہ جہاد کی تیاری میں خلعت ہے یہ ناقابلِ معافی ہے۔
حدیث پاک ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنی مبارک انگلیاں ایک گھوڑے کی پیشانی پر پھیر رہے تھے اور فرما رہے تھے گھوڑوں کی پیشانیاں قیامت تک خیر کے ساتھ دالبتہ ہیں ان کے ساتھ اجر بھی ملتا ہے اور غنیمت بھی۔ (مسلم)

اب گھوڑوں کی لڑائی کا دور ختم ہو چکا ہے اب تمام وہ فوجی ساز و سامان مثلاً گاریاں، ٹینک، توپیں اور جہاز (ہوائی اور بحری)، وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔ ملک اور قوم مجاہدوں کے لیے عظیم خرچ برداشت کرتے ہیں۔ لہذا مجاہد کا فرض ہے کہ اپنے فرائض منصبی اس طرح ادا کرے کہ اس کی قوم اپنے ملک اور گھروں میں چین کی نیند سوئیں اور یہ سب سے بڑی سعادت ہے۔

صحت اور صفائی مجاہد کے لیے توانا اور تندرست ہونا بڑا لازمی ہے کمزور اور بیمار مجاہد اپنے فرائض اچھے طریقے سے انجام نہیں دے سکتا محنت اور مشقت میں اس کے قوی ساتھ نہیں دیں گے۔ ماحول اگر صاف نہ ہو آپ کی رہائش کے ارد گرد گندگی ہوئی تو بیماریوں کا باعث بنے گی اور ہمارے مقصد کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہوگی اس لیے اپنے ماحول کو صاف رکھیں۔ گندگی نہ پھیلنے دیں۔ ذاتی صفائی کا اہتمام کریں۔ کہ اس طرح آپ بیماریوں سے محفوظ رہیں گے اور ورزش کو محول رکھیں یہ پی ٹی پرٹید اور شام کی کھلیں اس مقصد کے پیش نظر عمل میں لانی گئی ہیں۔ تاکہ مجاہد کے قوی مضبوط ہوں وہ توانا و تندرست ہو جفاکش ہو تاکہ بوقت ضرورت اس کے اعصاب جواب نہ دے جائیں اس میں قوت برداشت ہو۔

عسکری مشقیں - انوار حیات نام کی جنگی چالوں، دشمن کے مخصوص موسم اور حالات سے فائدہ اٹھانے سے بچنے کے لیے اب قریب قریب ہر موسم میں عسکری مشقیں کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے یہ بھی تیاری ہے تاکہ ہر موسم میں

کام کرنے کے مادی ہوں۔ میں مشقوں کو بلائے ناگہانی نہیں سمجھنا چاہیے۔ بادل نخواستہ وقت گزارنے والی بات نہیں کرنی چاہیے بلکہ مجاہدین کا یہ فرض ہے کہ ان کی حقیقی روح کو سمجھیں ان کو جذبہ جہاد کے تحت مستقبل کی جنگ کی تصویر کے روپ میں دیکھیں، نشانہ بازی کی اصل اہمیت کو مد نظر رکھیں۔ یقین کریں کہ مشق سے حتمی مقصد حاصل ہو رہا ہے۔ بوقت ضرورت ہمارا نشانہ خطا نہیں جائیگا۔ اسلحہ بارود بیکار ضائع نہیں ہوگا۔ دشمن زد میں آیا ہوا پتہ نہیں سکتا۔

حدیث پاک ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ اُس نے کہا ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی ایک ڈھال سے اڑناٹے ہوئے تھے۔ ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت عمدہ تیر انداز تھے۔ جب وہ تیر پھینکتے تو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سر مبارک اوجھڑا کر کے ان کے تیر کا نشانہ ملاحظہ فرماتے۔ (مسلم، چنانچہ اپنا تجربہ کریں کہ عسکری نقطہ نظر سے کچھ پلے بھی پڑا ہے یا ایوشس کی فور کاسٹ (EVENTS FORECAST) اور ٹریننگ پٹرول کی الاٹمنٹ سے دامن چھڑانے والی بات کی ہے۔ سمندری مشینیں سیر و تفریح کے لیے کی ہیں یا دفاعی کارگزاری بڑھانے میں کو مدد ملی ہے فضائی پروازیں مشکل لمحات کے لیے تیار کر رہی ہیں یا سارٹیرز (SORTIER) کی تکمیل مطلع نظر ہے۔ جنگ میں فضا محفوظ ہوگی یا ہم وطنوں کی ہماری امیدوں پر نیندیں حرام ہوں گی یہ وہ تیاری ہے جس میں مصروف رہنے کا حکم ہے ہم کس حد تک تیار ہیں۔ کس قدر خلوص نیت سے عمل پیرا ہیں اسے مجاہدین اور اللہ تعالیٰ کے ملاوہ کوئی نہیں جانتا یہ مجاہد خود ہی اندازہ کر سکتا ہے۔ اگر خدا نخواستہ اس میں کوئی کمی یا خامی ہے اور اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جا رہی تو یہ ملک اور قوم کے ساتھ دھوکا ہے۔ اڑے وقت میں ملک اور قوم کی امیدوں پر پورے نہیں اتر سکیں گے ایسے لوگوں کو تاریخ معاف نہیں کرتی اور ان کو آئندہ نسلیں بھی معاف نہیں کریں گی۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص اگلی صفوں میں ہی ہو یا وہ لڑاکا لوگوں میں ہی شامل

ہو کہ اس کی تیاری کر سکتا ہے دفاعی افواج میں شامل ہر فرد دفاعی مشینری کے کل پرزوں کا ایک حصہ ہے۔ اسکا محرک پرزہ ہے اپنی اپنی جگہ بے حد اہم ہے کوئی بھی کام کرنا چھوڑ دے۔ مشینری بیکار ہو جائے گی۔ یا جزوی طور پر متاثر ہوگی اس سے کام کی روانی میں خلل آتا ہے۔ کئی واقع ہوتی ہے۔ متوقع نتائج حاصل نہیں ہوتے۔ انسانی جسم کو لیں ہاتھ کی انگلی کٹ جائے۔ ٹانگ زخمی ہو جائے۔ کان بہرے ہو جائیں۔ انکے خراب ہو جائے۔ بدن پر چوٹ آجائے۔ ان سے پورا جسم متاثر ہوتا ہے۔ کارکردگی میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے فوج کے کل پرزوں کا یہی حال ہے ہر شعبہ ایک اہم جزو ہے سب کا کام ایک دوسرے سے بڑھ کر اہمیت کا حامل ہے۔ لہذا جو جہاں موجود ہے وہ یہ عزم کرے۔

ع۔ کب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی

اس میں دفاعی ساز و سامان مہیا کرنے والے۔ فوجوں کی خوراک لباس طبی امداد اور ٹوٹے پھوٹے سامان کی مرمت کرنے والے موصلات نظام قائم رکھنے والے دفاعی سامان بنانے والے خواہ وہ کہیں ہوں وردی میں ہوں یا سول کپڑوں میں فوجی ہوں یا دوسرے شہری۔ ہر وہ سالن اور انسانی جنبش جو مجاہد کی جتنی تیاری کے لیے مددگار ہو ملک کے دفاع میں کام دے۔ وہ جند ہے اور جہاد کی تیاری کا حصہ ہے اسے انجام دینے والا مجاہد ہے۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

سامان جہاد بنانے والے :- روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ساتھ تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا۔

۱:- اس کے بنانے والا جو اس کے بناتے وقت جہاد کی نیت رکھے۔

۲:- تیر پھینکنے والا۔

۳:- تیر کچھانے والا۔ (ترمذی ابن ماجہ)

یہ حدیث پاک رائفیل کی گولی، توپ کے گولے، بم، میزائل، راکٹ اور

دوسرے ہر قسم کے ایونٹیشن اور ہتھیاروں پر صادق آتی ہے لہذا فیکریوں اور کارخانوں میں کام کرنے والے تمام کارکن اس میں شامل ہیں تیر پکڑانے والا کون ہے جو اسے لڑاکا لوگوں تک پہنچاتے ہیں سٹوروں میں اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اسے قابل استعمال (SERVICABLE) حالت میں رکھنے میں معروف ہیں۔

حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ جنگی سامان پہنچانا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں کسی فازی کو ساز و سامان سے لیس کر دیا اس نے بھی گویا جہاد میں حصہ لیا اور جس نے غازیوں کے گھر بار کی خبر گیری کی گویا اس نے بھی جہاد میں خود حصہ لیا (بخاری و مسلم)

جہاد کی تیاری جاری رکھو۔۔۔ یقین محکم، عمل مبہم، محبت فاتح عالم جہاد زندگی گانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں جہاد کی تیاری یہ ایک مسلسل عمل ہے کبھی بھی تیاری حتمی نہیں ہوتی اور کئی مکمل کار فرما رہتا ہے اس لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا زُرُودَكُمْ
رپٹ۔ نسل۔ ع۔ میں لگے رہو۔

مراد وہی ہے جو گذشتہ سطور میں گزر چکی۔ حفاظت اور تیاری کا ایک دوسرا پہلو مالی قربانیاں ہیں کہ اگر حکومت کو مالی مشکلات درپیش ہوں۔ وسائل کی کمی ہو تو میں مال سے حکومت کی اعانت کرنی چاہیے اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی چند مثالیں گزر چکی ہیں۔ پاکستان میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جنگ اور سیلاب کی تباہ کاریوں سے نپٹنے کے لیے اہل ثروت حضرات نے خیر رقوم مہیا کی ہیں۔ ہمارے وطن میں یہ جذبہ انتہا پر ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ وسائل نہ ہوں اور قطرہ قطرہ مل کر دریا بن جاتا ہے۔ انسان کوئی قابلِ قدر رقم مہیا نہ کرے

تو یہ کہے کہ تھوڑے روپوں کا کیا دیند۔ اس سے کیا فرق پڑے گا اگر زیادہ کا بندوبست نہ ہو سکا تو تھوڑے حصے سے بھی دست کش ہو گئے۔ مثل مشہور ہے۔ "قطرہ قطرہ مل کر دریا بن جاتا ہے" جو کچھ بھی تھوڑا بہت میسر ہو وہ کافی ہے۔ ڈوبتے کو تھکے کا سہارا، تھوڑا تھوڑا ٹکڑا ٹکڑا ایک بڑی رقم جمع ہو جاتی ہے بات تو نیت اور اخلاص کی ہے۔ اس سلسلے میں ایک مشہور مثال حضرت ابو حقیل انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جس کا مالی جہاد میں ذکر ہو چکا ہے۔ اللعنه مقدور بھر کوشش کرنی ہر مسلمان کا فرض ہے۔

دشمنان دین کی یہ خواہش کہ مسلمان اپنے دفاع سے غافل

احتیاط ضروری ہے ہو جائیں وہ تیاری اور ہتھیاروں کے حصول میں غفلت کریں۔ آپ اُنے دن سنتے ہیں کہ بھارتی پارلیمنٹ میں پاکستان اگر اپنے دفاع کے لیے ہتھیار خریدتا ہے تو اس کی مخالفت کی جاتی ہے۔ ہتھیار فروخت کرنے والے ملک پر دباؤ ڈالا جاتا ہے اور یلایا جاتا ہے کہ برصغیر میں امن کو خطرہ لاحق ہے۔ ہتھیار بھارت کے خلاف استعمال ہوں گے تو یہ اسلام کے دشمنوں کی پرانی روش ہے۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَدَا الذِّیْنَ كَفَرُوا لَوْ اتَّخَذُوا
عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِكُمْ
فِيْمَلُونُ عَلَيْكُمْ قِيْلَةً وَآجِدَةً ۗ (پ. نسا، ۱۲۴)

کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم بے خبر
ہو جاؤ اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب
سے تاکہ تم پر پیکار کی حملہ کر دیں۔

لہذا یہ ضروری ہے کہ مسلمان کافروں پر اپنا رعب جمائے رکھیں۔ فوجی مشقوں اور سیکھوں کے ذریعے اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے رہیں تاکہ ان پر رعب قائم رہے اور ہمیشہ ہر حال میں تیاری میں مصروف رہیں۔

بانی پاکستان نے فرمایا۔

ملک کے دفاع کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ پاکستان کو تمام حالات اور خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے دنیا میں کمزور اور بے سہارا

رہنا گویا دوسروں کو حلا کرنے کی دعوت دینا ہے۔ ہم صرف اس طرح امن کے مقاصد کی بہترین خدمات انجام دے سکتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کو حلا کرنے کی ترغیب سے روک دیں۔ جو ہمیں کمزور سمجھ کر ہم پر قابو پانا آسان سمجھتے ہیں۔ اس ترغیب کو ہم صرف اس طرح ختم کر سکتے ہیں کہ اپنے آپ کو اتنا مضبوط اور طاقتور بنائیں کہ کوئی ہم پر حلا کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

جہاد کے مختلف فرائض

جہاد یعنی دشمن سے لڑنے سے پہلے مجاہد مسلسل تیاری میں معروف رہتا ہے۔ ابتدائے اسلام میں تو سامان جنگ کی فراہمی بھی خود کرنی پڑتی تھی۔ موجودہ زمانے میں چونکہ مجاہدین کو مستقل طور پر بھرتی کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی پوری سرروس (ملازمت) میں اسی کی تیاری میں مشغول ہوتا ہے۔ ہتھیاروں کی صفائی اور دیکھ بھال، خانہ بازی، حربی مشقیں سرمدوں کا سپرہ اور گشت (PATROLLING) اور دیگر اسی قسم کے فرائض اس میں شامل ہیں۔ ان فرائض کی انجام دہی بھی جہاد ہے۔ دوسرے نفلوں میں مجاہد کی زندگی زمانہ امن میں بھی جہاد میں شمار ہے۔ اس کے فرائض منصبی چونکہ جہاد کی تیاری کے لیے ہوتے ہیں اس لیے وہ بھی جہاد میں شمار ہیں۔

سپہ گری ایک مقدس فریضہ اور بہترین ذریعہ معاش ہے۔ ^{السان اپنی دوزخی} کمانے کے لیے مختلف طریقے اور پیشے اختیار کرتا ہے کوئی کسان ہے تو کوئی کارخانے کا مالک ہے اور کوئی اس کا کارندہ، کوئی سول میں ملازمت کرتا ہے اور کوئی فوج میں یہ سب دھندے ذرائع معاش کی فراہمی کے لیے ہیں اس طرح جس کا جو مقدر ہے اسے وہ حاصل کر لیتا ہے لیکن ان سب میں ملازمت اور ذریعہ معاش کے لحاظ سے مجاہد (فوج) افضل ہے۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے لیے بہترین وسیلہ رزق والا آدمی وہ ہے جو اللہ کی راہ میں گھوڑے کی باگ تھامے رہتا ہے اور جب کبھی کسی سانحہ یا جارحیت کی

خبر سنا ہے۔ تو اپنے گھوڑے کی پشت پر تیزی سے وہاں پہنچتا ہے اور اس کا ارادہ دشمنوں کو قتل کرنے کا ہوتا ہے یا خود شہادت کے مرتبہ پر فائز ہونے کا (مسلم)۔
 مجاہد یعنی فوجی سپاہی نے اپنے آپ کو اسی مقصد کے لئے وقف کر رکھا ہے۔
 انڈیا کی کمانی معجز، اوزمی بہترین رتق ہے اور اس کا فریضہ ایک مقدس فریضہ ہے۔ جہاں کہیں اور جب بھی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ قربانی کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اس کا مقصد ملک کا دفاع کے لیے جان عزیز کی قربانی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوتا۔ اس طرح فوجی ہونا دنیا و دنیا دونوں کی فلاح کا باعث ہے۔

مجاہدین سرحدوں پر دشمن کی دیکھ بھال کے لیے کہ ملک پر حملہ نہ ہو۔ سیریل کا پہرہ کر دے۔ یہیں اچانک نہ اُٹے دن رات پہرہ دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں گرمی سردی برداشت کرتے ہیں کبھی کبھی بعض حالات کی بنا پر چھتکشی اور معمولی فائرنگ کے واقعات بن جاتے ہیں کبھی زخمی اور بعض اوقات شہادت کی نوبت بھی آ جاتی ہے۔ پھر دشمن۔ ایجنٹوں کی تحریکیں کارروائیوں کو روکنے کے لیے مجاہدین گشت بھی کرتے ہیں۔ جسے ہم فوجی زبان میں پٹرولنگ (PATROLLING) کہتے ہیں تاکہ دشمن چھپ کر یا اندھیرے کی آڑ میں ملک کے اندر داخل نہ ہو جائے۔ مجاہدین ہر موسم اور ہر حال میں اس کام پر مامور ہوتے ہیں۔ اسلامی لحاظ سے یہ ایک عظیم خدمت اور بے مثال عبادت ہے۔
 احادیث میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے۔

حدیث پاک ہے۔

۱:- حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک دن کے لیے سرحدوں پر پڑاؤ کرنا دنیا اور دنیا بھر کی نعمتوں سے بہتر ہے (بخاری و مسلم)

۲:- حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک دن رات پڑاؤ دینا (سرحد پر) ایک ہفتے کے روزوں اور ایک مہینہ کی عبادت سے بہتر ہے۔ اگر اس

حالت میں کوئی مجاہد فوت ہو جاتا ہے تو اس کا وہ عمل جاری رہتا ہے جو وہ کر رہا تھا اور اُسے (شہید کا) رزق ملنے لگتا ہے اور عذابِ قبر سے محفوظ ہو جاتا ہے (مسلم) مطلب یہ کہ موت کے بعد اُس کو مسلسل روزوں اور عبادت کا ثواب ملتا رہے اور بڑھتا رہے گا۔ اس طرح یہ عمل دائمی عبادت کا باعث بن جاتا ہے۔

۳:- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی ایک وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر کی وجہ سے روپڑی دوسری وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات بھر جاگتی رہی (مسلم)

گشت کا ثواب :- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام گشت کرنا۔ دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

مجاہد جب جہاد کے لیے روانہ ہوتا ہے تو اُسے طویل سفر پیدل، گاڑیوں اور جہازوں جن میں ہوائی جہاز اور سمندری دونوں شامل ہیں۔ میں کرنے پڑتے ہیں۔ جن کی فیصلت احادیث سے ثابت ہے۔

سفر جہاد کا ثواب :- کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بندے کے پاؤں جو اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوئے اُن کو آگ نہیں چھو سکتی۔ (بخاری) مطلب وہ ہرگز دوزخ میں نہیں جائیگا۔ ایک اور حدیث پاک ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندہ خدا پر اللہ کی راہ میں گرد آلود کر پڑی ہو اُس کو دوزخ کا دھواں نہیں پڑے گا۔

دھواں اُسے گلے گا۔ جو دھوئیں والی جگہ جائے گا۔ آگ کی گرمی اُسے محسوس ہوتی

ہے۔ جو آگ کے پاس جائے۔ لہذا معلوم ہوا کہ مجاہد دوزخ سے بری ہے۔

حضرت اُمّ حرام سے روایت ہے کہ حضور
سمندر میں سفر اور جہاد کرنا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جہاد کیلئے
سمندر میں سفر کرنے والے شخص کو اگر تھے وغیرہ کی تکلیف ہو جائے تو اسے شہیدوں
کا ثواب ملتا ہے اور اگر وہ ڈوب جائے تو اسے شہیدوں کا ثواب ملتا ہے (البدایہ)

حضرت اُمّ حرام حضرت انسؓ
حضرت اُمّ حرام کی سمندری سفر کیلئے دعا:- کی خالہ تھیں۔ حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے اُن کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور کبھی دوپہر
کو بھی وہیں آرام فرماتے تھے ایک مرتبہ حضور اُن کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ سکرانے
ہوئے اُٹھے اُمّ حرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے مال بلاپ آپ پر قربان ہوں
کس بات پر مسکراتے ہوئے اُٹھے آپ نے فرمایا میری اُمت کے کچھ لوگ دکھلائے
گئے جو سمندر پر لڑائی کے ارادے سے اس طرح سوار ہوئے جیسے تختوں پر بادشاہ بیٹھے
ہوں اُمّ حرام نے عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرما دیجئے کہ حق تعالیٰ شانہ مجھے بھی ان
میں شامل فرما دے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم بھی اُن میں شامل ہوگی۔
اُس کے بعد پھر حضور نے آرام فرمایا اور پھر مسکراتے ہوئے اُٹھے۔ اُمّ حرام نے پھر سکرانے
کا سبب پوچھا۔ آپ نے پھر وہی درخواست کی کہ یا رسول اللہ آپ دعا فرمائیں کہ میں بھی
اُن میں ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم پہلی جماعت میں ہوگی۔

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے جو شام کے حاکم تھے۔ جزائر قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی۔ حضرت عثمان رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت دے دی۔ امیر معاویہ نے ایک لشکر کے ساتھ حملہ کیا۔ جس
میں اُمّ حرام بھی اپنے خاندان حضرت عبادہ کے ساتھ شکر میں شریک ہوئیں اور واپسی
پر ایک فخر پر سوار ہو رہی تھیں کہ وہ بدکا اور یہ اُس پر سے گر پڑیں۔ جس سے گردن ٹوٹ
گئی اور انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن کی گئیں۔ یہ سمندر میں جہاد کرنے والوں کی فضیلت

ہے جو کہ بحریہ سرانجام دیتی ہے۔ القصد مجاہدین خواہ وہ افواجِ پاکستان کے کسی شعبے سے تعلق رکھتے ہوں۔ مسلسل اپنے فرائض منصبی میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حسبِ ذیل ارشادِ پاک کی عملی مثال ہے۔

• رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک صحابی نے پوچھا کہ مومن کی زندگی کیا ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا جب جہاد ہو رہا ہو تو اس میں شریک ہو اور جب جہاد نہ ہو رہا ہو تو اس کی تیاری میں مصروف ہو۔

جنگی آداب

ایک مثل ہے EVERY THING IS FAIR IN LOVE AND WAR

محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز ہے۔

دشمن کو شکست دینے اور فتح حاصل کرنے کے لیے ہر وہ حربہ استعمال کیا جاتا ہے جو انسانی بس میں ہو۔ اصول و ضوابط کی پابندی کم ہی کی جاتی ہے یہ محض کتابوں، لکھنے پڑھنے اور کہنے تک محدود ہیں۔ پھر اگر ایٹمی جنگ کو مد نظر رکھا جائے۔ جس کی ہلاکت خیزوں کا دائرہ وسیع اور تباہ کن ہے کہ زمین پر کوئی ذی روح بچ ہی نہیں سکتا۔ اس کو دیکھتے ہوئے یہ ایک لا حاصل بات معلوم ہوتی ہے۔ ایٹمی جنگ کا کبھی موقع آئے یا نہ آئے۔ اُنے دن چھوٹی بڑی لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ بالخصوص غیر ایٹمی ملکوں کے درمیان لڑائی کی صورت میں اس کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ بہر حال حالات کچھ بھی ہوں ایک مسلمان مجاہد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دوران جنگ کن کن باتوں کا خیال رکھے گا۔ دشمن پر فتح کی صورت میں وہ کیا طرز عمل اختیار کرے گا۔ آگاہ ہونا ضروری ہے۔

اسلام دنیا میں کفر و شرک اور فتنہ و

جہاد میں دشمن کے قتل میں احتیاط :- فساد کا خاتمہ، مظلوموں، بے کسوں کی

مدد اور نجات کا داعی ہے۔ کسی بے گناہ پر دست درازمی کی اجازت نہیں دیتا۔ دشمن سے شائستگی کے برتاؤ کا حکم دیتا ہے۔ جنگ میں قتل اور طرز عمل کی حد مقرر کی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اللہ کی راہ میں لڑو لیکن حد سے نہ بڑھو۔

دَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَنْ
يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا
يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (پ ۷، ۸)

اللہ کی راہ میں لڑو ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

مقصود تم ان سے لڑو جو تمہارے خلاف ہتھیار اٹھاتے ہیں۔ جو جنگ میں علی طور پر
 حصے رہے ہیں۔ اس حکم کے تحت بوڑھے، عورتیں، بچے، بیمار اور غیر جانبدار لوگ مستثنیٰ
 ہیں۔ اسلام میں ان کو قتل کرنا جائز نہیں۔ صرف ان کو قتل کرنا جائز ہے جو جنگ میں مصروف
 ہیں اور جہان کی مدد کر رہے ہیں اور پھر عدسے بڑھنے سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ انتقام
 اور غصہ کے حوش میں ایسے لوگوں کو بھی قتل کر دینا جو رطائی میں شامل نہ ہوں۔ ان کے
 کھیتوں، باغوں، پھل دار درختوں اور مکانوں کو آگ لگانا۔ جانوروں کو بے مقصد مارنا
 یا ذبح کرنا۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا ذاتی فائدے یا مقصد کو پیش نظر رکھ کر کوئی کام
 کرنا یہ اسلام کی نگاہ میں زیادتی ہے۔ اللہ سے پسند نہیں کرتا اور نہ ہی مسلمان کے لیے
 زیبا ہے کہ عدسے سے تجاوز کرے۔

مصریہ موتہ کی مہم سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خطاب :-

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مصریہ موتہ کے لیے مہم روانہ کرتے وقت خطاب
 فرمایا۔ اللہ کا نام لے کر اپنے اور خدا کے دشمنوں سے شام کے میدان میں جنگ چھیڑ دو۔
 وہاں تم کو خانقاہوں میں گوشہ نشین راہب ملیں گے ان سے دیکھو کوئی تعرض نہ کرنا
 اور بعض تمہیں وہاں ایسے لوگ ملیں گے جن کے سروں میں شیطنیت کوٹ کوٹ کر بھری
 ہوگی ان کو کاٹ کر ڈال دینا۔ اور دیکھو عورت، شیر خوار بچہ اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، کھجور
 اور کوئی دوسرا درخت اور نہ ہی کسی عمارت کو تباہ کرنا۔

حضرت اسامہ بن زید کی مہم اور خلیفہ اول کا خطاب :-

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منصبِ منذرِ خلافت سنبھالنے
 کے بعد اسامہ بن زید کی مہم جو کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی علالت کی وجہ
 سے رُک گئی تھی۔ فوراً روانہ کی۔ مہم کو روانہ کرتے وقت یوں نصیحت فرمائی۔

لوگو! ٹھہرو جاؤ میں تمہیں دس باتوں کی نصیحت کرتا ہوں۔ ان کو یاد رکھنا۔

۱۔ خیانت نہ کرنا ۲۔ مال نہ چھپانا ۳۔ بے وفائی سے بچنا ۴۔ کسی کے اعضاء کا ٹھکانا۔

باعث ہیں۔ اس طرح فصلیں تباہ نہ کی جائیں۔ جہاں ممکن ہو یا جہاں ضرورت نہ ہو۔ اسے بھی تباہ نہ کیا جائے۔ اس طرح جانوروں کو کھانے کے حد تک کے علاوہ ذبح نہ کریں۔ بلاوجہ گولی نہ ماری جائے کہ اللہ کی مخلوق ہے۔

سب سے زیادہ تاکید اسلام کا اظہار کرنے والے
اظہار اسلام کے بعد حکم :- کے بارے میں ہے اگر کوئی اپنا مسلمان ہونا ظاہر
 کرے۔ مگر پڑھے اسلام علیکم کہے تو اسے قتل کرنے کی اجازت نہیں وہ مجھوٹا ہے یا سچا یہ
 اللہ ہی کو معلوم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اے ایمان والو جب اللہ کی راہ میں سفر
 کرو تو تحقیق کریا کرو اور اس شخص کو جو تم
 کو اسلام علیکم کرے نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں
 تم دنیا کی زندگی کا اسباب چاہتے ہو۔ سو
 اللہ کے ہاں بہت غفیمتیں ہیں تم بھی تو ایسے
 ہی تھے اس سے پہلے پھر اللہ نے تم پر احسان
 کیا۔ سو اب تحقیق کر لو بے شک اللہ تمہارے
 کاموں سے خبردار ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي
 سَبِيلِ اللَّهِ فَبَيْنَكُمْ أَدْلًا لَلَّذِينَ آمَنُوا
 وَاللَّيْكُمُ الشُّكْرُ لَسْتُمْ مَرْمِيًا بَلْتَسْعُونَ
 عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنَّ اللَّهَ مَفَانِعُ
 كَثِيرَةٌ وَكَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ
 فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ
 كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا
 (پہ لسا۔ غ)

مُراد یہ ہے کہ جس میں اسلام کی نشانی اور علامت پاؤ اس سے ہاتھ روک لو اور جب
 تک اس کا کفر ثابت نہ ہو جائے اس پر ہاتھ نہ ڈالو۔ یہ آیا کہ یہ مرد اس بن نہیک کے حق
 میں نازل ہوئی۔ جو اہل فدک میں سے تھے اور ان کے سوا ان کی قوم کا کوئی شخص اسلام نہ
 لایا تھا اس قوم کو خبر ملی کہ شکر اسلام ہماری طرف آرہا ہے تو پوری قوم بھاگ گئی لیکن مرد اس
 ٹھہرے رہے۔ جب انہوں نے دور سے شکر کو دیکھا تو اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی
 غیر مسلم جماعت ہو۔ اپنی بجزیوں کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ جب شکر قریب آیا ان کے
 اللہ اکبر کے نعروں کی آوازیں سنیں تو یہ بھی بکیر پڑھتے ہوئے نیچے اتر آئے اور کلر طیبہ پڑھا
 مسلمانوں کو اسلام علیکم کہی مسلمانوں نے یہ خیال کیا کہ اہل فدک سب کافر ہیں۔ یہ ہمیں دھوکا

دینے کے لیے یہاں رہ گیا ہے۔ اس خیال سے اُسامہ بن زید نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریاں پکڑ کر لے آئے۔ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سارا ماجرا بیان کیا۔ سن کر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہایت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا تو نے اُس کو اُس کے مال کی وجہ سے قتل کیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مقتول کی بکریاں اُس کے وارثوں کو واپس کر دیں۔ (حاشیہ ترجمہ اعلیٰ حضرت بر طبری ۴)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب شکرِ رواہ فرماتے تو حکم دیتے کہ اگر مسجد دیکھو یا اذان سنو تو قتل نہ کرنا۔ فقہا فرماتے ہیں کہ اگر یہودی یا نصرانی کہے کہ میں مومن ہوں تو اُس کو تسلیم نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے ہی عقیدہ کو ایمان کہتا ہے اُس کا یہ ایمان اپنے مذہب کے متعلق ہے۔ اسلام اسے قبول نہیں کرتا اور اگر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے تب بھی اُس کے مسلمان ہونے کا اعتبار نہ کیا جائے۔ جب تک وہ اپنے پرانے دین سے مراد یہودیت اور نصرانیت سے بیزاری اور اس کے باطل ہونے کا اقرار نہ کرے۔ البتہ کلر طیبہ پڑھنے کی صورت میں پوری تحقیق کرنے سے پہلے کوئی کارروائی منع ہے۔ قتل کرنا منع ہے۔ اس لیے کہ ظاہری معیار یہی ہے اور اسلام لانے سے پہلے ہماری بھی یہی حالت تھی۔ جس طرح ہم پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے۔ ہمیں اسلام کی توفیق دی ہے۔ لکن ہے کس اور کو بھی اللہ تعالیٰ ہدایت اور نور اسلام سے نواز دے۔ تمہیں بھی اسی کلمہ کے پڑھنے سے جان و مال کی امان ملی تھی۔

اگر دشمن پر غلبہ کی صورت میں نرمی اور عفو درگزر

انتقامی کارروائی کر سکتے ہو۔ سے کام لیا جائے تو اس کے بڑے اچھے نتائج

برآمد ہو سکتے ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر سرکارِ دو عالم نے تمام اہل مکہ کو معاف کر دیا۔ لا تُبِیْطُ عَلَیْکُمْ الْیَوْمَ اعلان کر دیا کہ تم پر پھیلے تمہارے اعدا اور اسلام دشمن کی وجہ سے کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ تمام اہل مکہ اسلام لے آئے۔ اس طرح اب بھی فتح کے بعد اگر مناسب طرزِ عمل اپنایا جائے تو یقیناً مفید ہو سکتا ہے لیکن اگر دشمنوں کی زیادتیوں کا بدلہ لینا چاہیں تو اُس کی بھی اجازت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ جَاهَدْنَا فَجَاهِدْ أَوْ جَاهِدْ لَنَا
أَوْ جَاهِدْ مَعَنَا فَجَاهِدْ
اور انہیں جس جگہ پاؤ مار ڈالو اور جہاں
سے انہوں نے تم کو نکالا ہے۔ تم انہیں
(پ۔ البقرہ۔ ۱۹۱)

کفار مسلمانوں کو ان کے وطن سے نکال دیں تو اگر مسلمانوں کو دوبارہ قبضہ حاصل ہو
جائے پھر اگر وہ چاہیں تو بے دنیوں کو وہاں سے نکال دیں یہ حکم مسلمانوں کو کفار مکہ کے متعلق
ملاقات کا روحانی مرکز صاف ہو اس سے دشمن کے خلاف انتقامی کارروائی کا جواز موجود ہے۔
مذہب اسلام میں کچھ مہینے ہیں جن میں جنگ چھیڑنے
ماہ حرام میں جنگ کا حکم نہیں۔ مسلمان جنگ کی ابتدا نہیں کر سکتے یہ گناہ ہے

یہ تقریباً سال کے چار مہینے ہیں۔ تقریباً سے مراد چاند کے مہینے ہیں وہ یہ ہیں۔ محرم، رجب،
ذی قعد اور ذوالحجہ عرب قبائل کا لڑنا اور جنگ کرنا عام پیشہ تھا لیکن وہ ان مہینوں میں
جنگ بند رکھتے تھے۔ مذہب اسلام کی رو سے ان مہینوں میں جنگ شروع کرنی جائز
نہیں۔ ہاں اگر دشمن حملہ کر دے جنگ مسلط کر دے تو پھر دفاع کا حکم ہے۔ جو ابی کارروائی
جائز ہے۔ ارشاد ہے۔

يُسَلِّمُونَكَ فِي الْأَسْفَلِ وَالْأَعْلَى
مَنْ جَاهَدْنَا فَجَاهِدْ أَوْ جَاهِدْ لَنَا
تم (اے نبی کریم) سے پوچھتے ہیں حرمت
کے مہینے میں لڑنا کیسا ہے فرما دو اس
میں لڑائی بڑا گناہ ہے۔
(پ۔ بقرہ ۱۹۱)

سلسلہ میں ایک مرتبہ سفر کے دوران بعض صحابہ کرام کی مشرکین سے ٹکر ہو گئی۔
جنگ میں ایک مشرک مارا گیا۔ صحابہ کرام کا خیال تھا کہ یہ لڑائی جمادی الثانی کی تیس
تاریخ کو ہوئی۔ جو کہ حرمت کا مہینہ نہیں تھا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ جمادی الثانی کا
چاند (۲۹) تیس کا تھا اور جس روز لڑائی ہوئی وہ رجب کی پہلی تاریخ تھی۔ جو کہ
حرمت والا مہینہ ہے۔ اس غلطی پر جناب دائرہ طور پر ہو گئی تھی کافروں اور مشرکوں نے بات
کو خوب اُچھالا۔ طعنے دیئے کہ مسلمان حرمت والے مہینوں کا احترام نہیں کرتے اس

طرح اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یہ غلطی ہو گئی ہے اور ہوئی بھی بے خبری میں ہے۔ اب کیا حکم ہے اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ ان چاروں مہینوں میں جنگ شروع کرنا بڑا گناہ ہے۔ لیکن اس صورت میں جب کہ دائرہ کیا جائے۔

موجودہ زمانے میں جنگ کا طریقہ اور دائرہ بڑا وسیع ہے۔ ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ نفسیاتی جنگ بڑے موثر انداز میں لڑی جاتی ہے۔ دشمن کی فوج کو ذہنی طور پر جنگ سے دست کشی ہونے کے لیے دشمن رنگارنگ کے پروپیگنڈے استعمال کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ کبھی جنگ کے موقع پر وہ یہ حربہ استعمال کرے کہ حرمت کا مہینہ ہے۔ مسلمانوں کے لیے اس میں جنگ لڑنا منع ہے۔ ۱۹۶۱ء کی جنگ کے موقع پر دشمن نے ایسا پروپیگنڈہ اٹھایا ریڈیو پر نشر کیا تھا کہ خانو، بلوچو، سندھیو اور پنجابو یہ مشرقی پاکستان ہے۔ یہ جنگیوں کا ملک ہے یہ تمہارا ملک نہیں ہے تم یہاں کیوں اپنی بائیں خالی کر رہے ہو۔ سچے خاں تم کو غلط لڑا رہا ہے۔ خواہ مخواہ تم کو مصیبت میں ڈالا ہوا ہے۔ لڑنا چھوڑ دو ہم تم کو تمہارے وطن بھیج دے گا۔ وغیرہ وغیرہ یہ جنگ کا نفسیاتی پہلو ہے۔ اور یہ اگر کارگر ہو جائے تو ہتھیاروں سے زیادہ کام کرتا ہے۔ بعض اوقات دشمن اس قسم کے پروپیگنڈے پر بنی اشتہار چھپو کر ملاتے ہیں ہوائی جہازوں یا اپنے ایجنٹوں کے ذریعے بھیج دیتا ہے فوج جس علاقے میں ہو وہاں گرا دیتا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے اشتہاروں کو ہمارے ہی ملک کی کسی پریس کے نام سے چھاپا گیا ہو۔ اس پر قرآنی آیات بھی چھپی ہوں۔ لہذا مجاہد کو علم ہونا چاہیے کہ اس سلسلے میں کیا حکم ہے۔

حکم صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنی طرف سے جنگ شروع کرنے میں پہل نہ کریں۔ علمائے کرام اس پر متفق ہیں کہ اب بھی جب کافر یا دشمن ملک دشمن اسلامی ملک بھی ہو سکتا ہے، جنگ شروع کر دیں تو مسلمان اپنی حفاظت کے لیے دفاعی اور جوابی جنگ لڑ سکتے ہیں۔ ان کے حملے کا جواب دے سکتے ہیں۔ ان مہینوں کے تقدس کے مقابلے میں جانوں اور ملک کا دفاع زیادہ مقدس ہے۔ ان کا بچانا زیادہ ضروری

ہے۔ جب دشمن ابتدا کر دے تو اس کے دفاع کے لیے حرمت والے مہینوں کا تقدس مانع نہیں تقدس اُس وقت برقرار رہ سکتا ہے جب دونوں فریق یعنی جنگ میں متارب گردہ دونوں اس پر عمل پیرا ہوں۔ ایسا ایک موقع حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں پیش آیا۔

جنگ صفین ۳۷ھ :- رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ یہ جنگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ زبیر بن عوف کے درمیان ہوئی۔ دونوں طرف اُمت مسلمہ کے خیر خواہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بڑی تعداد موجود تھی۔ صلح کی بہت کوششیں ہوئیں لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ انفرادی معرکے اور دستوں دستوں کی لڑائی ہفتے جاری رہی لیکن کوئی بڑا معرکہ پیش نہ آیا اس کے بعد ماہ حرام شروع ہو گیا۔ چنانچہ لڑائی بند ہو گئی۔ اس عرصے میں بھی مصالحت کی کوششیں کی گئیں لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ لہذا یکم صفر کو دوبارہ جنگ شروع ہو گئی۔ شامیوں کو شکست ہوتی نظر آئی تو کلام پاک نيزوں پر باندھ کر بلند کیا کہا ہمارے درمیان کتاب اللہ موجود ہے اس کا فیصلہ آخری ہو گا۔ جنگ بند ہو گئی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُسے بخوبی سمجھتے تھے کہ شکست سے بچنے کے لیے یہ ایک چال ہے آپ نے مخالفت کی لیکن حوائی لشکر کی اکثریت کلام پاک دیکھ کر جنگ سے دست کش ہو گئے۔ لہذا ہمارا آپ نے بھی اسے قبول کر لیا۔ مصالحت اور فیصلہ کے لیے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت امیر معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص ثالث مقرر ہوئے۔

انہوں نے فیصلہ کیا کہ دونوں خلیفہ حضرات کو معزول کر دیا جائے اور جنگ و جدل سے بچنے کے لیے مسلمان یا خلیفہ چن لیں۔ اعلان کے وقت عمرو بن العاص نے ہوشیاری سکام لیا فیصلے کا اعلان پہلے ابو موسیٰ اشعری سے کر دیا۔ جب وہ اعلان کر چکے کہ میں دونوں خلیفہ حضرات کو معزول کرتا ہوں تو عمرو بن العاص کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ ابو موسیٰ اشعری نے حضرت علی کو معزول کر دیا میں بھی انہیں معزول کرتا ہوں اور

امیر معاویہ کو خلیفہ بحال رکھتا ہوں کیونکہ وہ خلیفہ شہید کا ولی ہے۔

ایک اور موقع پر مشرکوں نے مسلمانوں پر محرم کی آخری تاریخوں میں
دوسرا واقعہ :- حملہ کر دیا۔ مسلمان ماہ مبارک کی حرمت کی وجہ سے لڑنا نہ چاہتے تھے
 مگر مشرک زمانے انہوں نے قتال شروع کر دیا ناچار مسلمانوں کو بھی لڑنا پڑا۔
 ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ذَلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوِّبَ
 بِهِ تَدْبَعْنِي عَلَيْهِ لِيَنْصُرَنَّهُ اللَّهُ ط
 إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ (پ - العج - ۱۵)

بات یہ ہے اور جو بدلہ لے جیسی تکلیف
 پہنچائی گئی تھی پھر اس پر زیادتی کی جائے
 تو بے شک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا
 مسلمانوں کو حکم ہے کہ اگر بدلہ لینا چاہو تو برابر کا بدلہ لو۔ کفار اگر زیادتی کریں تو بے شک
 اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور وہ اس پر قادر ہے۔

کعبہ معظمہ کے چاروں طرف کئی میل
حدود حرمین شریفین میں جنگ منع ہے :- کا علاقہ اصطلاح میں حرم کہلاتا
 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کے احترام میں اس کی حدود میں جنگ منع فرمایا ہے کسی حالت
 میں کشت و خون روا نہیں۔ حتیٰ کہ جانوروں کا شکار بھی نہ کیا جائے۔ اس محترم مقام کا
 درندے بھی احترام کرتے ہیں۔ کوئی درندہ حرم شریف کی حدود کے اندر اپنے شکار
 پر حملہ نہیں کرتا۔ انسان کی تو بات ہی اور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا هُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
 حَتَّى يُقْتَلُوا مِنْكُمْ فَإِن تَلَّوْا كُفْرًا
 قُتِلْتُمْ وَكَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ه فَإِن
 نَسُوا أَنفَانَ اللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
 (پ - البقرة - ۱۹)

اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو جب
 تک وہ تم سے وہاں نہ لڑیں اور اگر تم سے
 لڑیں تو ان کو قتل کرو۔ کافروں کی یہ سزا ہے
 پھر اگر وہ باز رہیں تو بے بیشک اللہ بخشنے
 والا مہربان ہے۔
 اگر دشمن مجبور کرے جیسا کہ آیت کریمہ سے ظاہر ہے تو پھر اُنکے خلاف کارروائی کرو۔ اسکے صحیح
 احکام موجود ہے اُن کا خاتمہ کرو اللہ تعالیٰ دانا دینا ہے۔

موت اٹل ہے

بزرگانِ دین فرماتے ہیں منزل جس قدر بلند ہو اس کا امتحان بھی اسی قدر بڑا ہوتا ہے۔ انعام جس قدر بڑا ہوتا ہے اُس کی منزل اتنی ہی کٹھن اور صبر آزما ہوتی ہے اُس کے لئے اسی قدر ہائی اور عالی کوشش درکار ہوتی ہے۔ سرسری نگاہ میں ظلم، زبان اور مال سے جہاد کرنا یہ قدرے اُسان معلوم ہوتا ہے یہ عوام اتنا اس کا خیال ہے۔ حالانکہ اس میں مصائب کے بے پناہ طوفان سے ٹکرانا پڑتا۔ پریشانیاں اور خترات اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ قید و بند کی صعوبتیں تو عام معمول ہے اور کبھی کبھی جان سے ہاتھ بھی دھونے پڑتے ہیں۔ لیکن جہاد بالیغ کی نسبت اس کے مواقع کم ہی ہوتے ہیں۔

ہم جیسے کمزور عقیدہ والے لوگوں کو سب سے بڑی شکل اُس وقت پیش آتی ہے۔ جب جان سے جہاد کرنے کی نوبت آتی ہے۔ عملی طور پر حصہ لینا پڑتا ہے۔ اس میں موت کا امکان تو ہر لمحہ ہوتا ہے۔ انسان کے دل و دماغ پر موت کے خوفناک سائے پڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔ شیطان دوسو سے اسے اور ڈراؤنا بنا دیتے ہیں۔ پھر دورِ حاضر کی جنگ موجودہ تباہ کن ہتھیاروں کی وجہ سے اور ہی خوفناک ہے۔ جنگ کے دوران ملک نہر گوشہ محاذِ جنگ کی مانند ہے۔ کوئی جگہ ایسی نہیں ہو سکتی جو ہوائی حملوں اور ایٹمی زد سے محفوظ رہے بہر حال محاذِ جنگ کی تصویر کچھ ایسی دکھائی دیتی ہے۔

انسان کے ذہن میں محاذِ جنگ کا تصور یہ ہو سکتا ہے۔ مختلف اقسام کے بم پھٹ رہے ہیں۔ بارودی سرنگوں کی بھرمار ہے گولیوں کی بارش ہو رہی ہے۔ رائفل لائٹ، مشین گن، ہسوی گن اپنے اپنے جوہر دکھا رہی ہیں۔ ٹینک براہِ راست فائر کر

رہے ہیں۔ ہوائی حملے تا بڑ توڑ جاری ہیں۔ یہاں جم کر مقابلہ کرنا یا پیش قدمی کرنا یہ ایک مشکل مرحلہ ہے۔ مین مکن ہے کہ وہاں اعصاب جواب دے جائیں۔ انسان کا ذہن اور عقل پر مشورہ دے کہ مارے جاؤ گے۔ زخمی ہو جاؤ گے۔ یہ بھی مکن ہے کہ بم پھٹنے سے اعضا کٹ جائیں گے یا ناکارہ ہو جائیں گے دنیا کی دولت اور سب کچھ یہیں دھرا رہ جائے گا۔ بیوی بچوں کا کیا ہو گا یہ ایسے خیالات ہیں جو ہر انسان کے ذہن میں آ سکتے ہیں۔ خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا۔ بے شک انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے کہ دائرے میں ہم سب آتے ہیں۔ بعض فطری کمزوریاں ہر انسان میں پائی جاتی ہیں۔ ان سے متبر ہو نیکا دعویٰ یہ کم و بیش ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس طرح مذکورہ خیال انسان کو تذبذب میں ڈال سکتے ہیں۔ شیطان موت کو انتہائی خوفناک اور دنیا کو انتہائی حد تک حسین اور دلربا بنا کر پیش کرتا ہے۔ اپنا اپنا کام ہے اس نے بھی قیامت تک کے لیے مہلت لے رکھی ہے انسان اپنے کام میں سستی کرے یا نہ کرے یہ اس کی مرضی ہے البتہ شیطان اپنے کام میں بالکل غفلت نہیں کرتا۔ ناقابل یقین مستعدی اور خوش اسلوبی سے اپنا کام جاری رکھتا ہے۔ ہاں تو دیکھنا یہ ہے کہ موت جس انسان آنا خائف ہے کیا کسی تدبیر سے مل سکتی ہے ہیر پھیر سے کوئی دو چار سال کی زندگی کی مہلت مل سکتی ہے اگر ہم پوری حفاظتی تدابیر سے کام لیں۔ عین جنگ کے مقام پر نہ جائیں پیچھے یعنی (REAR) میں رہ جائیں یا محاذ کے ساتھ کسی محفوظ جگہ پناہ لے لیں تو گولی یا بم کے گولے سے بچ سکتے ہیں۔ شیل پروف بنکر (SHELL PROOF BUNKER) مناسب جگہ معلوم ہوتی ہے یا پھر وقتی طور پر کچھ دنوں کے لیے ویسے ہی بھاگ جائیں۔ رٹائی کے بعد دیکھا جائیگا اللہ مالک ہے جان بچانی فرض ہے۔

یہ وہ منقری تدبیریں ہیں جو شیطانی دوسے ایک مجاہد کے دل میں ڈال سکتے ہیں اس طرح مجاہد کے لیے بیک وقت دو محاذ کھل جاتے ہیں ایک دشمن کا جو محاذ جنگ پر سامنے آ جائے گا اور ایک ایسا دشمن ہے جو نظر سے غائب دل و دماغ پر حملے کر رہا ہے دونوں کے مقابلے کے لیے ہتھیار درکار ہیں۔ دشمن کو گولہ بارود سے جواب

دیا جاسکتا ہے اینٹ کا جواب اینٹ سے اور اگر ممکن ہو تو پتھر سے لیکن شیطان کے
 محلے کا جواب کیا دیا جائے۔ اس پر کون سا ہتھیار استعمال ہوتا ہے۔ مقولہ ہے دولت
 کی حفاظت کرنی پڑتی ہے اور علم ایک ایسی دولت ہے جو انسان کی حفاظت کرتا ہے
 حفاظت کس طرح؟ علم انسان کو گناہوں اور برائیوں سے آگاہ کرتا ہے۔ تدبیر اور تقدیر کی
 حدود بتاتا ہے اس کے مطابق عمل کرنے کے لیے راستہ بتاتا ہے۔ اس طرح دنیا و آخرت
 کے وبال سے محفوظ کر دیتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ انسان موت کے احکام سے آگاہ ہو
 تاکہ شیطانی دوسوسوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔

کلام پاک میں ارشاد ہے۔

موت اور احکام الہی :- کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط " ہر ذمی روح کو موت کا

مذہ چکھنا ہے " یہ ہر قانونِ فطرت ہے۔ ہر مخلوق خدا کو جلد یا بدیر اس راہ سے گزرنا
 ہے کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں ہارون الرشید نے مرتے وقت اپنے بیٹے کو نصیحت
 کی کہ تجھے بھی ایک دن اسی شاہراہ سے گزرنا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی
 اس نصیحت کو اپنے شاعرانہ کلام میں یوں پیش کیا۔

ہارون نے کہا وقت رحیل اپنے پر سے جاسیگا کبھی تو بھی اسی راہ گزر سے

پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے

کوئی اس سے انکار نہیں کرتا البتہ خطرات کی صورت میں حفاظتی اقدامات،
 احتیاطیں، بیماری کی صورت میں علاج معالجہ اس کے ہم سبھی قائل ہیں۔ حفاظتی اقدامات
 کبھی کامیاب ہو جاتے ہیں اور کبھی ناکام علاج کبھی کارگر ہوتا ہے اور کبھی مریض اس کے
 بس سے باہر بڑی کوشش کی تازہ خون مہیا کیا گیا کیمین وافر مقدار میں مہیا کی لیکن دل
 نے کام کرنا بند کر دیا اس طرح معاملہ ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ اسباب دنیا میں۔ اور کرنے پڑتے
 ہیں لیکن موت و حیات کا کلی طور پر ان پر دار و مدار نہیں، بلکہ وہ ان سب سے بالکل
 اگر یہ بات ہو تو دنیا میں ایسے لاتعداد لوگ موجود ہیں جن کے پاس دولت اور وسائل
 کی کمی نہیں۔ دنیا کے ڈاکٹر اور دوائیاں مہیا ہو سکتی ہیں۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں

ہے ایک ایک کر کے سب چل دیتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حفاظتی اقدامات اور علاج معالجہ کے علاوہ اس سلسلے میں کسی اور بات کو بھی دخل ہے جس کے اُگے تمام تدابیر اختیار ڈال دیتی ہیں۔

اس عام اصول کے بعد ہر ذی روح موت کا وقت، انداز اور جگہ مقرر ہے۔ موت کی شاہراہ سے گزرے گا۔ کلام پاک میں اس کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَتَبَ مُوْتَهُمْ جَلًّا طَرِيقَ الْمَرْتِنِ ع، وقت لکھا رکھا ہے۔ اور کوئی جان بے حکم خدا نہیں مر سکتی سب کا

یہاں صاف تصریح فرمادی ہے کہ کسی ذی روح کے لیے موت نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا حکم روزِ ازل سے ہو چکا ہے۔ ہر ذی روح کی عمر رزق اور موت کا انداز مقرر ہے وہ لوح محفوظ میں درج ہے۔ جب تک وقت مقررہ نہ آئے شرائط الہیہ پوری نہ ہوں۔ موت نہیں آسکتی۔ تقدیر ربانی میں کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ انسان کے بے جا دوسو سے اور خوف کا خاتمہ فرما دیا۔ جب تک حکم الہی نہ ہو گا موت کسی کے پاس نہیں آئے گی۔ اسے از خود کوئی اختیار نہیں کہ جس کو جی چاہے اُدبو پے۔ حکم الہی اُس وقت تک نہ ہو گا جب تک مقررہ وقت پورا نہ ہو جائے۔ جب وقت مقررہ ہو جائے گا تو تب ہی یہ آئے گی۔ تذبذب اور پس و پیش کی ضرورت نہیں جو ہونا ہے۔ وہ ہو کر رہے گا اس آیت کریمہ میں ایک طرح سے جہاد کی ترغیب ہے کفار کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کو قانونِ فطرت سے آگاہ کر کے بہادر اور دلیر بنایا جا رہا ہے اور یہ مسلک بات ہے کہ ہم بھٹیں، گویاں برسینا بارودی سرنگیں بھٹیں، خواہ کچھ بھی ہو آپ کو کوئی چیز گزند نہیں پہنچا سکتی۔

اس کے باوجود بھی اگر کسی کا دل تسلی نہ پکڑے اور یہ ضروری خیال کرے کہ آخر محفوظ جگہ میں گولی کیسے لگ سکتی ہے۔ ملک کے دور دراز علاقوں میں جہاں دشمن

کے پینچے کا امکان نہیں وہاں کس چیز کا ڈر ہے اور خیال ہو کہ مناسب یہی ہے کہ
مدیر کر لی جائے اور وہ کام دے گی۔ یہ تمام خیالی ہے اور کچھ سوتیج ہے۔ موت کے
متعلق کلام پاک میں مزید حکم ہے

موت بند قلعوں میں بھی آجاتی ہے :- کلام پاک میں ارشاد
باری تعالیٰ ہے۔

ابن ما تکتونوا یدد نکو الموت
ولو کنتم فی بروج مشیدہ کاٹ
ہاں سے جہاد سے ڈرنے والو، تم کہیں رہو
موت تو تمہیں آکر رہے گا۔ خواہ بڑے
بڑے مضبوط قلعوں میں ہو۔

پ ۵، نثار - ۷۸
اب انسانی تردد کی گنجائش نہیں۔ کوئی خفاقی تدبیر اس کو ٹال نہیں سکتی اس کٹھالی سے
ہر ذی روح کو گزرنا ہے پھر اس کا انداز جگہ اور وقت مقرر ہے پھر کھلا چلیج ہے کہ تم جہاد
سے جی چراؤ۔ بزدلی کرو۔ پیچھے بھاگ آؤ۔ بیماری کا پہانہ بناؤ۔ ریئر (REAR) میں چلے جاؤ
مضبوط اور مضبوط ٹکر میں پناہ لے لو۔ جو تمہارا جی چاہیے کرو۔ جب وقت آئیگا تو قدرتی کارکن
ہم کر رہے گی۔ تمام تدابیر دوسری رہ جائیں گی بزرگان دین کا قول ہے کہ جب قضا آتی ہے
تو تدبیر کارگر نہیں ہوتی بلکہ انسان تدبیر کرنی بھول جاتا ہے۔ انسان کو نہ وقت کا علم ہے اور
نہ ہی جگہ کا اُسے کہاں موت آئے گی۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ
رِپا۔ لعن۔ ع
اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں
مرے گی۔

اب ہمارے پاس جہاد سے منہ موڑنے کا اور موت سے ڈرنے کا کوئی جواز
نہیں انسان اپنی عاقبت بگاڑے یا سنوارے یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔ دونوں
میدان کھلے ہیں جس میں چائے قدم رکھ لے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یاد رکھیں ایک
ارشاد نبوی :- چیز ہر وقت ہماری تلاش میں ہے اور وہ موت ہے لیکن اُنے
کی اُس وقت جب اللہ کا حکم ہوگا اس لیے موت سے ڈرنا نہیں چاہیے بلکہ اس کا

منظر رتنا چاہیے۔ اس کے لیے زاد راہ اکٹھی کرنی چاہیے مزدورت کے وقت بلا خوف و
خطر آگے بڑھیں زندگی اور موت سے ہماری تدابیر کا کوئی تعلق نہیں اس کا اللہ
مالک ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تدبیر کے سامنے ناکامی تدبیر۔ خلقت نے سو ہزار مرتبہ دیکھا کہ ان کے

عوالم اور تدابیر باطل ہوئیں۔ ان کی وجہ سے ان کی کوئی مراد بر نہ آئی البتہ خداوند
تعالیٰ ان پر نیاں طاری کر دیتا ہے اور وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ اور اپنے خیال

اور اختیار کے تابع ہو جاتے ہیں۔
وَ اَخْلَعُوا اِنَّ اللّٰهَ يَخْوَلُ بَيْنَ اَلْمُرْءِ
قَلْبِهِ رِيْطٌ۔ اَلانْفَالُ ع

اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے قلب کے
درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ رِیْطٌ۔ انفال ع

ابراہیم بن اُدحم رحمۃ اللہ علیہ اپنی بادشاہی کے زمانہ میں شکار کو گیا ہوا تھا ایک
برن کے پیچھے اس نے گھوڑا دوڑایا یہاں تک کہ وہ شکر سے بالکل جدا ہو گیا اور وہ دور
نکل گیا اس کا گھوڑا خشکی سے پینہ میں غرق ہو رہا تھا وہ اسے برابر دوڑانا آہمو کا
تعاقب کرتا رہا اس بیابان سے جب وہ حد سے گزر گیا تو ہرن بولنے لگا۔ اُس نے پیچھے
کو منہ موڑ کر کہا ما خلقت لهذا۔ تجھے اس لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ تجھے انہوں نے اس لیے
پیدا نہیں کیا اور عدم سے تجھے عالم وجود میں اس لیے پیدا نہیں لانے کہ تجھے شکار کرنا چہرے اگر تو مجھے شکار
کیا ہوا مجھ لے تو کیا ہو جائیگا۔ ابراہیم بن اُدحم نے جب یہ سنا تو ایک نعرہ مارا اور اپنے
اُپ کو گھوڑے پر سے گرا دیا اس صحرا میں ایک گڈریا کے سوا کوئی نہ تھا اس کی خوشا
کی اور کہا تو میرا جو اس ہرات سے مرصع شاہانہ لباس اور گھوڑا مجھ سے لے لے اور اپنا
مندہ مجھے دے دے یہ بات کسی کو نہ بتانا اور میری حالت کا کسی کو پتہ نہ دینا اس نے
وہ مندہ پہن لیا اور راہ لی۔

اب دیکھو ابراہیم بن اُدحم کی غرض کیا تھی اور خدا کا مقصد کیا تھا۔ اُس

نے چاہا کہ وہ آہمو کا شکار کرے اور خدا تعالیٰ نے آہمو کے ذریعے اُسے شکار کر لیا۔

اس لیے تو سمجھ لے کہ دنیا میں وہی کچھ ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور مراد اس کی (خدا) ملکیت ہے اور مقصود اس کا تابع ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام لانا:- اسلام لانے سے پہلے حضرت کے گھرانے آپ کی ہمیشہ بلند آواز سے قرآن پڑھ رہی تھی۔ مَا أَنْزَلْنَا لَهُمْ آتَا (اتح) جو نبی بھائی کو دیکھا قرآن کو چھپا دیا اور خاموش ہو گئیں۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار نیام سے نکال لی اور کہا جلد تباؤ تو کیا پڑھ رہی تھی؟ اور اُسے چھپا کیوں دیا بتا ورنہ میں تلوار سے ابھی تیری گردن کاٹتا ہوں۔ کبھے کوئی امان نہیں ملے گی ان کی ہمیشہ بہت ڈریں۔ وہ اُن کے غصہ اور ہیبت کو بہت جانتی تھی۔ جان کے ڈر سے انہوں نے اقرار کر لیا اور بولیں میں اُس کلام میں سے پڑھ رہی تھی۔ جو خداوند تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا۔ عمر بولے پڑھ تاکہ میں بھی سنوں۔ انہوں نے سورہ طہ کی تلاوت کی عمر سخت برہم ہوئے ان کا غیض و غضب سوگنا ہو گیا بولے اب اگر کبھے میں اس گھڑی قتل کر دوں تو یہ قتل اچھا نہ ہو گا میں جانتا ہوں اور پہلے اُس حضور سرور کائنات، کا سر قلم کرتا ہوں اس کے بعد تیرا کام تمام کر دوں گا۔ عمر اس طرح شمشیر برہنہ ہاتھ میں لے کر مسجد نبوی کی طرف لپکے راستے میں قریش سرداروں نے انہیں دیکھا تو بولے بہت خوب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کو نکلا ہے بیشک اگر یہ کام سرانجام ہو گا تو اسی سے ہو گا۔ اس لیے کہ قوت اور مردانگی میں سب سے بڑی شخصیت تھے جس لشکر کی طرف وہ رخ کرتے غالب آتے اور اُن کے سر کاٹ کر خزانہ کے طور پر لاتے اس حد تک کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ فرمایا کرتے کہ اے خدا میرے دین کی عمر کے ذریعے مدد کریا ابو جہل کے ذریعے اس لیے کہ آپ کے زمانہ میں قوت اور مردانگی کے لیے یہ دو مشہور تھے۔ آخر عمر مسلمان ہو گئے تو وہ ہمیشہ یہ کہہ کر روتے یا رسول اللہ مجھے کتنا افسوس ہوتا اگر ابو جہل کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجھ پر مقدم رکھتے اور فرمادیتے کہ اے خدا میرے

دین کو ابو جہل کے ذریعے مدد دے یا عمر کے ذریعے سے میرا کیا حال ہوتا میں گمراہی میں رہتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ عمر شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد کعبہ کی طرف بڑھے۔ اسی اثنا میں جبرائیل علیہ السلام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس خدا کا پیغام لائے کہ یا رسول اب عمر آرہے ہیں تاکہ اسلام لے آئیں۔ انہیں گلے سے لگائیے۔ اتنے میں عمر مسجد میں آگئے انہوں نے دیکھا کہ نور کا ایک تیر مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وجود سے پراں رازا، ہوا اور عمر کے دل میں جا پیوست ہوا۔ عمر نے ایک نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے۔ محبت اور عشق انہی جان میں ظاہر ہو گئے۔ انہوں نے چاہا کہ وہ انتہائی عشق سے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں گداز ہو جائیں وہ آپ میں محو ہو جائیں۔ بولے اے اللہ کے نبی ایمان ظاہر فرمائیے اور وہ کلمہ مبارک ارشاد کیجئے تاکہ میں سنوں جب وہ مسلمان ہو گئے تو بولے ”میں شمشیر برہنہ لے کر آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا تھا اب میں شکرانہ اور کفارہ کے طور پر یہ کدوں گا کہ جس کسی کے متعلق سنوں گا وہ آپ کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے اُسے امان نہیں دوں گا اور اسی تلوار سے اس کا سرتن سے جدا کر دوں گا۔ عمر مسجد سے باہر آئے۔ اتفاقاً ان کا باپ سامنے آگیا۔ باپ بولا ”تو اپنے دین سے پھر گیا“ عمر نے اسی وقت اس کا سرتن سے جدا کر دیا اور خون آلودہ تلوار ہاتھ میں لیے روانہ ہوا۔ قریش سرداروں نے خون آلودہ تلوار دیکھی تو بولے ”تو نے وعدہ کیا تھا کہ میں کاٹ کر سر لاؤں گا۔ سر کہاں ہے؟“ عمر بولے یہ ہے ”سردار بولے“ یہ سر تو یہیں کاٹا ہے۔ یہ وہ سر نہیں ہے“ عمر نے جواب دیا، نہیں یہ وہ سر نہیں“ اب دیکھو کہ عمر کا ارادہ کیا تھا اور اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا تھی۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ تو سمجھ لیے کہ سب کام جس طرح وہ چاہے ہوتے ہیں۔

شعر ترجمہ :- شمشیر بجف عمر رسول کو قتل کرنے آتا ہے خدا کے دام میں پڑا جاتا ہے اور مقدر سے فیض یاب ہوتا ہے (ملفوظات رومیؒ)

بات بالکل واضح ہو گئی ہے۔ تقدیر الہی، انسان کے دل، حالات اور اسباب

کو اپنے مقصود اور تقدیر کے مطابق بدل دیتی ہے اور نوشتہ تقدیر چوکر رہتا ہے۔
جو موت کے ڈر سے بھاگے - کلام پاک میں ایک ایسی قوم کا ذکر ملتا ہے جو
 موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے بھاگ
 گئے یا انہوں نے موت کے ڈر سے دشمن کا مقابلہ کرنا چھوڑ دیا ان کے خلاف ہتھیار
 نہ اٹھائے اور اپنی بستی سے بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کی۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے سزا کے
 طور پر ہاک کر دیا تھا۔ ارشاد ہے۔

الْمَوْتُ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ
 دِيَارِهِمْ وَهُمْ أَلْوَفُّ حَذَرِ
 الْمَوْتِ مَا قَالُوا لَكُمْ اللَّهُ مُؤْتُوا
 ثَوَابًا حَسْرَةً (البقرہ - ۱۷۶)

لاے نبی، کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا
 جو اپنے گھروں سے نکلے موت کے ڈر سے
 مالا مال وہ ہزاروں تھے پھر اللہ نے انہیں
 فرمایا کہ مر جاؤ پھر انہیں زندہ کیا۔

ترجمہ: اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت
 کریمہ میں بنی اسرائیل کی ایک جماعت کا ذکر ہے۔ ان کے علاقے میں طاعون کی وبا پھیلی تو
 وہ موت کے ڈر سے اپنی بستیاں چھوڑ بھاگے اور جنگل میں جا پڑے۔ یہ اللہ کے حکم سے
 مر گئے کچھ عرصہ بعد حضرت عزریل علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہوئے اور پھر مدتوں زندہ
 رہے اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی موت کے ڈر سے بھاگ کر جان نہیں بچا سکتا
 تو بھاگنا بیکار ہے اور چاہیے کہ وضائے الہی پر راضی رہے۔ مجاہدین کو بھی سمجھنا چاہیے
 کہ جہاد سے بیٹھ رہنا موت کو دفع نہیں کر سکتا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ایک شخص آیا
ایک دلچسپ واقعہ - جو بے حد ڈرا ہوا تھا اس کا رنگ ڈر کے مارے زرد
 ہو رہا تھا۔ کانپتی ہوئی آواز میں عرض کیا، حضور آج میں نے ملک الموت کو دیکھا ہے
 جو مجھے بڑا گھوڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ یہ برق مجھ پر گرنے والی ہے
 حضور مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے آپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی وسیع حکومت عطا فرمائی
 ہے۔ دیوار پری، جن والنس اور پانی پر اور ہوا پر آپ کی حکومت ہے مجھ پر کرم فرمائیے

اور ہوا کو حکم دے کہ وہ مجھے اڑا کر ہند (برصغیر ہند) پہنچا دے۔ میں اگر ہندوستان پہنچ گیا تو پھر ملک الموت کا مجھے ڈر نہ رہے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ اسی وقت اسے ہندوستان پہنچا دیں۔ چنانچہ ہوانے اُسے فوراً ہندوستان پہنچا دیا۔ دوسرے روز ملک الموت دربار سلیمان علیہ السلام میں سلام کے لیے حاضر ہوا۔ سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کل تم نے جس آدمی کو گھوڑ کر دیکھا تھا وہ بیچارہ ڈر کے مارے یہاں سے ہندوستان چلا گیا بات کیا تھی؟ تم اُسے کیوں گھوڑ رہے تھے ملک الموت نے عرض کیا حضور مجھے خدا کا یہ حکم تھا کہ اس شخص کی جان میں فلاں وقت ہندوستان کی سرزمین میں قبض کروں۔ میں اُسے یہاں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کی موت کا وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے اور یہ بجائے ہندوستان کے یہاں ہے۔ اپنے وقت پر یہ ہندوستان کیسے پہنچ سکے گا اور میں اس کی جان وہاں کیسے قبض کر سکوں گا؟ میں اسی خیال میں تھا کہ اُس نے خود ہی آپ سے درخواست کی ہوا اُسے ہندوستان پہنچا اُسے۔ چنانچہ وہ ٹھیک اپنی موت کے وقت ہندوستان پہنچ گیا اور میں نے وہاں پہنچتے ہی اس کی جان قبض کر لی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ
ملک الموت روزانہ ہر گھر میں چکر لگاتا ہے فرماتے ہیں کہ ملک الموت ہر گھر میں تین مرتبہ روزانہ چکر لگاتا ہے اور دیکھتا ہے کس کا رزق پورا ہو گیا کس کی مدت عمر پوری ہو گئی۔ جس کا رزق پورا ہو جاتا ہے اُس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور جب اُس کے گھر والے اس کی موت پر روتے ہیں تو ملک الموت دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں۔ میرا کوئی گناہ نہیں مجھے تو اسی کا حکم دیا گیا تھا۔ واللہ میں نے تو اس کا رزق نہ کھایا اور نہ اس کی عمر گھٹائی نہ اس کی مدت عمر سے کچھ حصہ کم کیا۔ میں تمہارے گھر میں بار بار آتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ تم میں سے کسی کو بھی باقی نہیں چھوڑوں گا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر میت والے ملک الموت کا کھڑا ہونا دیکھ لیں اور ان کا کلام سن لیں تو اپنی میت سے غافل ہو جائیں اور اپنے

اوپر روئیں۔ (ابن ابی الدینا۔ ابراہیم الشیخ)

یہ وہ بات ہے۔ جو کتباً مؤجلہ لایعین محفوظ میں لکھی گئی ہے۔ باخ کا مالی اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ آبیاری کرتا ہے۔ کھاد دیتا ہے وہ پھل لاتا ہے۔ لیکن وہ پھل کو اس وقت تک نہیں توڑتا جب تک پک نہ جائے اسی طرح جب تک انسانی عمر کا پھل نہیں پک جاتا۔ اسے ملک الموت ہاتھ نہیں لگاتا پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمام پھلوں کو مالی ہی نہیں توڑتا بلکہ کچھ پرندے کھا جاتے ہیں کچھ آندھی وغیرہ سے گر جاتے ہیں۔ یہی حال انسان کا ہے کوئی بستر پر اڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتا ہے، کوئی پانی میں ڈوب کر، کوئی آگ میں جل کر، کوئی حادثے کا شکار ہو جاتا ہے دل کا دورہ بھی عام طور پر پڑتا ہے۔ آجکل زیادہ تعداد اسی کی نظر ہو رہی ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ کرم کرتا ہے وہ اللہ کی راہ میں دشمن کی تلوار سے جان، جان آفسرین کے سپرد کرتا ہے۔ مر تو سب ہی گئے اور سب کو مر ہی جاتا ہے۔ لیکن اپنی اپنی موت ہے اور ہر موت کا اپنا اپنا مقام ہے جس کی تقدیر میں جو لکھا ہے وہ اسی انداز سے یہاں سے رخصت ہو گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ملک الموت کا واقعہ :- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ملک الموت لوگوں کے پاس آتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے تھپڑ مار دیا۔ جس سے ملک الموت کی آنکھ پھوٹ گئی ملک الموت نے بارگاہ الہی میں شکایت کی۔ الہی تیرے بندے سے موسیٰ علیہ السلام نے میری آنکھ پھوڑ دی ہے اور اگر وہ آپ کے نزدیک مکرم و محترم نہ ہوتے تو میں بھی ان کی آنکھ پھوڑ دیتا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے کے پاس جاؤ ان سے کہہ دو کہ وہ اپنا ہاتھ کسی بیل کی کھال پر رکھ دیں ان کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال ہونگے ہر بال کے عوض ایک سال عمر بڑھا دوں گا۔ ملک الموت نے رب العزت کا پیغام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہنچایا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اس کے بعد کیا ہو گا ملک الموت نے کہا اس کے بعد بھی موت آئے گی تو موسیٰ نے کہا کہ جب موت آئی ہی ہے۔ تو ابھی سہی۔ پھر حضرت

موسیٰؑ کو ایک سبب دیا جس کو انہوں نے منسوختگنا شروع کیا اور ملک الموت نے ان کی روح قبض کر لی اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کی آنکھ کو درست کر دیا۔ اس کے بعد ملک الموت لوگوں کے پاس پوشیدہ آنے لگے۔ (امام احمد۔ حاکم بزاز)

گذشتہ سطور کا یہ مطلب نہیں کہ انسان بالکل ہی برہنہ میدانِ احتیاطی تدابیر۔ جنگ میں کھڑا ہو جائے۔ سینہ تان کر دشمن کی طرف چلنا شروع کر دے اگر موت کا وقت نہیں آیا تو گولی نہیں لگے گی۔ بلکہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنا، دیکھ بھال کر اُگے بڑھنا، اڑنے کر چلنا، اپنے آپ کو محفوظ رکھتے محض دشمن پر وار کرنا یہ شریعت کا حکم ہے۔ اسباب دُنیا کرنا ضروری ہے۔ حیلہ اور وسیلہ کرنا ہمارا کام ہے اُسے کامیابی بخشنا اللہ تبارک و تعالیٰ کا کام ہے۔ دنیا کا کوئی کام خود بخود انجام نہیں پاتا۔ بلکہ انسانی اسباب اور کارگزاری اُسے وجود میں لاتی ہے۔ اس طرح گو زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے لیکن ظاہری اسباب کرنا ہمارا کام ہے۔ پھر ہماری نیت اور تقدیر کے مطابق کامیابی عطا کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ غرض صرف یہ ہے کہ ہماری تدبیریں جنگ سے بچنے کے بہانے اور بزدلی کا ثبوت نہ ہوں جسے دیکھ دوسروں کا جذبہ جہاد بھی سرد ہو جائے۔ اپنا بچاؤ کرنا۔ جنگی چالیں چلنا۔ حالات کے مطابق عمل کرنا یہ عین جہاد ہیں۔ جہاد اس سے مانع نہیں ہے۔

غزوہ بدر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجاہدین کو اونچائی کی طرف صف آرا کیا۔ غزوہ اُحد میں پہاڑی کو اپنی پشت پر رکھنا کہ پیچھے سے حملہ کا خطرہ نہ ہو۔ درہ پر تیرا انداز مقرر کیسے غزوہ خندق میں کفار کی بے پناہ تیاری اور قوت کے پیش نظر اور وقتی لغاضوں کو دیکھتے ہوئے مدینہ منورہ کے کھلی جانب خندق کھود دی۔ انفرادی مبارزت میں ڈھال کا استعمال شروع سے چلا آ رہا ہے۔ قلعہ بند ہو کر لڑنا یہ ماضی کا کام دستور رہا ہے۔ زمانہ قدیم کی لڑائیوں کے انداز اور ہتھیاروں کے استعمال کو دیکھتے ہوئے یہی کچھ درکار تھا جسے موقع پر اپنایا گیا۔

آج چونکہ ہتھیاروں کی دوڑا اپنے عروج پر ہے۔ انسانی ہلاکت کے سامان اور طریقے

لا تعداد ہیں۔ اس لیے موجودہ ماحول کے مطابق تمام خانگی مذاہیر بددجہ ائم اختیار کرنی چاہئیں۔ دشمن پروا کرنے سے پہلے اپنے آپ کو محفوظ کرنا ضروری ہے۔ لیکن چھپ کر بیٹھنا۔ بہانے سے کھسکنا۔ اس کی کوئی گنجائش نہیں، کوئی جواز نہیں اللہ تعالیٰ تو دونوں کے حالات سے آگاہ ہے۔ وہ تو نیت کے مطابق عمل قبول کرتا ہے۔



جہاد ایمان کی کسوٹی ہے

دنیاوی زندگی کے نظام کو چلانے کے لیے انسان نے کوئی نہ کوئی معیار، پیمانہ یا اصول مقرر کر رکھا ہے۔ کسی چیز کی خامی، کمی بیشی، اصل یا نقل اور معیاری ہونے کے لیے۔ اسے مقرر کردہ معیار پر پرکھا جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے۔

نوکر بازار سے چینی لاتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ ایک سیر ہے۔ پانچ روپے کی مثال لائی ہے۔ گائے گا ہے۔ مالک اس کی صداقت اور دیانت داری کو جانچنے کے لیے لائی ہوئی چینی کا وزن کرتا ہے کہ ٹھیک کہتا ہے یا غلط۔ بازار سے شاید کبھی بھاؤ کا بھی پتہ کر لے گو یہ صبح شام بدلتے رہتے ہیں۔ البتہ ایک سیر چینی کا وزن کر کے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ حقیقت میں وہ اتنی ہی ہے یا کچھ اور کپڑا ہونو گز سے ناپا جاسکتا ہے۔ بڑی چیزوں کا تو اس طرح ناپ تول کر کے معاملے ہو جاتا ہے۔ اگر سونا ہے تو سار کے پاس لے جائیں گے وہ کسوٹی پر گھس کر تبادلے گا کہ اصلی ہے یا نقلی۔ اس طرح یہ معاملے ہو گیا۔ ایمان کے لغوی معنی مان لینا ہے۔ کسی چیز کو تسلیم کر لیا کہ ٹھیک ہے اس کے دو حصے ہیں ایک زبان سے اقرار کرنا اور دل سے اس کی تصدیق کرنا۔ زبانی اقرار کو تو دوسرا آدمی سن سکتا ہے وہ سن کر یقین کر سکتا ہے۔ میں سچا اور پکا مسلمان ہوں۔ ملک اور قوم اور اسلام کی خدمت کے لیے سب کچھ قربان کر دوں گا۔ یہ تو انسان کے اپنے کہنے تک محدود ہے۔ اور دوسروں کو اس پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ اس لیے کہ شریعت اسلامی میں حکم ظاہر ہے۔ باطن پر نہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ معلوم کرنا کہ ایمان کتنا بختہ ہے۔ مسلمان کا دعویٰ کتنا سچا ہے۔ خلوص کس حد تک ہے۔ اسے پرکھنے کے لیے ہمارے پاس کوئی ظاہری معیار نہیں کہ زمانہ امن میں مسلمان کی بچھی ایمان

یا مسلمان اور منافق میں تمیز ہو سکے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی نو مسلم کمزور اور بچے عقیدے کا ہو۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے پچے اور بھوٹے میں تمیز کرنے کے لیے سچائی اور سچائی کا معیار جانچنے کے لیے جہاد فرض کیا ہے۔ مسلمان کو جہاد کی کسوٹی پر رکھ دیا ہے۔ سچا مسلمان ہے تو بہر صورت پورا اترے گا۔ اگر وقتی مصلحت سے اسلام قبول کیا ہے۔ دل میں کوئی اور مرض ہے۔ وہ سب سامنے آجائے گا۔

جانی اور مالی آزمائش :- ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَتَبْلُوَنَّ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ
(پالم - آل عمران - ۱۸)

البتہ تمہاری آزمائش ہوگی مالوں اور جانوں میں۔

اللہ کی راہ میں دونوں قسم کی قربانیاں درکار ہیں۔ زندگی میں ایسے مواقع آئیں گے۔ ایمان کی پرکھ کے لیے مسلمان کو اس آزمائش سے گزارا جائے گا۔

ذوہ احد میں عبداللہ بن ابی اپنے تین سوسا تھیوں سمیت سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہمرکابی میں کفاد کے مقابلے کے لیے نکلا۔ بظاہر مسلمان تھا لیکن دل ایمان سے خالی تھا جب سامنے موت نظر آئی تو یہ کہہ کر بوٹ گیا کہ مدینہ منورہ میں رہ کر مقابلہ کرنے کی میری رائے قبول نہیں کی گئی۔ اس لیے میں لڑائی میں حصہ نہیں لیتا۔ اگر اس کے دل میں ایمان ہوتا تو اسے یہ کہنے کی نوبت نہ آتی۔ وہ اطاعت رسول خدا کو مقدم رکھنا کہ دین اس کا نام ہے ایمان کی حقیقت یہی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

مصطفیٰ پر ماں خویش را کہ دین ہر اوست

اگر بہ اوز سیدی تمام بولہبی است

اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اپنی پوری زندگی سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ اور احکام کے مطابق گزارے اس سے ذرہ بھرا خراف نہ کرے ورنہ وہ پوری زندگی جو غیر اسلامی طرز پر گزارا جائے۔ بولہب کی طرح ہے۔ مزید ارشاد ہے۔

وَلَنْبَلُونَكَ يُشِيءُ مِنْ الْمَخْفِ
وَالْجُوعِ وَالنُّصِ مِنَ الْأَمْوَالِ
وَالْأَنْصِ وَالشَّمْرَاتِ وَالْشَّبَا
الصَّيْبِ بْنِ (پ ۲، البقرہ - ۲۷)

اور ہم البتہ تمہیں ضرور آزماؤں گے کچھ
ڈر اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں
سے اور سیوڑوں کے نقصان سے اور صبر
کرنے والوں کو خوشخبری دے۔

سرمکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک کے لیے
غزوہ تبوک تیاری کا حکم دیا۔ قحط سالی بھی تھی اور سخت گرمی کا موسم تھا۔ سفر
بھی لمبا تھا۔ ادھر فصل پیک کر تیار ہونے والی تھی۔ اس کے سنبھالنے کا بھی موسم تھا۔ بعض
مسلمانوں پر جہاد کے لیے روانہ ہونا گراں گزرا۔ وہ تکلیف، فصل کے نقصان اور گرمی کی
شدت سے کمزور پڑ گئے اور مختلف عذر اور بہانے سرمکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
وسلم کی خدمت میں پیش کر کے جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے انکے
ظاہری عذر قبول کر لیے اور انہیں جہاد میں عدم شمولیت کی اجازت دے دی۔ ان کے
نفاق کا یوں بھانڈا پھوٹا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لِمَ أَذِنَتْ لِمَنْ هُوَ حَتَّىٰ يَتَّبِعِنَ
لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ
الْكَاذِبِينَ۔
(پ ۱۰۔ توبہ ۱۳۷)

اے پیغمبر! تو نے ایسا کیوں نہ کیا کہ ان
کے منافقانہ بہانوں پر، انہیں جہاد سے
پیچھے رہنے کی رخصت دے دی۔ اس
وقت تک ان کو رخصت نہ دی ہوتی۔
جب تک کھل نہ جاتا کہ کون لوگ سچے
ہیں اور کون جھوٹے۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرمائیے
ہیں کہ جہاد سے جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں۔ آپ نے ان کے ظاہری عذر قبول فرمائے ہیں۔
آپ ایسا نہ کرتے اور انتظار فرماتے۔ تو آپ پر یہ رازعیاں ہو جاتا کہ یہ مسلمان ہیں با منافق
برس اور جھوٹ کھل کر سامنے آجاتا۔ ایمان والوں کی تو یہ نشانی نہیں کہ اللہ کا رسول صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میدانِ جنگ میں ہو اور وہ گھروں میں، جھوٹے بہانے بنا کر دنیا داری

کے کاموں میں مشغول ہوں۔ انہوں نے حقیقت حال کو آپ سے چھپایا ہے۔ وہ سفر کی تکلیف برداشت نہیں کرنا چاہتے۔ گرمی کی شدت ان پر گراں ہے۔ فصلوں کے ضائع ہونے اور دیگر دغوی نقصانات کا اندیشہ ہے۔ انہیں دینا پیاری ہے۔ دین پیارا نہیں۔ آگے چل کر مزید وضاحت فرمائی۔ ارشاد ہے:-

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَتَّخِذُوا
بِأَمْوَالِهِمْ وَالضُّعْفَرِ تَوْبَةً عَامًّا

جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو جان اور مال سے جہاد کرتے وقت ہرگز پیچھے رہنے کی اجازت نہیں مانگتے۔

جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ قیامت میں حساب اور جزا سزا پر ایمان رکھتا ہے وہ یہ جانتا ہے کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ دنیاوی نفع و نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ گھر بیٹھے موت دے سکتا ہے۔ بچی ہوئی نسل تباہ کر سکتا ہے۔ آرام و آسائش کو مصائب میں بدل دیتا ہے۔ دل کی بات جانتا ہے۔ سچائی کا علم رکھتا ہے اللہ اپنے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حقیقت حال سے آگاہ فرمادے گا۔ راز فاش ہو جائے گا۔ میرا ظاہر اور باطن اگر ایک نہ ہو تو میرا نام منافقوں کی فہرست میں ہوگا اور میرا حشر اسفل السافلین کے ساتھ ہوگا۔ وہ اس کی عقوبت کو سمجھتا ہے۔ جہاد سے جی چرانا، جھوٹے بہانے بنانا، جان بوجھ کر شریک نہ ہونا۔ یہ ایک ناقابل معافی گناہ ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر اگلے صفحات میں آئے گا۔

القعد مسلمان کا دعویٰ کتنا سچا ہے۔ ایمان کتنا پختہ ہے۔ ملک و ملت کی ناموس کے لیے کٹ مرنے کا جذبہ کس حد تک بھڑپے جہاد عملی طور پر اسے پرکھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ زمانہ امن میں اسے بطور ذریعہ معاش ہم سب اپنائے ہوئے ہیں۔ نعرے بھی لگاتے ہیں۔ دشمن کو میا میٹ کر دیں گے۔ کسی کی جرأت نہیں کہ ہماری طرف دیکھے اور درحقیقت ایسا ہی ہونا چاہیے۔ وقت پر ایمان کی صداقت کا ثبوت مہیا کرنا چاہیے۔ مشکل لمحات میں اپنا تجربہ کرنا چاہیے۔ کہ اس اصل مقصد سے گریز تو نہیں کر رہے۔ عمل ضمیر اور قول کے مطابق ہے۔ مفراتض کے ضمن میں کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی۔ شیطان

مجھے بہانہ سازی اور بزدلی کی طرف دعوت تو نہیں دے رہا۔ اگر ضمیر مطمئن ہے اپنا کام زمانہ امن اور جنگ دونوں حالتوں میں اپنی پوری استعداد کے مطابق انجام دیا تو مطمئن رہنا چاہیے کہ وقت آنے پر اللہ تعالیٰ انسان کے غلوس اور محنت کو کبھی رائیگاں نہیں کرے گا وہ کامیابی سے ہمکنار کرے۔ مشکلات سے دوچار کرے۔ ناکامی کا سامنا کرنا پڑے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں اور انسانی اعمال کا نتیجہ ہے۔ وہ اپنے بندوں کے لیے ہر حال میں بہتر کرتا ہے۔ ارشاد ہے۔

دَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ (پ ۲۵ - الشوریٰ ۴۱)

اور تمہیں جو مصیبت پہنچی ہے وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرمادیتا ہے۔

مصائب حادثات

مصائب اور حادثات درستی اعمال کا باعث ہیں اور ناکامی بطور

سزائے اعمال بھی ہو سکتے ہیں اور کبھی کسی بڑے ایسے سے بچانے کے لیے آلازم (WARNING) کا کام بھی دیتے ہیں۔ انسان کو آئندہ سنبھلنے کا شعور بھی دیتے ہیں۔ سبق آموز بھی ہوتے ہیں۔ ایک غلطی کے نتائج بھگتنے کے بعد انسان آئندہ احتیاط کرتا ہے۔ کامیابی یا ناکامی کے اچھے بڑے نتائج کو اللہ رب العزت ہی بہتر جانتا ہے۔ انہیں کلمہ سمجھنا یہ انسانی شعور کے بس کی بات نہیں۔ غرورہ اُعد میں تیرا انداز باوجود سرور کو نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے واضح حکم کے اپنی جگہ چھوڑ گئے۔ چنانچہ یہ حکم عدولی شکست کے قریب لے آئی۔ تو معلوم ہوا کہ حاکم کے حکم کی تعمیل فرض ہے۔ اس میں کیا راز ہے یہ حاکم یا حکم دینے والا بہتر جانتا ہے۔

جنگ میں نظم و ضبط اور تعمیل حکم کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ محاذ تعمیل حکم جنگ پر ملکی اور بین الاقوامی سطح پر حالات بڑی تیزی سے بدلتے ہیں۔ ہتھیاروں کی جنگ کے ساتھ ساتھ سیاسی سطح پر بڑی اہم جنگ جاری ہوتی ہے اس میں علاقائی گروہ بندیاں، ملکوں کی گروپ بندیاں اور نظریاتی طاقتیں اپنے

اپنے ۲۰۶ ائمہ اور مفادات کی حد تک کردار ادا کرتی ہیں۔ اس جنگ کا نقشہ ملک کی اعلیٰ قیادت تک محدود ہوتا ہے۔ ان کے مطابق وجوہات اور تفصیلات عوام اور لڑاکا حضرات کو تلے بغیر احکامات وقت کے تقاضوں کے تحت بدل دیئے جاتے ہیں۔ یہ احکامات محاذ جنگ پر معروف پیکار لوگوں کی خواہش کے مطابق ہو سکتے ہیں اور مخالف بھی۔ وہ جذبہ حب الوطنی کے تحت شاید ان پر عمل کرنے کے حق میں نہ ہوں، احکام کی مخالف سمیت میں ان کو ملک اور قوم کا مفاد نظر آئے۔ قدرتی طور پر انسان کی کہ یہ خواہش ہوتی ہے اور خصوصاً جنگ میں کہ میری مجاہدانہ کارروائی سے ملک کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اور دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان ہو۔ ہر چھوٹے بڑے سنیئر جو نیئر کے دل میں یہی جذبہ ہے۔ خواہ وہ لڑنے میں معروف بیادروں بڑے سنیئر جو نیئر کے دل میں یہی جذبہ ہے۔ خواہ وہ لڑنے میں معروف بیادروں کو لڑانے میں۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہیں۔

سیاہی اور چھوٹے عہدوں
مجاہد اور سالار اعلیٰ کی دید میں فرق ہے :- کے کمانڈر یہ لڑائی کی مثال

مشیزی ہے، عملی طور پر لڑائی کا کام ان کے سپرد ہوتا ہے یہ لوگ اپنے اپنے محاذ جنگ کی صورت حال (SITUATION) سے آگاہ ہوتے ہیں۔ مقامی نوعیت کے واقعات اپنی اور دشمن کی حالت کا ان کو علم ہوتا ہے۔ دیگر محاذوں پر حالات کیا ہیں۔ ہماری اور دشمن کی پوزیشن کیا ہے۔ حالات کیا رُخ اختیار کر رہے ہیں۔ کس جگہ قوت کی زیادہ ضرورت اور کس جگہ کم۔ پیش قدمی جاری رکھنی مناسب ہے یا نہیں پیش قدمی کر سکتے ہیں یا نہیں۔ یہ الگ بات ہے دشمن کا ہدف کس طرف ہے اور اس کے مقابلے میں ہمارا کیا حال ہے۔ سپلائی لائن اور وسائل کا کیا حال ہے۔ مجموعی طور پر ہمارا انداز کیا ہو کہ دشمن کے مقابلے میں پوزیشن بہتر ہے یہ چند ایسی باتیں ہیں جو اعلیٰ سطح پر زیر غور ہوتی ہیں اور ان تمام امور کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ سب سے اہم عنصر بین الاقوامی صورت حال اور سیاسی عوامل ہوتے ہیں۔ جنگی وسائل اور لڑائی کے حالات سے قطع نظر اگر یہ مخالف ہوں تو چھوٹے

ملکوں کے لیے ان کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔
 تو مقصد یہ ہے کہ احکام جاری کرنے سے پہلے اعلیٰ سطح پر بہت کچھ ہوتا ہے جس سے سب لوگوں کو
 آگاہ کرنا ممکن نہیں ہوتا اور نہ ہی ضروری مقصد ہے۔ لہذا مجاہد کیلئے اس کی تعمیل ہی میں بہتری ہے اس لیے
 کہ ہم سب کچھ سے آگاہ نہیں۔ ہر شخص کا اپنا دائرہ عمل ہے اور اپنی حد ہے۔ بائیں
 اپنے دائرہ کار اور اختیارات تک ہوتی ہے۔ اس سے آگے جس کی ذمہ داری ہے
 اس پر چھوڑ دیں۔

میں ممکن ہے کسی محاذ پر پیش قدمی جاری رکھی جاسکتی ہو۔ لیکن
مکنہ حالات :- وہ روک لی جائے۔ وہاں موجود مجاہدوں کا دل اسے قبول نہ
 کرے کہ یہ باعث نقصان ہے ابھی وقت ہے کچھ کر لیتے۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے
 کہ کسی اہم جگہ یا کامیابی سے دست کش ہونے کا حکم ملتا ہے جس کے لیے بڑی بڑی قربانیاں
 دی گئی ہیں۔ مجاہدوں کے دل اس پر رضامند نہ ہوں۔ جنگ میں کامیابی یا ناکامی کو
 مجموعی طور پر دیکھا جاتا ہے۔ پیش قدمی اور پیچھے ہٹنا۔ مجموعی جی مصلحتوں اور قومی مفاد
 کے پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ لہذا یہ یقین ہونا ضروری ہے کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے۔
 وہ ملک اور قوم کے بہترین مفاد میں ہے۔ ناکامی کی صورت میں۔ اعلیٰ کمانڈروں اور
 سربراہوں پر اس کی ضرب سب سے شدید ہوتی ہے۔ تاریخ ان کے ناموں سے مرتب
 ہوتی ہے۔ لہذا یہ دیکھنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا کہ وہ قومی تاریخ کے اوراق میں بدنام
 دھبے کی حیثیت سے اپنی نسلوں کے سامنے آئے۔ ہاں وطن دشمن عناصر ہمیشہ اور
 ہر قوم میں ہوتے ہیں۔ دشمن کے ایجنٹس (AGENTS) ہوتے ہیں۔ طاغوتی
 طاقتوں نے مسلمانوں کی صفوں میں اپنے عناصر کی پرورش کا بطور خاص اہتمام کیا
 ہے۔ اس لیے کہ مسلمان جب تک صحیح معنوں میں مسلمان ہیں۔ جذبہ جہاد ان
 میں موجود ہے ان کی صفوں میں اتحاد موجود ہے ان کو شکست دینا آسان کام
 نہیں۔ لہذا دشمن ایچی صفوں میں گھس کر اپنے کارکنوں کی وساطت سے وار کرتا ہے
 برصغیر ہند میں مغلوں کا زوال اور انگریزوں کا قبضہ بعض ریاستوں کے سربراہوں
 کی خداری، ہندوؤں کی مخالفانہ روش اور بے وفائی، سراج الدولہ کی فوجوں کے

کانڈر میر جعفر کی غداری قابل ذکر ہیں۔ اگر یہ لوگ غداری نہ کرتے تو برصغیر ہند کی آبادی دو سو سال تک غلامی کا طوق گلے میں نہ ڈالے رکھتی۔ ایسے عناصر سے ہوشیار رہنا۔ ان کی ٹوہ لگانا۔ سب کا فرض ہے۔ وہ کسی بھی رینک، عہدے اور انداز میں اپنے مشن کی کامیابی کے لیے ہمارے سامنے آسکتا ہے۔ سوچو بوجھ سے کام لینا، پھرتی سے اس کی تصدیق کرانا۔ اپنی خفیہ مشینری (سیکورٹی وغیرہ) کو اطلاع دینا۔ یہ ایسے کام ہیں۔ جو سب کے ذمہ ہیں۔ یہ کہہ کر انماض سے کام نہیں لینا چاہیے کہ خود پکڑا جائے گا۔ پکڑنے والے خبر دینے والے ہم ہی ہیں۔ اگر اب توجہ نہ دی تو نامعلوم اور کتنا عرصہ میں نقصان پہنچاتا رہے گا۔

تعمیل حکم کے لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأَذِلُّ الْآيَاتِ
مِنْكُمْ (پہ۔ نساء: ۵۷)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت
کرو۔ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو
اور اس کی جو تم میں سے صاحبِ حکم ہو۔
صاحبِ حکم کی تعمیل کرو۔ خلافِ ورنہ نہ کرو۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جہاں بھی مسلمانوں
نے حکمِ عدولی کی جلد بازی کی اور اپنی رائے سے کام لیا۔ وہاں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا
اس کی اولین مثال خود وہ اُحد میں ملتی ہے۔

۱:- خود وہ اُحد میں رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عقب سے حملہ سے
بچنے کے لیے پہاڑی ودہ پر جہاں سے حملہ کا امکان تھا۔ پچاس تیر اندازوں
کا ایک دستہ مقرر کیا۔ اس کے سالار عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔
ان کو واضح احکام دیئے کہ جنگ کا رخ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ہمیں فتح ہو
یا شکست۔ تم کسی حال میں اپنی جگہ اس وقت تک نہ چھوڑنا۔ جب تک میں
حکم نہ دوں۔ چنانچہ ابتدائی جنگ کے بعد مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔ دشمن
میدان چھوڑ کر پسا ہوا تیر انداز جو پہاڑی پر تھے۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ

فتح ہو چکی ہے۔ اب یہاں رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کا یہی مقصد تھا۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مخالفت کی۔ لیکن وہ لوگ زمانے ایک تو اپنے کمانڈر اور دوسرے رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خالدؓ جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے اور کفار کی طرف سے گھوڑ سوار دستے کے سالار تھے انہوں نے موقع پا کر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چند ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے۔ اس رسالے نے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کی صفوں میں افراتفری پھیل گئی۔ بے حد جانی، نقصان ہوا، فتح شکست کے قریب چلی گئی۔

۲:- حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں عکرمہ بن ابی جہل اور شرجیل کو مسیبر کذاب کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا۔ یہ دونوں مختلف محاذوں پر تھے چنانچہ حکم دیا گیا کہ دونوں شکر اکٹھے مل کر حملہ کریں۔ مگر عکرمہؓ نے شرجیل کا انتظار کئے بغیر مسیبر پر حملہ کر دیا۔ مسیبر کے پاس اس وقت چالیس ہزار سپاہی تھے اور وہ عقبہ کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ عکرمہؓ کی جلد بازی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس ناکامی کا سخت افسوس ہوا اور آپ نے عکرمہ کو واپس بلا کر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیامہ کی مہم پر مامور کیا۔

۱۳:- تیسرا واقعہ یہ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہوا۔ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں شام کی طرف چھوٹی چھوٹی مہمیں جاری تھیں۔ جس سے رومی کانی چوکنے ہو گئے تھے۔ ان کی تیاریوں کی وجہ سے مدینہ شریف کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ اس لیے آپ نے خالد بن سعید کو مرحد شام کی حفاظت کے لیے متعین کیا۔ انہوں نے وادی تیر میں کیمپ لگایا اور مرحدی قبائل کی تنظیم شروع کر دی۔ رومیوں نے مسلمانوں کو اپنی

سرحدوں کے قریب پا کر اپنا اجتماع شروع کر دیا۔ اس پر خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے خلیفہ سے لڑائی کی اجازت حاصل کر لی۔ اور رومی جرنیل باہان کی فوج پر حملہ کر دیا۔ ابتدا میں کامیابی ہوئی۔ لیکن ساتھ ہی رومیوں کی بے پناہ طاقت کے پیش نظر خلیفہ کو مزید کمک کے لیے گزارش کی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عکرمہ بن ابوجہل اور ولید بن عقبہ کو امداد کے لیے روانہ کیا۔ جب خالد کو کمک کی روانگی کی اطلاع ملی تو آپ نے تمام ہدایات کو پس پشت ڈالتے ہوئے۔ آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ دشمن سے مقابلہ ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مزج السقاء کے مقام پر مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ عکرمہ نے بروقت پہنچ کر تعاقب کرنے والی رومی فوج کو روک دیا اور خالد بن سعید کی شکست خوردہ فوج دادی القریٰ میں جمع ہو گئی۔ تعبیل حکم کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا۔ اگر ناک کٹا جیسی غلام بھی تمہارا امیر ہو۔ اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے۔ تو اس کی اطاعت کرو۔

حضرت طالوت علیہ السلام کی فوج کا قصہ :- حضرت طالوت اپنی

کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ان کے مقابلہ میں فلسطینیوں کے شکر کا سردار جالوت تھا۔ یہ شخص دیو قامت اور انتہائی قوی جوان تھا۔ اس کا قد افسانہ نما حضرت طالوت کی فوج کو فلسطین جانے کے لیے راستہ میں ایک نہر عبور کرنی تھی علماء لکھتے ہیں کہ دریائے اردن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے ایک آزمائش مقرر کر دی۔ وہ یہ کہ جب راستہ میں دریائے اردن کو عبور کریں۔ تو اس کا پانی سیر ہو کر نہ پئیں۔ بلکہ پیاس بھجانے کے لیے اور ہوشوں کی خشکی دور کرنے کے لیے اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے سکتے ہیں اور پی سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ حکم ان کو صاف طور پر سنا دیا گیا اور یہ بھی بتا دیا کہ جس نے خوب پیٹ بھر کر پانی پیادہ ہم میں سے نہیں۔ اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ جب دریا عبور کیا۔ تو ایسا

کی کمزوری اور بیاس اکثر پر غالب آگئی۔ کثرت فوج نے خوب پیٹ بھر کر پانی پیا۔ بہت تھوڑے مجاہد ایسے تھے جو اس آزمائش میں پورے اترے۔ ارشاد ہے

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ
 قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ
 فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي
 وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي
 إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً
 بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ
 إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ
 (پ ۲ - البقرہ - ۱۷۱ ع)

پھر جب طالوت فوجیں لے کر باہر نکلے
 کہا بے شک اللہ تمہاری ایک نہر سے
 آزمائش کر نیوالا ہے۔ سو جس نے اس
 نہر کا پانی پیا وہ میرا نہیں اور جس نے
 اُسے نہ چکھا تو وہ بیشک میرا ہے
 مگر جو کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر کے
 پھر سب نے پی لیا۔ مگر ان میں سے
 تھوڑوں نے۔ (نہیں پیا)

اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ اس میں کوئی فائدہ ضرور ہوتا ہے
 چنانچہ یہ محض ایک امتحان نہیں تھا۔ بلکہ اس میں صحت اور کردار کے لحاظ سے ایک
 حکمت پوشیدہ تھی۔ لیکن یہ لوگ اُسے سمجھ نہ سکے اور پانی پی لیا۔ چنانچہ جن مجاہدوں نے
 پانی پی لیا۔ جب وہ دریا کے پار گئے تو ان میں لڑنے کی ہمت نہ رہی۔ بلکہ وہ چلنے
 کے قابل بھی نہ رہے۔ لہذا ان لوگوں نے لڑنے سے جواب دے دیا۔ ارشاد ہے۔

فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ الَّذِينَ آمَنُوا
 مَعَهُ لَقَالُوا لَاطَاقَةٌ لَّنَا
 الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ
 (پ ۲ - البقرہ - ع آخری)

پھر جب پار ہوا وہ اور جو ایمان لائے
 تھے اس کے ساتھ کہنے لگے۔ طاقت نہیں
 ہیں آج جالوت اور اس کے لشکر
 سے مقابلہ کی۔

یہ لوگ آزمائش میں پورے نہ اترے۔ لہذا جہاد کرنا بھی ان کے بس کی بات
 نہ تھی جو لوگ ثابت قدم رہے۔ اس مختصر سی فوج نے جالوت کی فوج کا مقابلہ
 کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور وہ فتح یاب ہوئے جالوت کو حضرت داؤد
 علیہ السلام نے قتل کر دیا۔ ایمان کا ثمر جنت اور جنت کی ابدی نعمتیں ہیں۔ لیکن اس

مک پہنچنے سے پہلے آزمائش لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ آزماتا ہے۔ ارشاد ہے۔
 اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ
 وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ
 خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ
 (پ ۲ - البقرہ ع ۱۰)

کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں۔

مسلمان جہاد کے لیے کمر بستہ رہتا ہے۔ اس کے
منافع کی پرکھ جہاد ہے۔ یہ تیاری میں مصروف رہتا ہے۔ اُردو کرتا ہے
 کہ اللہ تعالیٰ یہ سعادت نصیب فرمائے تاکہ قیامت میں مشکل وقت میں کام آئے
 ملک کے دفاع اور دین کی اشاعت کے لیے متدور بھر کوشش کرتا ہے۔ لیکن
 منافق کا طرز عمل اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ وہ اس راہ میں ہاتھ سے کوئی مال
 خرچ کرنا پسند نہیں کرتا۔ نہ ہی وہ لڑنا چاہتا ہے۔ وہ تو اپنی جان محفوظ رکھنے کے
 چلے بہانے منصوبے، بنا رہتا ہے۔ دین رہے یا نہ رہے۔ ملک ہو یا نہ ہو۔ اس
 کا دائرہ کار تو اپنی دنیوی خواہشات تک محدود ہے۔ اور وہ اپنی اس روش پر
 خوش ہوتا ہے۔ جہاد کے موقع پر ایسے لوگوں کا جو بظاہر مسلمان ہوتے ہیں۔ لیکن
 دل سے دشمنان دین کے ساتھ ہوتے ہیں۔ بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔ ان کا اصلی مرض
 سب کے سامنے آجاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

فِرَاحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِ هَزْمٍ
 خَلِفَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا
 اَنْ يُسَاحَدُوا بِاَمْوَالِهِمْ
 اَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا
 لَوْ تَنْفَرُوا فِي الْحَرَابِ يَا تَوْبَةَ - ع

تیجھے رہنے والے اپنے رسول اللہ سے
 جدا ہو کر بیٹھ رہنے سے خوش ہو گئے
 اور اس سے گہرائے کہ اپنے مال سے
 اور جان سے اللہ کی راہ میں لڑیں۔ اور
 بولے مت کوچ کر دو گری میں۔

ایسے لوگ خود بھی نہیں شامل ہوتے اور دوسروں کو بھی مصائب اور تکالیف
 بنا کر روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جنگ کے لیے کوئی آرام وہ موسم مل جائے یا لیکن

ہے۔ نامعلوم کب دشمن سے ٹکر ہو جائے۔ گرمی ہو۔ سردی ہو۔ برف باری ہو رہی ہو۔ بارش ہو۔ انسان کو ان سب کو سمیت اور مردانگی سے برداشت کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان مصائب اور تکالیف کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کا غضب نہایت سخت ہے۔ آخرت کا عذاب اور آگ بڑی سخت ہے۔ گذشتہ آیات کا تعلق منافقین غزوہ تبوک سے ہے۔ چنانچہ گرمی کا خوف دلانے خود تیچھے رہنے اور دوسروں کو ترغیب دلانے والوں کے لیے کلام پاک میں ارشاد ہے۔

قُلْنَا نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا ط
لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ رَبَّنَا نوبه ع
اے محبوب فرما دیجئے۔ دوزخ کی
آگ بہت سخت گرم ہے۔ اگر ان کو
سمجھ ہوتی۔

آخرت کا عذاب دنیاوی زندگی کی تکالیف اور مصائب سے کہیں زیادہ ہے بڑی مشکلات سے بچنے کے لیے دنیا کی معمولی تکلیف برداشت کر لینا سراسر نفع کی بات ہے۔ یہ تو تھا دشمن کے خلاف جنگ میں رویہ بعض اوقات اندرون ملک بھی حق کے لیے۔ صاحبِ اقدار لوگوں سے رد و قدح کی نوبت آتی ہے۔ ظلم اور ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرنی پڑتی ہے۔

ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا:- حدیث پاک ہے۔

أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ
سُلْطَانٍ جَابِرٍ -
بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق
بات کہنا ہے۔

اس کی مثالیں ہرزمانے میں ملتی ہیں۔ ہر فرعونِ راموسیٰ کا فطری اصول اپنے انداز میں کارفرما رہتا ہے اس میں جان کا خوف اور تکالیف کا سامنا ہوتا ہے قید و بند کی صعوبتیں ٹوٹ پڑتی ہیں۔

حجاج اور سعید بن جبیر :-
حجاج کا ظلم و ستم دنیا میں مشہور ہے گو اس
زمانہ کے بادشاہ باوجود ظلم و ستم کے دین

کی اشاعت کا کام بھی کرتے رہتے تھے۔ لیکن پھر بھی دیندار اور عامل بادشاہوں کے لحاظ سے وہ بدترین شمار ہوتے ہیں اور اس وجہ سے لوگ ان سے بیزار تھے سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعضی ابن الاشعث کے ساتھ مل کر حجاج کا مقابلہ کیا۔ حجاج عبد الملک بن مروان کی طرف سے حاکم تھا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور تابعی ہیں اور بڑے علما میں سے ہیں۔ حکومت اور بالخصوص حجاج کو ان سے بغض اور عداوت تھی۔ اور چونکہ انہوں نے مقابلہ کیا تھا اس لیے عداوت کا ہونا بھی ضروری تھا۔ مقابلہ میں حجاج ان کو گرفتار نہ کر سکا۔ یہ شکست کے بعد چھپ کر مکہ مکر چلے گئے۔ حکومت نے اپنے ایک خاص آدمی کو مکہ کا حاکم بنایا اور پہلے حاکم کو اپنے پاس بلا لیا۔ اس نے حاکم نے جا کر خطبہ پڑھا۔ جس کے اخیر میں عبد الملک بن مروان خلیفہ کا یہ حکم بھی سنایا کہ جو شخص سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو پناہ دے گا اس کی خیر نہیں۔ اس کے بعد اس نے خود اپنی طرف سے بھی قسم کھائی کہ جس کے گھر میں ملے گا اس کو قتل کیا جائے گا۔ اس کے گھر نیز اس کے پڑوسیوں کے گھروں کو ڈھاؤں گا۔ غرض بڑی دقت سے مکہ کے حاکم نے ان کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا۔ اس کو غصہ نکالنے اور قتل کرنے کا موقع مل گیا۔ سامنے بلایا گیا اور پوچھا۔

حجاج: تیرا نام کیا ہے؟

سعید: میرا نام سعید ہے۔

حجاج: کس کا بیٹا ہے؟

سعید: جبیر کا بیٹا ہوں۔

سعید کا ترجمہ نیک بخت ہے اور جبیر کے معنی اصلاح کی ہوتی اگرچہ ناموں میں معنی اکثر مقصود نہیں ہوتے۔ لیکن حجاج کو ان کے نام کا اچھے معنی والا ہونا پسند نہیں آیا اس لیے کہا

حجاج: نہیں تو شقی بن کیر ہے۔

شقی کہتے ہیں بد بخت کو اور کیر ٹوٹی ہوئی چیز۔

سعید: میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔

حجاج: تو بھی بد بخت تیری ماں بھی بد بخت۔
سعید: غیب کا جاننے والا تیرے علاوہ اور شخص ہے (یعنی علام الغیوب)

حجاج: دیکھ میں تجھے اب موت کے گھاٹ اتارتا ہوں۔

سعید: تو میری ماں نے میرا نام درست رکھا۔

حجاج: اب میں تجھ کو زندگی کے بدلے کیا جہنم رسید کرتا ہوں۔

سعید: اگر میں جانا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھ کو معبود بنا لیتا۔

حجاج: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت تیرا کیا عقیدہ ہے؟

سعید: وہ رحمت کے نبی تھے اور اللہ کے رسول تھے جو بہترین نصیحت کے ساتھ

تمام دنیا کی طرف بھیجے گئے۔

حجاج: خلق کی نسبت تیرا کیا خیال ہے؟

سعید: میں ان کا محافظ نہیں ہوں۔

ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے۔

حجاج: میں اُن کو برا کہتا ہوں یا اچھا۔

سعید: جس چیز کا مجھے علم نہیں میں اس میں کیا کہہ سکتا ہوں مجھے اپنا ہی حال معلوم ہے

حجاج: ان سب میں سے زیادہ پسندیدہ تیرے نزدیک کون ہے؟

سعید: جو سب سے زیادہ میرے مالک کو راضی کرنے والا تھا۔ بعض کتب میں بجائے

اس کے یہ جواب ہے کہ ان کے حالات بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔

حجاج: سب سے زیادہ راضی رکھنے والا کون تھا؟

سعید: اس کو وہی جانتا ہے جو دل کے بھیدوں اور چھپے ہوئے رازوں سے

واقف ہے۔

حجاج: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں؟

سعید: اگر میں جنت اور دوزخ میں جاؤں اور وہاں رہنے والوں کو دیکھ لوں

تو بتا سکتا ہوں۔

حجاج: میں قیامت میں کیسا آدمی ہوں گا؟

سعید: میں اس سے کم ہوں کہ غیب پر مطلع کیا جاؤں۔

حجاج: تو مجھ سے بچ بولنے کا ارادہ نہیں کرتا۔

سعید: میں نے مہوٹ نہیں کہا۔

حجاج: تو کبھی ہنتا کیوں نہیں۔

سعید: کوئی بات ہنسنے کی دیکھتا نہیں اور وہ شخص کیا ہنسنے جو مٹی سے بنا ہو۔ اور

قیامت میں اس کو جانا ہو اور دنیا کے فتنوں میں دن رات رہتا ہو۔

حجاج: میں تو ہنتا ہوں۔

سعید: اللہ نے ایسے ہی مختلف طریقوں سے ہم کو بنایا ہے۔

حجاج: میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سے زیادہ محبوب ہوں۔

سعید: اللہ پر کوئی بھی جرأت نہیں کر سکتا۔ جب تک اپنا مرتبہ معلوم نہ کرے اور غیب کی اللہ ہی کو خبر ہے۔

حجاج: میں کیوں نہیں جرأت کر سکتا ہوں۔ حالانکہ میں جماعت کے بادشاہ کے ساتھ

ہوں اور تو باغیوں کی جماعت کے ساتھ ہے۔

سعید: میں جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں اور فتنہ کو خود ہی پسند نہیں کرتا اور جو تقدیر

میں ہے اس کو مال نہیں سکتا۔

حجاج: ہم جو کچھ امیر المؤمنین کے لیے جمع کرتے ہیں اس کو تو کیا سمجھتا ہوں۔

سعید: میں نہیں جانتا کہ کیا جمع کیا جاتا ہے۔

حجاج: سونا، چاندی، کپڑے وغیرہ منگاکران کے سامنے رکھ دیئے۔

سعید: یہ اچھی چیزیں ہیں اگر اپنی شرائط کے موافق ہوں۔

حجاج: شرط کیا ہے؟

سعید: یہ کہ ان سے ایسی چیزیں خریدیں جو بڑی گھراہٹ کے دن یعنی قیامت کے

دن امن پیدا کرنے والی ہوں۔ درنہ ہر دودھ پلانے والی دودھ پلانے کو بھول جائے گی۔ اور حمل گر جائیں گے اور آدمی کو اچھی چیز کے سوا کچھ بھی کام نہ دے گی۔

حجاج: ہم نے جو کچھ جمع کیا یہ اچھی چیزیں نہیں۔

سعید: تو نے جمع کیا تو ہی اس کی اچھائی کو سمجھ سکتا ہے۔

حجاج: کیا تو اس میں سے کوئی چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

سعید: میں صرف اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو اللہ پسند کرے۔

حجاج: تیرے لیے ہلاکت ہے۔

سعید: ہلاکت اس شخص کے لیے جو جنت سے ہٹا کر جہنم میں داخل کر دیا جائے۔

حجاج: (دق ہو کر) بتلا کہ میں تجھے کس طریقہ سے قتل کروں۔

سعید: جس طرح سے قتل ہونا تجھے اپنے لیے پسند ہو۔

حجاج: کیا تجھے معاف کر دوں؟

سعید: معافی اللہ کے ہاں کی کافی ہے تیرا معاف کرنا کوئی چیز بھی نہیں۔

حجاج: نے جلا د کو حکم دیا کہ اس کو قتل کرو۔ سعید باہر لائے گئے اور ہنسے۔ حجاج کو

اس کی اطلاع دی گئی پھر بلایا اور پوچھا۔

سعید: تیری اللہ پر جرات اور اللہ تعالیٰ کے تجھ پر علم سے۔

حجاج: میں اس کو قتل کرتا ہوں جس نے مسلمانوں کی حمایت میں تفریق کی پھر جلا د سے

خطاب کر کے کہا۔ میرے سامنے اس کی گردن اڑادو۔

سعید: میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ نماز پڑھی پھر قبلہ رخ ہو کر اپنی وجہت ڈھی

اللَّيْذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَلِيْفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ پڑھا

یعنی میں نے اپنا منہ اس پاک ذات کی طرف کیا جس نے آسمان زمین بنائے اور

میں سب طرف سے بہٹ کر ادھر متوجہ ہوا ہوں اور نہیں ہوں مشرکین میں سے۔

حجاج: اس کا منہ قبلہ سے پھیر دو اور نصاریٰ کے قبلہ کی طرف کر دو کہ انہوں نے بھی

اپنے دین کی تفریق کی اور اختلاف پیدا کیا چنانچہ فوراً منہ پھیر دیا گیا۔

جہاد سے پیٹھ موڑنے والا جہنمی ہے

یہ ایک عام بات ہے جس کام کو انجام دینے کی مزدوری یا جزا زیادہ ہوتی ہے۔ اسے نہ کرنے یا انکار کرنے کی سزا بھی بڑی ہوگی۔ مجاہدین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ انعام و اکرام سے نوازا ہے۔ اسے بڑی فضیلت اور قرب سے سرفراز کیا ہے۔ روح کی قفس عنقریب سے پرواز سے لے کر قیامت تک کوئی باز پرس نہیں۔ مخلوق خدا کے ساتھ جنت کے معاملات قیامت کے حساب و کتاب کے بعد شروع ہونگے اس سے پہلے کا طویل عرصہ عالم برزخ میں گزارنا ہوگا۔ لیکن مجاہد کی شہادت کے ساتھ ہی جنت کے معاملات شروع ہو جاتے ہیں۔ شہید کا معاملہ روز اول سے ہی بہشت میں ہے۔ جس فریضہ کی اتنی اعلیٰ جزا ہے۔ جسے انجام دینے والوں کا یہ انعام ہے۔ اگر کوئی اس کارِ عظیم سے منہ موڑ لیتا ہے۔ حصہ لینے سے انکار کر دیتا ہے۔ پہاڑ بنا کر محاذِ جنگ سے بھاگ جاتا ہے۔ جسے ہم فوجی زبان میں بھگوڑا (DESERTER) کہتے ہیں۔ اس کے لیے کیا حکم ہے دنیاوی سزا تو جو ہے وہ ملے گی۔ آئندہ زندگی میں اس کا ایک شتر ہوگا کیا معافی ملے گی؟ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا۔ کیا اس کا کوئی کفارہ ہے مطلب ایسی کوئی نیکی صدقہ شرعاً مقرر ہے۔ جو اس گناہ کو دھو دے۔ کلامِ ربانی میں کیا حکم ہے۔ احادیثِ پاک کیا بیان فرماتی ہیں۔ اور ہمارے سامنے کوئی مثال موجود ہے اور اس سے کیا سبق ملتا ہے۔

جنگ سے بعض فوجیوں کا بھگوڑا ہونا کوئی نئی بات نہیں۔ جہاں نشانِ حید کا عظیم اعزاز حاصل کرنے والے سرفروش موجود ہیں۔ وہاں کچھ بزدل اور کم ہمت بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں بھاگنے والوں میں بہت کم ایسے

جاہد ہیں۔ جن کو یہ معلوم ہے کہ میدان جنگ سے بھاگنا یا چلے بہانوں سے جنگ سے
 پیچھے رہنا بڑا گناہ ہے اس کی کتنی سخت سزا ہے اگر علم ہو تو دثوق سے یہ کہا جا
 سکتا ہے کہ اس طرح بھاگنے والوں میں ۹۵ فیصد کمی ہو سکتی ہے۔ سو فیصد یہ شاید
 ممکن نہ ہو۔ اس لیے کہ سب کے ایمان ایمان کی کسوٹی پر پورے اترائیں۔ یہ
 موجودہ ردش کو دیکھتے ہوئے مشکل ہے۔ ذہن ردعائیت اور عقیدے کی
 پنجھی کی طرف کم مائل ہے۔ مادیت کا اثر غالب ہے۔ سخت کوشی کی بجائے سہل
 انکاری کاربجان ہے۔ جذبہ جہاد کی بھی کمی نہیں لیکن حالات سے یہ محسوس ہوتا ہے
 کہ نئی پودسیاست کی طرف زیادہ مائل ہے۔ فوج کی زندگی چونکہ پُرمشقت ہے۔ اس لئے
 اس طرف رغبت کم ہو رہی ہے۔

ظہر لہو مجھ کو رلاتی ہے جو انوں کی تن آسانی

موسم اور حالات کافی متاثر کرتے ہیں۔ اس لئے نو نہالان چین اسکودہ پذیرائی نہیں
 دے رہے۔ جو ایک نوجوان مسلمان کو دینی چاہیے۔ جو میں ان کا اندازہ "مزدور خوش دل
 کارکنہ" کے برعکس ہے۔ کوئی اتفاق کرے یا نہ کرے حقیقت یہ ہے کہ جذبہ جہاد وقت
 کے ساتھ ساتھ سرد پڑتا جا رہا ہے۔ جس کی بڑی وجہ ہم نے اپنی نئی پود کو اس پہلو سے روشناس
 کرانے کی سعی نہیں کی اور اگر کچھ کیا ہے تو وہ رسمی اور کاغذی پر اگر کسی حد تک
 تک محدود ہے۔

اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان کے دل میں اللہ کے سوا کسی اور ہستی کا خوف
 نہیں ہونا چاہیے۔ جو لوگ اللہ کے سوا کسی اور سے خوف کھاتے ہیں۔ ان کا ایمان
 ڈولنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ میں پیٹھ موڑنے مسلمانوں کو صاف طور پر بتایا گیا
 ہے کہ وہ جہنمی ہیں۔ اور خدا کے غضب کے مستحق ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ
 الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُولُوهُمُ
 الْأَدْبَارَ وَمَنْ يُولُوهُمْ فَيُؤَيِّدْ
 مسلمانو! جب کافروں کے لشکر سے
 تمہاری صف بھیر ہو جائے۔ تو انہیں پیٹھ
 نہ دکھاؤ۔ اور جو کوئی ایسے موقع پر پیٹھ

دُبْرُكَةٌ إِلَّا مَقْرَفًا لِقَائِ أَوْ مَحْمِيْرًا
إِلَىٰ فَيْئَةٍ فَقَدْ بَلَغَ غَضَبِ مَن
اللَّهُ وَمَا وَلَهُ جَهَنَّمُ
(پ - انفال - ع ۱۳)

دکھائے گا۔ سوائے اس کے جو جنگی چال
کے تحت یا اپنی کسی یونٹ کی طرف (مدد پر پہنچنے
کے لیے بھیجے ہوئے تو سمجھ لو کہ خدا کے غضب میں
آگیا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

اے ایمان والو! اگر تمہاری ملاقات ہو مراد لڑنے کا موقع پیش آئے۔ تو ان سے گتھ ہو جاؤ
ان کو نیست و نابود کرو۔ ان کو پیٹھ نہ دکھاؤ۔ ہزدلی نہ کرو۔ دشمن کی تعداد اور طاقت سے نہ
ڈرو۔ ڈر کر میدان نہ چھوڑ دو۔ یہ حکم ربی کے خلاف ہے۔ جہاد سے مراد مڑنے والی قوم اپنی آزادی
کھو بیٹھتی ہے ذلیل و خوار ہو جاتی ہے۔ غلامی کی زنجیریں اس کے گلے میں آپڑتی ہیں۔ عزت
و وقار ختم ہو جاتا ہے۔ مذہبی اور سماجی زندگی سب کچھ ہی حاکم قوم کے تابع فرمان ہو جاتے ہیں۔
مسلمانوں کی عزت و آبرو ملک کی حفاظت اور اللہ کے دین کی حفاظت کے
مقابلے میں مسلمان کی انفرادی زندگی کی کوئی وقعت نہیں۔ مجاہد کی قربانی سے ملک و ملت
کی ناموس محفوظ ہوتی ہے۔ فتنہ و فساد اور غارتگری کا خاتمہ ہوتا ہے لاکھوں ہم وطن سکھ کی
نیند سوتے ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کی اہمیت کے پیش نظر حکم فرمایا کہ میدان چھوڑ کر جنگ
نہیں سکتے۔ اگر ایسا کیا اللہ کے دین اور مسلمانوں کی حفاظت کے مقابلے میں اپنی جان بچانے
کو ترجیح دی۔ مشکلات سے بچنے کا راستہ اختیار کیا (موت سے بچنا تو کسی کے بس کی بات
ہی نہیں، تو پھر بڑی سخت سزا دی جائے گی۔

جنگی چال کے تحت مورچہ چھوڑنا جائز ہے | جنگ میں اور خاص کر موجودہ
دور میں حربی چالوں پر بڑا

زور دیا جاتا ہے۔ بلکہ جنگ کی فتح اور شکست کا زیادہ انحصار اسی بات پر ہے کہ کسی فریق
کی جنگی چالیں کس قدر کامیاب ہیں۔ بعض اوقات جنگی نقطہ نظر سے کہیں پیش قدمی کی جاتی
ہے اور کہیں پسپائی (RETIRE) اختیار کی جاتی ہے۔ ایسا کسی مجبوری سے نہیں کیا
جاتا۔ بلکہ جان بوجھ کر کیا جاتا ہے۔ اس کے مقاصد اچانک حملہ کرنا، گھات لگانا اور دشمن
کو گھیرے میں لینا وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ کہیں دشمن کا زیادہ دباؤ ہو گیا۔ وہاں موجود فوجیوں کی تعداد

مقابلہ کرنے کے لئے ناکام ہے۔ اس کے لئے کمک کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے جیسے اور جدھر حکم ملے وہ درست ہے جنگی چال اپنے کسی گروپ یا یونٹ کی مدد اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ شامل ہونے کے لئے مجاہد ایسا کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اگر کوئی حرکت کی یا جگہ چھوڑی یا تنگڑا یہاں بنایا تو وہ اللہ کے غضب میں آگیا وہ مستوب ہو گیا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جہاد سے مراد موڑ لیں۔ ڈر کر میدان سے بھاگ جائیں اس سے بچنے کے لئے جو بھی ڈھنگ اپنایا جائے وہ خلافت دین ہے۔ مسلمان کو روزی جادیتا ہے۔ پھر کوئی عمل اسے پناہ دینے والا نہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ سات ہلک گناہوں میں سے ایک جہاد میں پیٹھ دکھا کر بھاگنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور موقع پر فرمایا کہ تمین گناہوں کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں دیتی۔ اور ان میں سے ایک گناہ لڑائی سے بھاگنا ہے۔

جہاد میں کوتاہی کی ایک مشہور مثال موجود ہے یہ عزوہ تنوک کا واقعہ ہے سخت گرمی کا موسم تھا طویل سفر تھا فصل پکنے کو تھی۔ سخت قحط سالی تھی۔ یہاں تک روایت ہے کہ ایک ایک کھجور پر دو دو آدمی گزارا کرتے تھے۔ رومیوں کی تیاریوں کو دیکھتے ہوئے سرکارِ در عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد کی تیاری کا حکم صادر فرمایا۔ اس موقع پر منافقین مختلف بہانے کر کے پیچھے رہ گئے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے۔ ان میں تین پکے اور سچے مسلمان بھی تھے جو بعض وجوہات کی بنا پر جہاد سے پیچھے رہ گئے اور شامل نہ ہوئے ان پر اللہ تعالیٰ نے کس طرح گرفت فرمائی اور نجات کس طرح ہوئی۔ ملاحظہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قصہ ان تینوں کا جو پیچھے رہ گئے :-

دَعَى الثَّلَاثَةَ الَّذِينَ خَلَفُوا وَحَتَّىٰ
إِذَا ضَاعَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا
رُجِبَتْ وَضَاعَتْ عَلَيْهِمُ أَنْفُسُهُمْ

ان تینوں شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا گیا
یہاں تک جب ان پر زمین باوجود کشادگی
کے تنگ ہوئی۔ اور وہ جانوں سے تنگ

وَقَطُّوْا اَنْتُمْ لَا مَلْبَا مِنْ
 اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ تُشْرِكُوْنَ
 عَلَيْهِمْ يَسْتَوِى الْاَسْمَاءُ
 هُوَ التَّوَابُ الرَّحِيْمُ
 آگئے اور سمجھ گئے کہ اللہ سے کہیں پناہ
 نہیں مگر اسی کی طرف پھر مہربان ہوا ان
 پر اللہ تا کہ وہ پھر آئیں بے شک اللہ
 مہربان اور رحم والا ہے۔

(پ - قریبہ - ع)

غزوہ تبوک میں پیچھے رہنے والوں میں معذورین اور منافقین کے علاوہ تین
 سچے مسلمان بھی تھے۔ ان کے نام یہ ہیں (۱) حضرت کعب بن مالک (۲) بلال بن امیہ
 (۳) مرارہ بن ربیع۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے رہنے اور سزا کی
 سرگذشت بڑی تفصیل سے بیان فرماتے ہیں۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ فرماتے ہیں۔

اس لڑائی میں معذورین کے علاوہ ۸۰ سے زیادہ منافق تو انصار میں سے تھے۔ اور
 اتنے ہی تقریباً بدوی لوگوں میں سے تھے۔ ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت باہر کے لوگوں
 میں سے تھی جو جہاد میں شریک نہ ہوئی اور یہی نہیں بلکہ یہ لوگ دوسروں کو بھی لَاتَشْفَعُوْا
 فِي الْاَجْرِ۔ گرمی میں نہ نکلوا کہہ کر روکتے تھے۔ کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بلال بن امیہ
 تیسرے مرارہ بن ربیعؓ یہ تینوں حضرات کسی نفاق یا عذر سے نہیں ٹھہرے بلکہ خوشحال ہی رہ
 جانے کا سبب بن گئی۔ مرارہ بن ربیع کا باغ خوب پھل رہا تھا۔ ان کو خیال ہوا کہ اگر میں
 چلا گیا تو یہ سب منافع ہو جائے گا۔ ہمیشہ میں لڑائیوں میں شریک ہوتا رہا ہوں۔ اگر اس
 دفعہ شریک نہ ہوا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں تبوک سے
 پہلے کسی لڑائی میں اتنا قوی اور مالدار نہ تھا۔ جتنا کہ تبوک کے وقت تھا۔ اس وقت
 میرے پاس دو ذاتی اونٹنیاں تھیں۔ اس سے پہلے میرے پاس کبھی دو اونٹنیاں ہونے
 کی نوبت نہ آئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جس طرف لڑائی
 کا ارادہ ہوتا تھا۔ اس کا اظہار نہ فرماتے تھے۔ بلکہ دوسری اطراف سے افعال دریافت

فرماتے۔ مگر اس لڑائی میں چونکہ گرمی بھی شدید تھی۔ سفر بھی دور کا تھا۔ ان کے علاوہ دشمنوں کی جماعت بھی بہت بڑی تھی۔ اس لئے صاف اعلان فرما دیا تھا کہ لوگ تیاری کر لیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو گئی۔ رحبر میں ان کے نام لکھنا بھی دشوار ہو گیا۔ اور عین کی کثرت کی وجہ سے اگر کوئی بھیچنا چاہتا تو وہ آسانی سے چھپ سکتا تھا۔ اور اس کا پتہ بھی نہ ہوتا۔ اس کے ساتھ ہی پہلے بالکل پک رہے تھے۔ میں بھی سامان سفر کی تیاری کا صبح ہی سے ارادہ کرتا۔ مگر شام ہو جاتی۔ کسی قسم کی تیاری کی نوبت نہ آتی لیکن یہ بھی اپنے دل میں خیال کرتا کہ مجھے وسعت حاصل ہے۔ جب ارادہ پختہ کروں گا فوراً تیاری ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہو گئے۔ اور مسلمان آپ کے ساتھ ساتھ تھے۔ مگر میرا سامان سفر تیار نہ ہوا۔ پھر بھی مجھے یہ خیال رہا کہ ایک دو دن میں تیاری کر کے جاؤں گا۔ اسی طرح آج کل پرٹا تار رہا۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہاں پہنچنے کا زمانہ قریب آ گیا۔ اس وقت میں نے کوشش بھی کی۔ مگر سامان نہ ہو سکا۔ اب میں جب مدینہ طیبہ میں ادھر ادھر دیکھتا ہوں تو صرف وہی لوگ ملتے ہیں جن کے اوپر نفاق کا بد نام داغ لگا ہوا تھا۔ یا وہ معذور تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تبوک پہنچ کر دریافت فرمایا۔ کہ کعب نظر نہیں پڑتے۔ کیا بات ہوئی ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اپنے مال و جمال کی اکڑنے روکا۔ حضرت معاذ نے فرمایا غلط کہا۔ ہم جہاں تک سمجھتے ہیں وہ صحابہ آدمی ہے۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالکل سکوت فرمایا۔ اور کچھ نہ بولے حتیٰ کہ چند روز میں میں نے واپسی کی خبر سنی تو مجھے رنج و غم سوار ہوا۔ اور بڑا لکڑ ہوا۔ دل میں جھوٹے جھوٹے عذر آتے تھے۔ کہ اس وقت کسی فرضی عذر سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عذر سے جان بچاؤں گا۔ پھر کسی وقت معافی کی درخواست کر لوں گا۔ اور میں اس بارے میں اپنے گھرانے کے ہر بھائی و فرد سے مشورہ کرتا رہا۔ مگر جب مجھے معلوم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے ہی آئے ہیں تو میرے دل نے فیصلہ کیا کہ بغیر سچ کے کوئی چیز نجات نہ دے گی۔ اور میں نے سچ سچ عرض کرنے کی ٹھان لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اول مسجد میں تشریف لے جاتے اور

دو رکعت تہیۃ المسجد پڑھتے اور وہاں تھوڑی دیر تشریف رکھتے تاکہ لوگوں سے ملاقات فرمائیں۔ چنانچہ حسب معمول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے نماز پڑھی۔ اور تشریف فرما رہے۔ اور منافق لوگ اگر بھبھوٹے بھبھوٹے مذکر تے اور قسمیں کھاتے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ظاہری عذروں کو مقبول فرماتے رہے کہ اتنے میں میں بھی حاضر ہوا۔ اور سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراضگی کے انداز میں تبسم فرمایا۔ اور اعراف فرمایا میں نے عرض کیا یا نبی اللہ آپ نے اعراف فرمایا۔ میں خدا کی قسم نہ تو منافق ہوں۔ اور نہ مجھے ایمان میں کچھ تردد ہے۔ ارشاد فرمایا کہ یہاں آ۔ تو میں قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے کس چیز نے روکا۔ کیا تو نے اونٹنیاں نہیں خرید کر رکھی تھیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں کسی دنیا دار کے پاس اس وقت ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ میں اس کے عقد سے معقول عذر کر کے خلاصی پالیتا۔ کہ مجھے بات کرنے کا سلیقہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ لیکن آپ کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ آج آپ کو بھبھوٹ سے راضی کر لیا تو قریب ہے کہ اللہ جل شانہ مجھ سے ناراض ہوں گے۔ اور اگر آپ سے صاف صاف عرض کر دوں تو آپ کو عقد آئے گا۔ لیکن قریب ہے کہ اللہ کی پاک ذات۔ آپ کے عقاب کو زائل فرما دے گی۔ اس لئے میں سچ ہی عرض کرتا ہوں۔ کہ اللہ مجھے کوئی عذر نہ تھا اور جیسا فارغ اور وحمت والا میں اس زمانہ میں تھا۔ کسی زمانہ میں بھی اس سے پہلے نہیں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس نے سچ کہا۔ پھر فرمایا کہ اچھا اٹھ جاؤ۔ تمہارا فیصلہ حق تعالیٰ شانہ فرمادیں گے۔ میں وہاں سے اٹھا تو میری قوم کے بہت سے لوگوں نے مجھے ملامت کی۔ کہ تو نے اس سے پہلے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ اگر تو کوئی عذر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغفار کی درخواست کرتا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استغفار تیرے لئے کافی تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کوئی اور بھی ایسا شخص ہے جس کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہو۔ تو لوگوں نے بنایا کہ دو شخصوں کے ساتھ اور بھی یہ معاملہ ہوا۔ کہ انہوں نے بھی یہی گفتگو کی جو تو نے کی۔ اور یہی جواب اللہ کو ملا جو تجھ کو ملا۔ ایک ہلال بن امیہ اور دوسرے مرارہ بن ربیع۔ میں نے دیکھا دو صالح شخص جو دونوں بدری ہیں وہ بھی میرے شریک حال ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ہم تینوں سے بولنے کی ممانعت بھی فرمادی۔ کہ کوئی شخص ہم سے کلام نہ کرے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ غصہ اسی پر آتا ہے جس سے تعلق ہوتا ہے۔ اور تنبیہ اسی کو کی جاتی ہے جس میں اس کی اہلیت بھی ہو جس میں اصلاح و صلاح کی قابلیت ہی نہ ہو اس کو تنبیہ ہی کون کرتا ہے۔ کعب بن صلی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ممانعت پر لوگوں نے ہم سے بولنا چھوڑ دیا۔ اور ہم سے اجتناب کرنے لگے۔ اور گویا دنیا ہی بدل گئی جتنی کہ زمین ہا وجود اپنی دستوں کے مجھے تنگ معلوم ہونے لگی۔ سارے لوگ اجنبی معلوم ہونے لگے۔ درود دیوار اوپر سے بن گئے۔ مجھے سب سے زیادہ اس کا فکر تھا۔ کہ میں اس حال میں مر گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنازہ کی نماز بھی پڑھیں گے اور اگر خدا نخواستہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایسا ہی رہوں گا۔ نہ مجھ سے کوئی کلام کرے گا۔ اور نہ میری جنازہ کی نماز پڑھے گا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے خلاف کون کر سکتا ہے۔ غرض ہم لوگوں نے پچاس دن اسی حال میں گزار دیئے۔ میرے دونوں ساتھی تو شروع سے ہی گھروں میں پھپ کر بیٹھے تھے۔ میں سب میں قوی تھا۔ چلتا پھرتا تھا۔ بازار میں جاتا۔ نماز میں شریک ہوتا۔ مگر مجھ سے بات کوئی نہ کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں جا کر سلام کرتا اور بہت غور سے خیال کرتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لب مبارک جواب کے لئے کھلتے ہیں یا نہیں نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہی کھڑا ہو کر نماز ادا کرتا اور آٹھ چکر دیکھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھتے ہیں یا نہیں۔ جب میں نماز میں مشغول ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھتے اور جب میں ادھر ادھر دیکھتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منہ پھیر لیتے۔ اور میری جانب سے اعراسی فرما لیتے۔ غرض یہی حالات گزرتے رہے۔ مسلمانوں کا بات چیت بند کرنا مجھ پر بہت بھاری ہو گیا تو میں البرقنادہ کی دیوار پر چڑھا کہ وہ میرے رشتہ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اور مجھ سے تعلقات بھی بہت ہی زیادہ تھے۔ میں نے دیوار پر چڑھ کر ان کو سلام کیا۔ مگر انہوں نے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے ان کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔ انہوں نے اس کا بھی جواب نہ دیا۔ میں نے دوبارہ قسم دی اور دریافت

کیا وہ پھر بھی چُپ ہی رہے۔ میں نے تیسری مرتبہ پھر قسم دے کر پوچھا انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ جانے اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یہ کلمہ سُن کر میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور وہاں سے لوٹ آیا۔ اس دوران میں ایک مرتبہ مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ قبلی جو کہ نصرانی تھا۔ اور شام سے مدینہ منورہ اپنا غلہ فروخت کرنے آیا تھا۔ اس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کوئی کعب بن مالک کا پتہ بتا دو۔ لوگوں نے اس کو میری طرف اشارہ کر کے جرایا۔ وہ میرے پاس آیا اور غسان کے کافر بادشاہ کا خط مجھے لاکر دیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا۔ میں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر ظلم کر رکھا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ ذلت کی جگہ نہ رکھے اور نہ ضائع کرے تم ہمارے پاس آ جاؤ۔ ہم تمہاری مدد کریں گے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ کسی بڑے کیطرت سے اگر چھوٹے کو تنبیہ ہوتی ہے۔ تو اس کو بہکانے والا اور زیادہ کھونے کی کوشش کیا کرتا ہے۔ اور خیر خواہ بن کر اس قسم کے الفاظ سے اشتعال دیا کرتا ہے۔ کعب کہتے ہیں کہ یہ خط پڑھ کر اِنَّا لِلّٰہ پڑھی کہ میری حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ کہ کافر بھی مجھ میں طبع کرنے لگے۔ اور مجھے اسلام تک سے ہٹانے کی تدبیریں ہونے لگیں۔ یہ ایک مصیبت تھی۔ اور آئی اور خط لے جا کر میں نے تنور میں پھینک دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر عرض کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے اعراض کی وجہ سے میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ کافر مجھ سے طبع کرنے لگے ہیں۔ اسی حالت میں چالیس روز گزار گئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قاصد میرے پاس بھیجا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد والا لے کر آیا۔

کہ اپنی بیوی کو چھوڑ دو۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا منشا ہے۔ اس کو طلاق دے دو؟ کہا نہیں بلکہ علیحدگی اختیار کرو۔ اور میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی اسی قاصد کی معرفت یہی حکم پہنچا میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تو اپنے میکے میں چلی جا جب تک اللہ جلی شائستہ عالم کا فیصلہ نہ فرمائیں وہیں رہنا۔ ہلال بن امیہ کی بیوی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ہلال بالکل بوڑھے شخص ہیں۔ کوئی ای کی خبر گیری کرنے والا نہ ہوگا۔ تو ہلاک ہو جائیں گے۔ اگر آپ اجازت دیں اور آپ کو گرانی نہ ہو تو میں ان کا کام کاج کر دیا کروں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مضائقہ نہیں۔ لیکن صحبت نہ کریں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس چیز کی طرف تو ان کا میلان بھی نہیں جس روز سے یہ واقعہ پیش آیا ہے آج تک ان کا وقت روتے ہی گوارا رہا ہے۔ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بھی کہا گیا کہ ہلال کی طرح تو بھی اگر بیوی کی خدمت کی اجازت لے لے تو شاید مل جائے۔ میں نے کہا وہ بوڑھے ہیں۔ میں جوان ہوں۔ نہ معلوم مجھے کیا جواب ملے۔ اس لئے میں جرات نہیں کرتا۔ غرض اسی حال میں دس روز گزر گئے۔ کہ ہم سے بات چیت میل جول پھٹے ہوئے پورے پچاس دن ہو گئے۔ پچاسویں دن کی صبح کی نماز اپنے گھر کی چھت پر پڑھ کر میں نہایت تنگیں بیٹھا ہوا تھا۔ زمین مجھ پر بالکل تنگ تھی۔ اور زندگی دو بھر ہو رہی تھی کہ سلح کی پہاڑ کی چوٹی پر سے ایک زور سے چلانے والے نے آواز دی کہ کعب خوشخبری ہو تم کو۔ میں اتنا ہی سُن کر سجدہ میں گر گیا۔ اور خوشی کے مارے رونے لگا۔ اور سمجھا کہ تنگی دور ہو گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد ہماری معافی کا اعلان فرمایا جس پر ایک شخص نے تو پہاڑ پر چڑھ کر زور سے آواز دی کہ وہ سب تک پہنچ گئی۔ اس کے بعد ایک صاحب گھوڑے پر چڑھ کر بھاگتے ہوئے آئے اور بشارت دی۔ میں جو کپڑے پہن رہا تھا وہ نکال کر بشارت دینے والے کو دے دیئے۔ خدا کی قسم ان دو کپڑوں کے سوا اور کوئی کپڑا اُس وقت میری ملک میں نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے دو کپڑے مانگے ہوئے پہنے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسی طرح میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی خوشخبری لے کر لوگ گئے ہوئے تھے۔ جب میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا تو وہ لوگ جو خدمت اقدس میں حاضر تھے مجھے مبارکباد دینے کے لئے دوڑے اور سب سے پہلے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر مبارکباد دی۔ اور مصافحہ کیا جو ہمیشہ یاد رہے گا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جا کر سلام کیا۔ تو چہرہ اللہ کھل رہا تھا۔ اور خوشی کے انوار چہرہ اللہ سے ظاہر ہو رہے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی کے وقت میں چاند کی طرح چمکنے لگتا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میری ہائیداد جو ہے وہ سب اللہ کے راستے میں صدقہ ہے (کہ یہ ثروت ہی اس مصیبت کا سبب بنی تھی)

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس میں تنگی ہوگی۔ کچھ حصہ اپنے پاس بھی رہنے دو۔
میں نے عرض کیا کہ بہتر ہے۔ خیبر کا حصہ رہنے دیا جائے۔ مجھے پچ ہی نے نجات دی۔
اس لئے میں نے عہد کر لیا کہ میں ہمیشہ پچ بولوں گا۔

یہ ہے صحابہ کرام کی اطاعت دینداری اور اللہ کے خوف کا نمونہ کہ ہمیشہ جنگ میں
یہ حضرات شریک رہے۔ ایک مرتبہ کی غیر حاضری پر کیا عتاب ہوا۔ کعب بن مالک کے
دونوں ساتھی غزوہ بدر میں حصہ لے چکے تھے اور بدر میں حصہ لینے والے صحابہ کرام قطعی
جنتی ہیں۔ یہ حضرات بیعت رضوان میں بھی شامل تھے جن کے متعلق ارشاد ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ
إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں
سے جب وہ اس پیر کے نیچے تمہاری
بیعت کرتے ہیں۔ (۲۶۔ الفتم۔ ع)

اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم! ہمیں کی تفصیلت کے متعلق حدیث پاک ہے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ نے
اہل بدر کو دیکھا اور فرمایا اب تم جو چاہو کرو۔ میں تم کو بخش چکا ہوں۔

۲۔ صحیح بخاری میں رفاع بن رافع الرزقی صحابی بن صحابی سے روایت ہے۔ جبرائیل علیہ
السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے پوچھا آپ اہل بدر کو
مسلمانوں میں کیسے (انفصیلت کے لحاظ) سمجھتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا۔ سب مسلمانوں سے افضل سمجھتا ہوں۔ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ فرشتوں میں سے جو
فرشتے بدر میں حاضر ہوئے (اسی طرح، وہ فرشتے بھی سب فرشتوں سے افضل ہیں۔ بخاری)

شہیدان مجاہدین کو
مختلف جیلوں بہانوں
میدان جنگ سے بھاگنا شیطانی بہکاوا ہے

سے میدان جنگ میں متزلزل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور
مجاہد میدان سے بھاگ جاتا ہے تو سمجھنا چاہیے کہ شیطان ہمارے گناہوں کی وجہ سے غالب
آگیا ہے۔ مجاہد اس کے بہکاوے میں آگیا ہے۔ غزوہ احد میں جب قریش نے پیچھے سے حملہ

کیا۔ اور مسلمانوں کی صفوں میں اہتری پھیل۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی خبر پھیل گئی۔ تو بعض مسلمان مجاہدین مدینہ شریف بھاگ آئے۔ ان کے متعلق کلام پاک میں ارشاد ہے۔

إِنَّ الدِّينَ تَوَكُّؤُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامِ
لِجَمْعِيْنَ اِنْبَاءِ اسْتَرْكٰهُمْ الشَّيْطٰنُ
بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۗ وَلَقَدْ عٰبَا اللّٰهُ
عَنْهُم اِنَّ اللّٰهَ عَقُوْرٌ
حٰلِيْمٌ ۝

جس دن (یوم احد) دو جماعتیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں اور تم میں سے لوگ بھاگ رہے تھے۔ تو درحقیقت ان کے گناہوں کی وجہ سے شیطان نے ان کو بہکا دیا تھا۔ اور اس وقت تو خدا نے ان سے ضرور درگزر کی بیشک

(پک۔ آل عمران - ع ۱۱۵) اللہ بخشنے والا علم والا ہے۔

گرفت کن پر ہے | کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی صحیح عذر کی وجہ سے جہاد میں حصہ نہیں لے سکتے۔ وہ تو واقعی معذور ہیں۔ ان پر کسی قسم کا نفاق یا بناوت کا جرم عاید نہیں ہو سکتا۔ شرعاً کون کون معذور گئے جاتے ہیں، اس کی تفصیل گذشتہ صفحہ میں گزر چکی ہے۔ ان کی عملی شرکت کی بجائے ان کی خیر خواہی کا جذبہ قبول کر لیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی نیت کے مطابق ثواب عطا فرماتا ہے۔ مواخذہ کے صرف وہ لوگ مستحق ہیں جن کے دل قوی اللہ دینی خیر خواہی سے خالی ہیں جو انسانی حقوق کی بحالی، فتنہ و فساد کا خاتمہ، دین کی اشاعت اور دشمن کے مقابلہ کے لئے نہ خود تیار ہیں اور نہ ان لوگوں کی اخلاقی اور مالی مدد کرتے ہیں۔ جو اس مقصد کے لئے میدان میں نکل رہے ہیں۔ وہ اپنی قوم کی فتح کی بجائے انہیں نینچا دکھانے کے درپہ ہیں۔ ایسا کر کے وہ دشمن کی مدد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اس قابل غضب حالت میں چھوڑ دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الزام کی راہ تو ان پر ہے۔ جو تجھ سے رخصت مانگتے ہیں اور وہ مالدار ہیں۔ وہ اس بات پر خوش ہوئے۔ کہ پیچھے رہنے والیوں کے ساتھ رہ جائیں۔ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الدِّيْنِ
يَسْتَاذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْيٰبٌ
رَّصُوْا بِاَنَّ يَكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَافِ
وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوْبِهِمْ

وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (پا توبہ ۴) کردی سرور نہیں مانتے۔

یہ منافقین، کمزور عقیدہ اور موقع پرستوں کا عمل ہے۔ وہ باوجود استطاعت کے جھوٹے بہانے بناتے ہیں۔ جنگ سے گریز کرنے کے بہانہ سازی سے پیچھے رہ کر وہ خوشی محسوس کرتے ہیں۔ کہ جنگ میں جانے والے ہلاک ہو جائیں گے اور وہ پیچھے رہ کر اپنی جان محفوظ کر رہے ہیں۔

ہمیں قیامت میں رونا پڑے گا | غزوہ تبوک میں جو منافقین پیچھے رہ گئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان

بخیر و عافیت واپس آگئے ہیں۔ تو جہاد سے ہی چرانے والوں کو نگر ہوئی۔ وہ اپنی معذرتی کے جیلے بہانے سوچنے لگے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی حقیقت حال سے آگاہ فرماتا ہے۔ ارشاد ہے۔

يَعْتَدِ رُؤْيَاكُمْ
اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ
قُلْ لَا لَعْنَتِي رُؤْيَاكُمْ
لَكُمْ قَدْ نَبَاْنَا اللّٰهُ مِنْ
اَنْبَاْرِكُمْ وَسَيَرٰى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ
وَرَسُوْلُهُ ثُمَّ تَرَدُّوْنَ اِلَىٰ عَالِمِ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (پا توبہ ۴)

یہاں لائیں گے تمہارے پاس جب تم
ان کی طرف پھر کر جاؤ گے۔ تم راسے نبی فرماؤ
یہاں نے مت بناؤ ہم تمہاری بات ہرگز نہ
مانیں گے ہم کو اللہ تمہارے احوال بتا چکا
ہے۔ اور ابھی اللہ دیکھے گا تمہارے کام اور
اس کا رسول۔ پھر تم اس پیچھے اور کھلے کے جانے
والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر وہ تم کو
بتائے گا جو تم کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ انسان کے ہر حال سے آگاہ ہے۔ جلی، خفی سب اسرار اس پر عیاں ہیں۔
اب اگر انسان اس چند روزہ زندگی میں اپنے دوسرے ساتھیوں سے حقیقت حال کو چھپا بھی
لیتا ہے۔ جہاد سے بچنے اور کھسکنے کی کوئی راہ نکال لیتا ہے۔ تو کل قیامت میں نامر اعمال
سب کچھ سامنے لے آئے گا، اسے پڑھ کر رونا اور شرمندہ ہونا پڑے گا۔ کوئی نیکی اس کے
لئے نفع بخش نہیں ہوگی۔

ایمان والوں کی لغزش معاف ہوتی ہے | انسان خطا کا پتلا ہے قلبی اس سے پاک

ہوتا یہ ایک محال کام ہے۔ اور انتہائی تقویٰ کی بات ہے۔ شیطان انسان سے ہیر پھیر کر دیتا ہے۔ انسان اپنی غلطی کو محسوس کر لے۔ دانتہ اور نادانتہ گناہ کا اقرار کر لے، اللہ تعالیٰ سے خلوص نیت سے معافی کا خواستگار ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ وہ معاف کرنے والا ہے۔ اخلاص کو شریعت قبولیت سے لہاڑتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر دو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قصہ گزر چکا ہے۔ ان حضرات کی غلطی اسلام کے منافی طرز پر یعنی نہیں تھی بلکہ ایک قیاسی غلطی تھی۔ کہ اگر اس دفعہ جہاد میں شامل نہ بھی ہوئے۔ تو کوئی ایسی بڑی بات نہیں، آئندہ شامل ہو جائیں گے۔ اس سے پہلے ہمیشہ شمولیت کی ہے۔ وہ ایسی کسی بات سے قطعاً قطعاً مبرا تھے۔ جسے اسلامی جہاد کی مخالفت یا اپنی جان کو بچانے پر محمول کیا جائے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور معافی کا اعلان فرمایا۔ اگر ہم سے کسی لمحہ کوئی ایسی غلطی ہو چکی ہو تو اس کی تلافی کے لئے اخلاص نیت سے تائب ہونا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا ضروری ہے۔

جہاد اور نصرت الہی

اللہ تعالیٰ کی مدد، صبر، تقویٰ اور مجاہد کی پوری طاقت کے استعمال کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر مجاہدین میں ان کا فقدان ہو تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی نہیں پہنچتی۔ اگر مجاہد وسائل کی کمی کی وجہ سے بالکل ہی مجبور ہے تو اللہ تعالیٰ مدد کے لیے اسباب مہیا کرتا ہے۔ اپنی غیبی قوتوں سے مدد کرتا ہے۔ فرشتے مدد کے لیے بھیج دیتا ہے۔ جانوروں، درندوں اور پرندوں سے مدد کرواتا ہے۔ ظہور اسلام سے پہلے یمن کا حاکم ابرہہ جو کہ عیسائی مذہب رکھتا تھا کعبہ معظمہ کو شانے کے لیے اپنا لشکر اور ہاتھی لے کر روانہ ہوا اہل مکہ بالکل کمزور تھے۔ مقابلے کی طاقت نہ رکھتے تھے کعبہ کے متولی حضرت عبدالمطلب نے اہل مکہ سے فرمایا! تم اسے چھوڑ کر سپاڑ کی چوٹی کی طرف چلے جاؤ یہ اللہ کا گھر ہے۔ اس کا وہ خود حافظ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی خود حفاظت فرمائی سورہ فیل میں اس کا ذکر اس طرح ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ
بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۗ اَلَمْ يَجْعَلْ
كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۗ وَاَرْسَلَ
عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيلَ ۗ تَرْمِيهِمْ
بِحِجَارٍ مِّنْ سِجِّيلٍ ۗ فَجَعَلَهُمْ
كَصَفٍ مَّا كُوْلٍ ۗ رَّبِّ ۙ اَعْمٰ ۙ ع ۙ ۳۰ ۙ

اسے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تمہارا رب نے
ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا۔ کیا ان کا
داؤلہ تدبیر، تباہی میں نہ ڈالا اور ان پر
پرندوں کی ٹکڑیاں بھیجیں کہ انہیں لٹکر کے
پتھروں سے مارتے۔ تو انہیں کر ڈالا جیسے
کھائی کھیتی کی تھی۔

اللہ تعالیٰ ہر طرح سے مدد کرنے پر قادر ہے۔ صرف مسلمان کی آزمائش کے لیے صبر اور تقویٰ میاں پر کھ مقرر فرمادیا کے خون بھی دیتے ہیں یا صرف من و سلونی ہی مانگتے ہیں۔ ملوہ کھانے والا مجنوں ہے یا خون دینے والا۔ ابا بیلوں نے ابرہہ کے لشکر پر لٹکریاں

برسائیں تمام ٹکرتا ہوں گی۔

مجاہدین کی اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے | حضرت بلوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

دلم نے فرمایا میں شخصوں کی اعانت و امداد اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ ایک اللہ کے ہاتھ میں جہاد کرنے والا۔ دوسرا وہ مکاتب جو روپیہ کی ادائیگی کا ارادہ رکھتا ہو۔ تیسرے وہ شخص جو پادشائی کے مادے سے نکاح کرنا چاہتا ہو۔ (ترمذی)

نکاح کا مطلب یہ ہے کہ ایک غریب آدمی زنا کے خوف سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ سے مدد اور رحم و کرم کا طالب ہو وہ مدد فرماتا ہے۔ دعا قبول کرتا ہے۔ ارشاد ہے

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي رَسُومًا
أَسْتَجِبْ لَكُمْ
اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا
کرد میں قبول کروں گا۔

مخلوق خدا کو حکم ہے کہ مجھے پکارو۔ مجھے سے مانگو میں تمہارے لیے تمہاری دعا قبول کروں گا۔ تمہاری حاجت پوری کروں گا۔ دنیاوی معاملات اور خاص کر بنی زندگی میں انسان اپنی خیر و عافیت کے لیے دعا کرتا ہے۔ مال و دولت کے لیے اچھا کرتا ہے۔ بیوی اور بچوں کے لیے دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کے حسب حال اس کی دعا قبول کرتا ہے کبھی وہ بعینہ دعا قبول کرتا ہے۔ اور کبھی اس کو انسان پر آنے والے مصائب مٹانے کے لیے اپنے خزانے میں جمع کر لیتا ہے۔ لیکن رد نہیں کرتا، مجاہد فی سبیل اللہ کو ایسا مقام حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی کوئی دعا رد نہیں فرماتا۔ قبول فرماتا ہے۔ بلکہ ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی مدد کا وعدہ اور اعلان فرماتا ہے کہ میں بھی مدد کروں گا۔ تمہاری مدد کرنا میرے ذمہ ہے۔ ارشاد ہے۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ
اور ہمارے ذمے کرم ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا۔
(الروم ۴)

مجاہد جب اللہ کا ماہ میں شمشیر بکف ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی غیبی طاقتوں اور شہتوں

اور اپنے نیک بندوں سے ان کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مدد کا اس طرح اظہار فرماتا ہے۔ میں دشمن کے دل میں تمہارا رعب ڈال دوں گا۔ تمہاری تعداد اور قوت دشمن کو زیادہ نظر آئے گی۔ اس کے دل میں خوف پیدا کر دوں گا۔ اس میں مغلوبے کی سمیت نہ رہے گی۔ اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ انفرادی طور پر ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں جہاں مجاہدین نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا۔ منزل مراد تک پہنچنے تک مدد فرمائی۔ تعداد اور ہتھیاروں کی کمی بیشی کامیابی کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آج بھی قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں۔ اس کے قانون میں ہیر پھیر اور تبدیلی نہیں۔ دینے والے کے خزانوں میں کمی نہیں۔ البتہ لینے والے اپنے اخلاص اور ظرف کے مطابق جھولیاں مہرتے ہیں۔ اگر کوئی کمی بیشی یا خامی ہے تو وہ ہمارے اعمال کی وجہ سے ہے۔ اس کا الزام انسان پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا یہ نعمتیں۔ بھلائیاں، تندرستی اور دنیا کی رعنائیاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہیں۔ مصائب اور ناکامیاں ہمارے اعمال کی سزا ہے۔

اگر ہم حق پر ہوں۔ جو ہر ایمانی موجود ہو۔ شکل لمحات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ مدد طلب کریں تو اللہ کا کرم شامل حال ہوتا ہے۔ اس میں کوئی ٹھک نہیں شرط یہ ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

فضائے بدر پیدا کر فرختے تیری نصرت کو آسکتے ہیں گردِ فل سے قطار اندر قطار اب بھی
فضائے بدر کیا ہے؟ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ
فضائے بدر علیہ وآلہ وسلم کے پروانے سرکھن ہیں۔ ہر قسم کی قربانی کا
وعدہ کئے ہوئے ہیں۔ آپ نے جہاد کے لیے مشورہ کیا۔ جواب کے لیے مبارک نگاہیں
انصار کی طرف اٹھیں۔

سے جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
انصار کی طرف سے وعدہ کے الفاظ بڑی تانبدہ مثال ہے۔ انصار کے سردار مقداد بن

عمر و بدگاہ رسالت پناہ میں یوں عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ جو حکم آپ کو اللہ کی طرف سے ملا ہے اس کے لیے سوار ہو جائیے۔ ہم لوگ بنی اسرائیل کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ "تو اور تیرا خدا جاؤ لڑو" ہم تو بیٹھے ہیں تم ہے۔ اس ذات جس نے حق و صداقت کے ساتھ بھیجا تھا۔ اگر آپ برگ انصار (بین کا ایک مقام ہے) تک جائیں گے تو ہم ساتھ ہوں گے۔ حضور اقدس کو درمیان میں لیتے ہوئے آگے پیچھے دائیں بائیں جنگ لڑیں گے۔

سے وہی تک کٹ مروں میں خواجہ یثرب کی عزت پر

خدا شاہ ہے کامل سیرا ایساں ہو نہیں سکتا

انصار کی جنگ میں شمولیت کا یہ پہلا موقع تھا۔ حضور اقدس نے مکرر انصار کی طرف رخ فرمایا تو سعد بن معاذ نے عرض کیا۔ "بجدا حضور پر ایمان لائے ہیں۔ حضور کی تصدیق کی ہے اور شہادت دی ہے کہ حضور جو کچھ فرماتے ہیں۔ وہ حق ہے۔ ہم نے قبل ازیں سب و طاعتا کے سعادت کئے ہیں۔ لہذا ہماری عرض یہ ہے کہ حضور کا جو ارادہ ہو اسی کے مطابق عمل فرمایا جائے"۔

آقا! تیری ادا، ادائے حق تیری رضا، رضائے حق

وہی خدا تیرا کلام تجھ پر درود اور سلام

سلمان حرب اور مجاہدین کی تعداد | مجاہدین اسلام کی کل تعداد ۲۱۳ تھی۔ سواری کے لیے ۱۰ گھوڑے

اور ۱۳ اونٹ تھے تلواریں ٹوٹی ہوئیں۔ کسی کے پاس تلوار ہے تو ڈھال نہیں۔ کمان ہے تو تیر نہیں۔ کسی کے ہاتھ میں صرف کھجور کا ڈنڈا ہے۔

بس یہی کچھ سہیا رہے۔ قربانی کے لیے معوذتہ اور معاذ حاضر ہیں۔ ابو جہل کو جہنم واصل کرنے کا شرف ان ہی نو عمر اسلامی شہبازوں کی تلواروں کو حاصل ہوا۔ مقابلہ میں کفار کی تعداد ایک ہزار تھی ۱۰۰ گھوڑے ۱۳ اونٹ اور وقت کے مطابق بہترین جنگی سازد سلمان میر تھا۔ سیدنا عبدالرحمن بن عوف فرماتے ہیں کہ صف بندی میں میر ابو جہل کا قتل | دائیں بائیں نوجوان لڑکے تھے۔ میں نے دل میں کہا میرے

برابر کوئی آزمودہ کار ہوتا تو خوب ہوتا یہ معوذہ اور معاذ لہران عفرات تھے۔ ایک نے مجھ سے کہا چچا آپ ابو جہل کو جلتے ہیں۔ جب ہمارے سامنے آئے تو مجھے بتانا۔ دوسرے نے بھی اُمتہ سے۔ یہی پوچھا۔ میں نے کہا تم کیا کرو گے۔ انہوں نے کہا ہم نے سنا ہے کہ یہ حضور اقدس کو گالیاں دیتا ہے۔ ہم نے اُسے قتل کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔ اتنے میں ابو جہل چکر لگاتا۔ شکر کے سامنے آیا۔ میں نے کہا دیکھو وہ ابو جہل ہے۔ یہ سنتے ہی عقاب کی طرح جھپٹے دونوں نے اپنی تلواریں اٹھائیں اور اس کے پیٹ میں گھرنپ دیں۔ وہ جان توڑ رہا تھا کہ ابن مسعود بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے چھاتی پر پاؤں رکھا سر کاٹنا اور واڑھی سے پکڑ کر سرائٹھالیا۔ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہر سہ کی خدمت کو قبول فرمایا۔ نیز فرمایا۔ اس اُمت کا فرعون ہی تھا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں سے

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق

عشق نہ ہو تو شرع و دین بنکدہ تصور ات

بے سرو سامانی کا عالم ہے گنتی کے مجاہدین لیکن سر بکف ہیں نو عمر ہیں۔ لیکن اسلام کا سب سے بڑا دشمن ان کا ہدف ہے۔ باپ بیٹے کے خلاف اور بھائی بھائی کے خلاف نبرد آزما ہے صرف اللہ اور اللہ کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا مطلوب ہے۔ خوئی رشتے کٹ چکے ہیں ذہن سے ان کا تصور یکسر ختم ہو چکا ہے۔

ع سب خوئی رشتیاں نا طیاں، نالوں حُب جیب دی بالا اسے

غزوہ بدر میں مسلمان کفار کی کثیر تعداد دیکھ کر گھبرائے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ مومنوں کو ثابت قدم رکھو میری مدد تمہارے

ساتھ ہے۔ ارشاد ہے۔

اِذْ يُوحِي رَبُّكَ اِلَى الْمَلَائِكَةِ
اَنْ يَّمَعَكُمْ فَيُتَوِّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
سَاَلِفِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَالرَّغِبِ رِيْ الْاِنْفَالِ (۱)

(اے پیغمبر! یہ وہ وقت تھا کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں پر وحی کی تھی۔ میں تمہارے ساتھ ہوں (میری مدد تمہارے ساتھ ہے) پس مومنوں کو ثابت قدم رکھو۔

مغترب ایسا ہو گا کہ میں کافروں کے دلوں
میں (مومنوں کی)

دہشت ڈال دوں گا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے دو انداز ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم مسلمانوں کی مدد کرو۔ ان کے دلوں کو قوی رکھو۔ خوف اور شیطان و سوسے سے محفوظ رکھو۔ ان میں خوف ہراس نہ پھیلے۔ دو۔ دلیری اور خود اعتمادی ایک ایسا ہتھیار ہے جو بڑی سے بڑی ہم کو سر کر جاتا ہے۔ ان کو فتح و نصرت کی خبر دو۔ یہ ایک قسم کا مسلمانوں کے لیے قبل از وقت مدد کا وعدہ ہے۔ نصرت الہی کا دوسرا انداز یہ ہے کہ میں کفار کے دلوں میں تہہ پارسا بھٹانے دیتا ہوں۔ ان پر تہہ پاری بہادری اور جان بازی کا خوف غالب ہو گا۔ وہ مقابلے کی بہت نہ پائیں گے۔ لہذا تم بلا خوف و خطر ان پر وار کرو اور پھر مزید فرمایا کہ ان کی گردنوں اور جوڑوں پر مارو مراد ایسا وار کرو جس سے وہ جانبر نہ ہو سکیں۔ فوراً ختم ہو جائیں یا لڑنے کے قابل نہ رہیں۔

موجودہ جگہ میں مراد یہ ہے کہ دشمن پر کاری ضربیں لگائی جائیں جو اس کی لڑاکا اہلیت کو مفلوج کر دیں۔ اسلحہ کی ٹیکڑیاں اور ڈپو اڑا دیے جائیں اہم شاہراہیں کاٹ دی جائیں۔ رسل و رسائل کو تباہ کیا جائے۔ سپلائی لائن کاٹ دی جائے۔ جو انی اڈے تباہ کر دیئے جائیں۔ اس سے دشمن کی لڑائی کی اہلیت (FIGHTING EFFICIENCY) پر گہرا اثر پڑ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بوقت ضرورت ملائکہ سے مجاہدین کی مدد کرتا ہے

فرشتوں کی مدد

غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے تین ہزار فرشتے نازل فرمائے یہ فرشتے نشان زدہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان ملائکہ نے علیؑ پر قتال کیا۔ ارشاد ہے۔

اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ اَلَا اَنْتُمْ
يَكْفِيكُمْ اَنْ يَمْدَكَ كَذٰلِكَ
اَلَا اَنْتُمْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنَزَّلِيْنَ

جب تھلانے نبیؐ (مسلمانوں کو کہنے لگے کیا تمہیں کافی نہیں کہ تمہاری مدد کو تمہارا رب تین ہزار فرشتے (آسمان سے بھیجے) اتارنے

بَلَىٰ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فُورِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ . رپ . آل عمران . ۱۷

والے البتہ اگر تم صبر کرو اور نپکتے رہو اور اور وہ اسی دم آئیں تو تمہارا ہر پانچ ہزار فرشتوں کی مدد بھیجے نشان دار گھوڑوں پر۔

پہلے تین ہزار کا ذکر ہے اور پھر پانچ ہزار کا اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے کفار کو کسی طرف سے مزید کمک پہنچ گئی۔ ان کی تعداد بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ تین ہزار کی جگہ پانچ ہزار فرشتے بھیج دے گا۔ مدد میں اضافہ اللہ کے ہاں کوئی مشکل نہیں تمہیں کسی تم کی تشویش اور پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔ البتہ یہ کہ تم صبر و تحمل سے کام لو۔ احکام الہی کی تعمیل میں اور رسول اللہ کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی سے بچو۔ اللہ رب العزت اس چیز پر قادر ہے کہ بغیر فرشتوں کے مدد کرے۔ اس کی مدد کسی چیز کی محتاج نہیں۔ یہ سب کچھ صرف مسلمانوں کی تسلی اور اطمینان کے لیے تھا تاکہ مسلمان خوش ہو جائیں۔ ظاہری اسباب کو دیکھ کر انسان کو اطمینان قدرے زیادہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرًا لَّكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ط
رَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ط رپ . آل عمران . ۱۷

اور یہ تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری خوشی کے لیے کہا تھا اور اس لیے کہ تمہارے دلوں کو تسکین ہو اور مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے جو زبردست حکمت والا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے جیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدرتے مسلمانوں کی مدد فرمائی کفار پیر شاندار فتح عطا فرمائی اور اصول نظرت کی بنیاد رکھ دی کہ اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے۔ مجھ پر ہر دوسرے کر دے گے۔

دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہو گے۔ حق کے لیے جان و مال کی قربانیاں ہمیشہ کرو گے۔ تو میری مدد پہنچتی رہے گی۔ لیکن اگر اطاعت رسول میں فرق آیا۔ میرے احکام کی خلاف ورزی کی تو پھر قوت کے باوجود کامیاب نہ ہوں گے۔ میری مدد نہ پہنچے گی احکام الہی کی پابندی ٹھنڈی ہے۔

غزوہ بدر میں حضور کا کنگریاں پھینکنا | سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ کے حضور حد کی درخواست کی اس کے بعد کنگریاں لے کر کفار کی طرف پھینکیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَا دَرَمَيْتُ إِذْ دَرَمَيْتُ وَ لَكِنَّ اللَّهَ رَحِيمٌ اور
نہیں پھینکا تو نے جب پھینکا تو نے لیکن اللہ نے پھینکا۔

اسے محبوب یہ سمجھی جو کفار کی طرف تو نے پھینکی ہے۔ یہ تم نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عین لڑائی کے نور میں خاک کی ایک مٹی کفار کی طرف پھینکی یہ خاک کفار کے چہروں پر پڑی جس سے ان کے دل ٹوٹ گئے۔ ان کی جان پر بن گئی۔ جب مومن اپنے آپ کو اللہ کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ اپنی ذات کو اللہ کی ذات میں گم کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کا حامی و کار ساز ہو جاتا ہے۔
مَنْ كَانَ لِلَّهِ كَانَ لِلَّهِ كَدٌّ جِوَالِدًا يُوْحِي اللّٰهُ اس کا
ہو جانا ہے تو پھر :-

۵ ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ

جب مومن اس صفت سے متصف ہوتا ہے تو اس کی ضرب۔ ضرب ید الہی ہے۔ اور ایک مجاہد کی ضرب پورے لشکر کی ضربوں کا کام کر جاتی ہے۔ ارشاد ربّانی ہے۔ جب میں کسی سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے اعضاء یعنی آنکھ کان منہ ہاتھ پاؤں اور ہم بن جاتا ہوں۔ اس کا کام اور ہر حرکت میری حرکت ہوتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی امداد کے انداز مختلف ہیں۔ موسم اور حالات سے مدد کرے یا دشمن میں بھوٹ ڈال دے۔

غزوہ بدر کے موقع پر بارش | غزوہ بدر میں مسلمانوں نے ریتی زمین پر ڈیرے ڈالے تھے۔ جس میں نقل و حرکت

کے وقت پاؤں دھنستے اور پھلتے تھے۔ اس کے برعکس کفار کی طرف سخت زمین تھی جس کی وجہ سے ان کی نقل و حرکت میں کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بارش برساٹی۔

جس سے ریت بیٹھ گئی اس پر نقل و حرکت کی دقت دور ہو گئی۔ کفار کی طرف جہنم کی سخت تھی۔ اس سے وہاں دلوں اور کپڑوں پر گیا۔ اونٹوں اور گھوڑوں کے پاؤں پھیلنے لگے۔ تیزی سے نقل و حرکت کرنی ممکن نہ رہی۔ اللہ رب العزت نے ناموافق کو موافق میں بدل دیا۔

غزوہ احزاب میں جب محاصرہ نے طول کھینچا تو کفار کا
غزوہ احزاب آپس میں تفاق پڑ گیا۔ بنو عطفان کے ایک رئیس نعیم ایمان
 لائے تھے۔ لیکن کفار کو اس کا علم نہ تھا۔ انہوں نے بنو قریظہ سے کہا کہ قریش واپسی
 کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جب تک وہ کچھ آدمی یہ خیال کے طور پر نہ دیں ان کا ساتھ نہ
 دیں۔ ادھر آپ نے قریش کو کہا کہ بنو قریظہ کو تم پر اعتماد نہیں۔ اس لیے وہ یہ خیال
 طلب کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش اور یہودیوں میں بھوٹ پڑ گئی ایک دوسرے
 کا اعتماد کھو بیٹھے۔ اس طرح ان میں بددلی اور بدگمانی پھیلا دی ایک روز اس زور کا
 طوفان آیا جس سے کفار کے نیچے اڑ گئے۔ طنائیں ٹوٹ گئیں۔ سامان رسد اڑ گیا۔ جانور
 ہلک ہو گئے۔ ایک کو دوسرا نظر نہیں آتا تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات
 پیدا پیدا کر دیے کہ کفار واپسی پر مجبور ہو گئے۔

انفرادی اور اجتماعی طور پر ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے
 مسلمان مجاہدین کی مدد فرمائی۔ ان کی دعا قبول فرمائی۔

غزوہ احد میں کفار مکہ کی تعداد تین ہزار تھی۔ مسلمان ایک ہزار کی
غزوہ احد جمعیت لیکر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ راستے سے عبداللہ بن ابی
 بہان بنا کر اپنے تین سوسا تھیوں سمیت واپس ہو گیا اب سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وآلہ وسلم کے پر و انوں کی تعداد صرف ۱۰۰ تھی۔ کفار کی تعداد دیکھ کر بنو حارثہ اور
 بنو سلمہ کے قبیلہ کے لوگ دل شکستہ ہو گئے کہ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کیونکر کریں۔ اس موقع
 پر اللہ تعالیٰ نے ان کی ہمت بندھائی کہ تم اللہ پر بھروسہ کرو وہ مدد کرے گا۔

جب تم میں سے دو فرقوں نے ارادہ کیا
 اِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَيْنِ مِنْكُمْ

اِنَّ تَفْسُلًا ۙ وَاللّٰهُ وَ لِيُصْمَا ۙ
 وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ
 کہ نامردی کریں اور اللہ ان کا مددگار
 تھا اور چاہیے کہ اللہ پر ہی مومن بھروسہ کریں
 چنانچہ مسلمان اللہ پر بھروسہ کرنے ہوئے اس بہت اور دلیری سے لڑے کہ
 کفار کے حملے ختم ہو گئے۔ وہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر جب مجاہدین
 کی غلطی کی وجہ سے پریشانی اور نقصان کا سامنا ہوا۔ مسلمانوں کو دکھ پہنچا۔ خیالات ادھر
 ادھر گھومے تو ارشاد ہوا۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ
 وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۗ وَرَأَى آلِ عِمْرَانَ
 اور اللہ بدر میں تمہاری مدد کر چکا ہے حالانکہ
 تم کمزور تھے۔

غزوہ اُحد میں نقصان اور پریشانی اپنی غلطی کا نتیجہ تھی۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وآلہ وسلم کے حکم کی غلط درزی کی وجہ سے نصرت الہی دست کش تھی۔ چنانچہ ارشاد

إِن يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ
 لَكُمْ ۗ وَإِن يَسُدَّ كُمْ
 فَهِنَّ ذَٰلِكَ ۗ يَنْصُرْكُمُ
 مِّنْ بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
 الْمُؤْمِنُونَ ۗ
 اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو تم پر کوئی
 غالب نہ آسکے گا اور اگر تمہاری مدد نہ
 کرے تو ایسا کون ہے۔ جو اس کے
 بعد تمہاری مدد کرے۔ مسلمانوں کو اللہ پر
 ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

مومنوں کا کام اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ کرنا ہے۔ اس پر توکل کرنا ہے۔ اپنی پوری
 کوشش صرف کر دینا اور انجام اللہ کے سپرد کر دینا ہے۔ نتائج اور انجام کا وہی مالک ہے
 اگر کسی ناخوشگوار واقعہ کا سامنا ہے۔ تو سمجھ لیں کہ ہم میں کوئی خافی ہے۔ اس کا شکوہ نہ
 کریں۔ غزوہ اُحد کے سلسلے میں ارشاد ہے۔

أَوَلَمْ آتَاكُمْ مِّمَّا مَهَيْتُمُ
 قَدْ أَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۗ قُلْتُمْ
 أَفِي هَٰذَا أَقْلٌ ۗ هُوَ مِنْ
 کیا جس وقت تمہیں ایک تکلیف پہنچی کہ
 تم اس سے دو چند تکلیف پہنچا چکے ہو تو
 کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آئی تو کہہ یہ تکلیف

عِنْدَ أَنْفُسِكُمْ (پاپا آل عمران ع) تمہیں۔ تمہاری ہی طرف سے ہے۔

یہاں مسلمانوں کو تسکین دی کہ تیر اندازوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی اور یہی حکم عدولی تمہارے لیے مصیبت کا باعث ہو گئی۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
غزوہ احد میں تیر اندازوں کو حکم۔ رسول نے عبد اللہ بن جبیر کی

سرکردگی میں ۵۰ تیر اندازوں کا ایک دستہ احد کی چوٹی عینین پر مقرر فرمایا۔ ان کو حکم دیا ہماری پشت کی حفاظت کرو کوئی عقب سے ہم پر نہ آسکے ان پر تیر چلاؤ کیونکہ لشکر

تبروں کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا جب تک تم اپنی جگہ رہو گے ہم غالب رہیں گے۔ بار الہی میں تجھ کو کوان پر گواہ بناتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا۔

اگر تم نے دیکھا کہ ہم پر پرندے چھٹا مار رہے ہیں۔ تب بھی تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا یہاں

تک کہ میں کسی آدمی کو تمہارے پاس نہ بھجوں، اگر تم دیکھو کہ ہم نے شکست کھائی یا ان پر غالب ہوئے اور وہ مشرکین قتل ہو گئے تو بھی نہ ہٹنا۔ یہاں تک کہ میں کسی کو

تم تک نہ بھجوں۔

انفاظ مبارک کچھ بھی ہوں۔ حکم رسالتاب قطعی واضح تھا۔ اسے سمجھنے میں کیونکر

غلطی ہوئی۔ اس میں کیا راز تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہے۔

یہ غزوہ احد کا واقعہ ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے عاصم بن عمر بن

معجزہ قادمہ نے بتایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کان سے تیر

پھینک رہے تھے کہ اس کی تافت ٹوٹ گئی پھر قادمہ بن نعمان نے اس کو لے لیا

اور وہ انہی کے پاس رہی اور اس دن ان کی آنکھ پر ایسی افتاد پڑی کہ وہ رخسار

بد آگئی ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول کریم نے اپنے دست مبارک سے اس کو دیکھ

رکھ دیا تو وہ آنکھ دوسری آنکھ سے بہتا اور تیز ہو گئی اور جب دوسری آنکھ کو آشوب

ہوتا تو یہ آنکھ پھر بھی رمد آلود نہ ہوتی۔

کامیابی اور ناکامی کا انحصار کس بات پر ہے۔ دین اسلام کی

اشاعت، اقتنہ و فساد کا خاتمہ، دشمن کے چلے کے خلاف ملک کا دفاع شامل ہیں۔ اس میں کبھی کامیابی اور کبھی ناکامی کا سامنا بھی ہوتا ہے۔ اس کے ظاہری اسباب بھی ہوتے ہیں اور دیگر عوامل بھی۔ غزوہ اُحد میں مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ برصغیر ہند میں مثل بادشاہت کو زوال آیا آج مسلمانوں کا قبلہ اول بیت المقدس ہو دیوں کے قبضے میں ہیں اسلامی نقطہ نظر سے کامیابی کا معیار کیا ہے۔ شکست کی صورت میں کیا اللہ کی مدد ہم سے دست کش ہو جاتی ہے؟ یا یہ اعمال کا مظہر ہے ارشاد ہے۔

مَا أَمَّاكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ
اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ
نَفْسِكَ ط . پ . ن . س . م . م .

جو پہنچے تجھ کو بھلائی سو اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھ کو برائی پہنچے سو تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔

مطلب یہ نکلا کہ اگر ہمیں دشمن کے مقابلے میں کامیابی ہوئی تو وہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور اگر خدا نخواستہ کہیں ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو وہ انسانی اہمال کا نتیجہ ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ مثل شہنشاہیت پر زوال اس وقت آیا جب مجاہدانہ روح نینف ہو چکی تھی۔ سہل کوشی اور عیش پرستی حد سے گزر چکی تھی۔ بعض دیگر وجوہات بھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس سے انکار نہیں یہ عنصر بھی بدو جو اتم موجود تھا۔

ابتدائے اسلام میں بیت المقدس بے سرو سامان مجاہدوں نے فتح کیا صلح الین الی بی نے تنہا پورے یورپ کو مار بھگایا۔ ۸۵۰ء میں دوبارہ قبضہ کر لیا پھر کیا دہرے کہ ہم اس پر قبضہ نہ رکھ سکے باہمی خانہ جنگی اور رقابت نے دشمنوں کو موقع دیا۔ ہم نے اسلامی وقار کو نظر انداز کر کے ذاتی مفاد اور وقار کو ترجیح دی۔ لہذا باری باری سب ہی مردم ہو گئے۔ میر جعفر اور میر صادق حکمرانی کا خواب پورا کرنے کیلئے فدائی کا طوق پہن بیٹھے۔ پھر حکمرانی کیا جو تھا۔ وہ بھی نہ رہا۔ یہی حال ہماری بڑی اسلامی مملکتوں کا ہوا۔ اور ہم اپنے کئے کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ لیکن کوئی کام ناممکن نہیں ان کی بازیافت ممکن ہے تلافی ممکن ہے۔ ہم سچے مومن ہوں۔ اسلام کی حقیقی روح ہماری

دلون میں جاگزیں ہو۔ اللہ کی راہ میں کل وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے پرخوش گوشتی کریں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیاب نہ ہوں، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

غَلِبَتِ الرُّومُ فِي أَذْنِ الْأَرْضِ
وَهُمْ دِينٌ بَعْدَ غَلِبِهِمْ سَيُغْلِبُونَ
فِي ابْضِعِ سِنِينَ ط (پاؤں۔ الروم ۱۷)

رومی مغلوب ہوئے پاس کی زمین میں
اور اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب
ہوں گے چند برس میں

شان نزدل یہ ہے فارس اور روم کے درمیان جنگ تھی۔ اہل فارس مجوسی تھے اس لیے مشرکین عرب ان کا غلبہ پسند کرتے تھے۔ رومی اہل کتاب تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو ان کا غلبہ اچھا معلوم ہوتا تھا خسرو پرویز بادشاہ فارس نے رومیوں پر حملہ کرنے کے لیے لشکر بھیجا اور قیصر روم نے بھی مقابلہ کے لیے فوج روانہ کی یہ لشکر سرزمین شام کے قریب ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے۔ اس جنگ میں اہل فارس غالب آئے۔ مسلمانوں کو یہ بات گمراہ گزری۔ کفار مکہ اس سے خوش ہو کر مسلمانوں سے کہنے لگے کہ تم بھی اہل کتاب اور انصاری بھی اہل کتاب اور ہم بھی امی اور اہل فارس بھی امی۔ ہمارے بھائی اہل فارس تمہارے بھائیوں رومیوں پر غالب آئے۔ ہماری تمہاری جنگ ہوئی تو ہم بھی تم پر غالب ہوں گے۔ چنانچہ انہیں خبر دی گئی کہ چند سال میں رومی پھر اہل فارس پر غالب آجائیں گے۔ یہ آئیت سن کر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق نے کفار مکہ میں جا کر اعلان کر دیا کہ خدا کی قسم رومی ضرور اہل فارس پر غالب آئیں گے۔ اے اہل مکہ تم اس وقت کے نتیجہ جنگ سے خوش مت ہو یہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے۔ سات سال بعد یہ خبر پوری ہوئی۔ رومی اہل فارس پر غالب آئے۔ رومیوں نے مدائن میں اپنے گھوڑے باندھے اور عراق میں رومیہ نامی ایک شہر کی بنیاد رکھی۔

جنگ اور ذکر الہی

اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے مسلمان کو پوری پوری کوشش کا حکم ہے اس کے لئے وہ تمام قسم کے وسائل سے کام لے۔ اپنے حامیوں اور بھائی بندوں سے مدد لے۔ دنیاوی سزا سامان کو بروئے کار لانے کے ساتھ ساتھ ثابت قدمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا ذکر کرے، حمد و ثنا کرے اور اپنی کامیابی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اس سے کسی حال میں غافل نہ ہو۔ یہ فلاح اور کامیابی کا ذریعہ ہے۔ ارشاد ہے۔

وَإِذْ كَرُمَ اللَّهُ كَثِيرًا لِّعَلَّكُمْ تُفْعَلُونَ۔ تسبیح و تہلیل بھی جاری رکھو۔ فارسی کا قول ہے۔
 یا ہاں تن و ہمتن باؤ "ظاہری طور پر مغل والوں کے ساتھ اور باطنی طور پر یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو لہذا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو اور جب بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کو یاد کرتا ہے۔ جب بندہ اُسے پکارتا ہے تو وہ سنتا ہے اور پکار کا جواب دیتا ہے اللہ ہماری پکار کو بڑے قریب سے سنتا ہے وہ انسان کی شررگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔ ہم تمہاری شررگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

تم مجھے یاد کریں تمہیں یاد رکھوں گا | جب انسان اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ بھی اسے یاد کرتا ہے۔ ارشاد ہے۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (سورہ بقرہ - ۱۵۲) تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔
 اللہ کی یاد سے اللہ تعالیٰ کا کرم شامل حال ہوتا ہے۔ مدد حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ فلاح و کامیابی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس سے دعا کریں وہ قبول کرتا ہے۔

غزوہ بدر اور حضور اقدس کی دعا | غزوہ بدر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے بڑی

ماجزی اور گریہ وزاری سے دعا کی۔ کامیابی کی درخواست کی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے کامیابی کا وعدہ فرما رکھا ہے۔

جب صفت بندی ہو رہی تھی دونوں طرف تیاری زوروں پر تھی۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شمشیر برہنہ لے کر پہرے پر کھڑے تھے۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عرش مبارک میں نماز پڑھی اور یوں دعا فرمائی۔
 اللَّهُمَّ لَا تَخْذُلْنِي - اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مَا وَعَدْتَنِي - اَللّٰهُمَّ جَعَلْتَنِي نَدَامَةً
 سے بچائیو۔ یا اللہ میں تجھے تیرا وعدہ حتماً یاد دلاتا ہوں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس قدر تفریح اور ابہتال سے دعا فرمائی کہ چادر مبارک شانوں سے زمین پر گر پڑی اس کے بعد ایک طویل سجدہ فرمایا اور سجدہ میں "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ" پڑھتے رہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود علم اور وعدہ کامیابی کے دعا فرماتے ہیں۔ کفار کے ہاتھوں مسلمانوں کی ذلت سے پناہ مانگتے ہیں۔ ہم سیاہ کاروں کا تو حال ہی کیا۔ لہذا ہمارے لئے اور بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اس سے مدد طلب کریں ہم گنہگار ہیں خطا کار ہیں گناہوں سے دامن لبریز ہے۔ اے اللہ تو ہمیں معاف فرما۔ گناہوں کی پردہ پوشی کر کے اپنی رحمت کے طفیل معاف فرما۔ ہمیں ہمارے گناہوں کی وجہ سے کفار کے مقابلے میں رسوا نہ کر۔ ناکامی کی ذلت سے دوچار نہ کرنا۔ اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اپنی رحمت کی بارش ہم پر برسائے۔ آمین۔

اب سوال ہے کثرت ذکر کا اور پھر یہ کہ ذکر کس طرح کیا جائے کونسی آیت کریمہ پڑھی جائے۔ میرے خیال میں جو بھی آپ کو یاد ہو۔ یا جو آپ کا رہبر اور استاد بتائے۔ اللہ کا ذکر تو کرنا ہے چونکہ حکم ہے اور پھر مشکل میں تو انسان کو خدا یاد آ ہی جاتا ہے۔ ٹھنڈی آہ، تیز سانس اور اللہ رحم فرما از خود زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ میری رائے ہے کہ ایسا ذکر کیا جائے جو سب سے افضل ہو اور سب سے افضل وہ ذکر ہے جو اللہ عزوجل اور اس کے ملائکہ کرتے

تشریف فرما ہوتے ہیں۔ درود و سلام سماعت فرماتے ہیں خوش ہوتے ہیں اور پڑھنے والوں کے حق میں دعا خیر فرماتے ہیں۔

شاید کسی کو یہاں اختلاف ہو یا بات سمجھ میں نہ آئے کہ اتنی وسیع و عریض دنیا اور پھر اتنی لاتعداد میں درود و سلام کی مغفلیں دنیا میں ہوتی ہیں۔ ان سب میں حاضر ہونا کیسے ممکن ہے۔ آج سائنس کی ترقی کی بدولت ہم ٹیلی فون، ٹیلی ویژن اور سٹلاٹ کے ذریعے دنیا کے ہر حصے کی خبریں ڈرامے اور کھیل تماشے، مغفلیں اور مجلسیں دیکھتے ہیں ڈرامے یا تماشے یا محفل کسی ایک جگہ ہو رہی ہے۔ لیکن ساری دنیا والے اسے دیکھ رہے ہیں، سن رہے ہیں۔ یہ انسان کی اپنی ایجاد ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ و ذات والا صفات جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا پیدا کی جسے اپنی ہر تدبیر کا مرکزی کردار بننا۔ اسے کتنی قوت عطا کی ہوگی۔ ارشاد ہے۔

لَوْلَا لِمَا خَلَقْتَ، الدُّنْيَا وَالْآفَلَاقَ -

ترجمہ :- اے محبوب اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو خدا کی خدائی نہ ہوتی۔

اسی لئے شیخ الحدیثین حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
ترجمہ :- کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرو اور حضور پر درود بھیجو تو ایسے رہو کہ گویا حضور حالت حیات میں تمہارے سامنے ہیں اور تم ان کو دیکھتے ہو۔ ادب اور جلال و تعظیم اور ہیبت و حیا سے رہو اور جانو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیکھتے اور تمہارے کلام کو سنتے ہیں۔ کیونکہ حضور صفات الہیہ سے متصف ہیں اور خدا کی ایک صفت یہ ہے (أَنَا جَلِيسٌ مَنْ ذَكَرَنِي) کہ میں اپنے ذاکر کا ہم نشین ہوں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں

مصطفیٰ آئینہ روئے خداست منعکس دروے ہمہ خوئے خداست

(ذکر جمیل۔ صفحہ ۱۰۴ بحوالہ مدارج النبوتہ)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ قوت عطا فرمائی ہے۔ کہ دنیا کی تمام مخلوق کو دیکھتے اور سنتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک تو بڑی بلند و بالا

ہے اس کا مقام ہمارے ذہن کے احاطہ میں کہاں اسکتا ہے۔ دنیا کتنی بڑی ہے اور اللہ والے اسے کیسے دیکھتے ہیں۔ ادلیاء اللہ کے اقوال ملاحظہ ہوں۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی فرماتے ہیں آپ نے فرمایا: اس گروہ ادلیاء کی نظر میں زمین دسترخوان کی طرح ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ناخن کی طرح ہے کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب جاء الحق میں حاضر ذناظر کی بحث میں صفحہ ۱۵۱ پر شرح شکوۃ میں ملاحظہ فرمائی سے نقل فرماتے ہیں۔

رَقَالَ النَّزَائِي سَلِمَ عَلَيْهِ إِذَا دَخَلْتَ
فِي الْمَسْجِدِ نَبَاتَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
يَحْضُرُنِي الْمَسْجِدَ -

امام غزالی نے فرمایا کہ جب تم مسجدوں میں جاؤ تو تم حضور علیہ السلام کو سلام عرض کرو کیونکہ آپ مسجدوں میں موجود ہیں۔

نیم اریاض شرح شفا تاضی عیاض جلد سوم کے آخر میں ہے۔

الْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ جِهَةِ
الْأَجْسَدِ وَالنَّوَاهِرِ مَعَ الْبَشَرِ وَبَوَا
طَنُهُمْ وَقَرَاهُ الدُّرُحَانِيَّةُ
وَلِذَا تَرَى مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا تَسْمَعُ
الْهَيْطَ السَّامِيَّةَ وَتَسْمَعُ رَائِحَةَ حَبْرِيٍّ إِذَا
أَرَادَ النَّزُولُ إِلَيْهِمْ -

انبیائے اکرام جسمانی اور ظاہری طور پر بشر کے ساتھ ہیں اور ان کے باطن اور روحانی قوتیں علیٰ ہیں اسی لئے وہ زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھتے ہیں اور آسمانوں کی چڑچڑاہٹ سنتے ہیں اور حبرئیل کی خوشبو پالیتے ہیں۔ جب وہ ان پر اترتے ہیں۔

دلائل الحزات کے خطبہ میں ہے۔

قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ أَرَيْتَ صَلَوَةَ الْمُصَلِّينَ
عَلَيْكَ فَمِنْ غَابٍ عَنْكَ وَمَنْ يَأْتِي
بَعْدَكَ مَا حَالُهُمَا عِنْدَكَ فَقَالَ
أَسْمِعْ صَلَوَةَ أَهْلِ مَحَلَّتِي وَأَعْرِفْهُمْ
وَلَعَرَضُ عَلَيَّ صَلَوَةُ غَيْرٍ
هِيَ عَرَضًا -

حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ سے دور رہنے والوں اور بندہ میں آنے والوں کے درودوں کا آپ کے نزدیک کیا حال ہے۔ تو فرمایا کہ ہم محبت والوں کے درود تو خود سنتے ہیں اور ان کو پہچانتے ہیں اور غیر محبت والوں کا درود ہم پر پیش کر دیا جاتا ہے۔

شفا قاضی عیاض جلد دوم میں ہے۔ علقمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
 عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ إِذَا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ **جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں**
 أَقُولُ السَّلَامَ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ **کہ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت**
 وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبِابِرَكَاتِهِ۔ **اور برکات۔**

اس ساری تفصیل کا مطلب اور مقصد یہ ہے کہ آپ المجمعین میں نہ پڑ جائیں۔ منطقی اعتبار
 سے یا فلسفیانہ حساب سے فاصلہ وغیرہ ناہنہ شروع کریں۔ اور درود سلام کی محفلیں کا شمار کریں۔
 تو جواب فلسفی نفی ہی ہوگا۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک، محبوب رب العالمین اور ناچیز بندہ مینوں بیک وقت ایک جگہ
 موجود ہوں اللہ رحمت بھیجتا ہے۔ محبوب ربانی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کرم و اعانت شامل
 حال ہے۔ پھر کس چیز کا غم ہے۔ فضائل درود پاک احاطہ تحریر میں لانا یہ مشکل ہے اور نہ ہی یہاں موضوع
 ہے۔ بہر حال سمجھنے کے لئے اور آسانی کی خاطر حسب ذیل عرض ہے۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

ایک بار درود اور دس بار رحمت

والتسلیم نے فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر ہو۔ اُس کو مجھ پر درود بھیجتا چاہیے۔ جس نے مجھ پر ایک بار درود
 بھیجا تو اللہ تعالیٰ اُس پر دس بار رحمت بھیجتا ہے۔ (ترمذی)

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے فرمایا جو
 مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے۔ تو خداوند تعالیٰ دس بار رحمت بھیجتا ہے۔ دس نیکیاں لکھتا ہے۔ دس
 گناہ مٹا دیتا ہے۔ دس درجے بلند کرتا ہے۔ (نسائی)

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
 سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم جہاں

درود مجھ تک پہنچتا ہے

کہیں ہو مجھ پر درود بھیجو۔ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے۔ (طبرانی) مراد یہ کہ براہ راست اپنے
 سح مبارک سے سنتا ہوں۔

حضرت ابو درود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

کرنی شخص ایسا نہیں کہ جو مجھ پر درود پڑھے
مگر اس کی آواز مجھے پہنچتی ہے (یعنی میں اس
کی آواز سنتا ہوں) چاہے وہ کہیں ہو۔
صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وفات کے
بعد بھی (سنو گے) فرمایا وفات کے بعد بھی کہو
اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ زمین پر انبیاء کے
جسموں کا کھانا۔

لَيْسَ مِنْ عَبْدِ يَصَلِيَّ عَلَيَّ
إِلَّا بَلَّغَنِي صَوْتَهُ حَيْثُ كَانَ
قُلْنَا وَبَعْدَ ذَاتِكَ قَالَ
وَبَعْدَ ذَاتِي إِنَّ اللَّهَ
حَرَّمَ عَلَيَّ الْأَرْضَ أَنْ
تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ
(ذکر جمیل صفحہ ۹۹ بحوالہ جلد الانہام ابن قیم)

کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت)

۳۰ دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان

تاجدار مدنی صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سمیع و بصر مبارک کے متعلق جنگ موتہ کا حسب
ذیل واقعہ ملاحظہ ہو۔ سرکارِ دو عالم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ موتہ کا مدینہ شریف سے ملاحظہ
فرمایا۔

جنگ موتہ جو ملک شام میں ہو رہی تھی۔ اس کے سارے حالات حضور صل اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے مدینہ منورہ ہی میں بیٹھے بیٹھے صحابہ کرامؓ کو بتائے جو علم اسلام اٹھاتا۔ اور جس جس صورت
سے وہ شہید ہوتا آپ بتاتے جا رہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (بخاری
مشکوٰۃ) اسی اثنا میں آپ مسکرانے لگے آپ سے مسکرانے کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے
فرمایا میں اپنے دوستوں کے قتل ہو جانے پر غمگین ہوا مگر اب انہیں جنت میں ایک دوسرے
کے مقابل تختوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر خوشی سے مسکرایا ہوں۔ (ذکر جمیل ص ۹۵ بحوالہ خصائص کبریٰ)
جب مفرت یعلیٰ بن منبہ جنگ موتہ کی خبر لے کر حضور صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر
ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ جنگ کے تفصیلی حالات پہلے میں تجھ کو بتاؤں یا تو بتائے گا اس نے
عرض کیا آپ ہی بتائیں آپ نے جو کچھ وہاں ہوا جو جو کسی پر گزری جس جس طرح کوئی شہید ہوا سب
تفصیلاً سنایا۔ حضرت یعلیٰ نے سُن کر کہا خدا کی قسم آپ کے بیان اور اصل واقعات میں سرسرو
فرق نہیں واقعی ایسی طرح ہوا ہے جس طرح کہ آپ نے حرفت بجا دیا۔
(ذکر جمیل، بحوالہ بہیقی، خصائص کبریٰ۔ ابو نعیم)

کون سا درود پڑھا جائے | جو بھی یاد ہو طویل ہو یا مختصر۔ اگر ادیاد نہیں تو آپ نے داعین کرام کو عام طور پر پڑھتے سنا ہوگا یہ

آسان بھی ہے یہ پڑھا کریں۔ جنگ میں بھی اور امن میں بھی۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَحْبُوبَ اللَّهِ

ممکن ہے کوئی کہے یا رسول اللہ کہنا درست نہیں، گناہ ہے، شرک ہے۔ بلاشبہ یا رسول اللہ کہنا درست ہے۔ اس میں شک والی کوئی بات نہیں۔ اولیاء اللہ سے درست قرار دیتے ہیں۔

مذکورہ احادیث اور واقعات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی تصنیف انبیاء فی سلاسل اولیاء اللہ صفحہ ۱۶۵ مطبوعہ مطبع احمد دہلی ۱۳۱۷ھ میں ارشاد فرمایا۔

فریضہ نماز ہا مدد بگذا دو چوں سلام دہد با دراد فتحی خواندان مشغول شود کہ از تبرکات انفاں
ہزار و چہار صد ولی کامل جمع شدہ است و فتح ہر یک ازان در کلمہ بودہ است ہر کہ از سر حضور
ملازمت نماید برکت و صفائی آن مشاہدہ خواهد نمود و از ولایت ہزار و چہار صد ولی نصیب
یابد۔ واللہ ولی التوفیق۔

ترجمہ :- جب نماز فجر سے فارغ ہو تو اوراد فتحیہ پڑھنے میں مشغول ہو جائے کیونکہ ایک ہزار چار سو اولیائے کاملین کے انفاں متبرکہ جمع ہو جاتے ہیں اور ان کے ہر کلمے میں فتح ہے۔

اس میں جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ حاصل ہوگا اور ایک ہزار چار سو اولیاء کی ولایت سے حصہ پائے گا۔ اوراد فتحیہ کے جمع کا مختصر حال لکھنے کے بعد اس کے مصنف حضرت سید پیر علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

منقول است از ہمان حضرت کہ چوں دوازدم بار بزیارت کعبہ رفتم۔ بسجد اقصیٰ رسیدم
حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راقعہ دیدم کہ بجانب ایں درویش می آیند بر خاتم پیش
رفتہ سلام بگفتم از آستین مبارک خود جزو سے بیرون آوردند و ایں درویش را فرمودہ کہ خذ ہدیہ
الفتحیہ یعنی بگیر ایں فتحیہ را چوں از دست مبارک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گرفتہ

و نظر کر دوں ہیں اور ادب و تدبیر یہ اشارت اور اذیتیں نام کر دہ شد۔

ترجمہ :- انہیں سے منقول ہے کہ جب میں بارہویں مرتبہ زیارت کعبہ کو گیا اور مسجد اقصیٰ میں پہنچا تو میں نے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس درویش کی طرف تشریف لارہے ہیں میں فوراً اٹھ کر آگے بڑھا اور سلام عرض کیا حضور علیہ السلام نے اپنی آستین مبارک سے کوئی شے نکال اور اس درویش سے فرمایا کہ خذْ هَذِهِ الْفَتْحِيَّةَ بِعَيْنِي اس فتحیہ کو پکڑ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس سے اس کو لے کر دیکھا تو اس میں یہی اوراد تھے اسی سبب میں نے اس کا نام اوراد فتحیہ رکھا۔

مذکورہ اوراد فتحیہ کے صفحہ نمبر ۱۹ پر اس طرح درود سلام درج ہے ملاحظہ ہو۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيلَ اللَّهِ۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَفِيَّ اللَّهِ۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللَّهِ۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنِ اخْتَارَهُ اللَّهُ۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنِ ارْسَلَهُ اللَّهُ۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنِ زَيْنَهُ اللَّهُ۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنِ شَرَّفَهُ اللَّهُ۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنِ كَرَّمَهُ اللَّهُ۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنِ حَفَّظَهُ اللَّهُ۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَ الرُّسُلِينَ۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اِمَامَ الْمُتَّقِينَ۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا شَفِيعَ الْمَذْنُبِينَ.
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ.

(اوراد فقہ صفحہ ۱۹ تا صفحہ ۲۱ مطبوعہ مطبعہ کریم پبلیشرز لاہور)

اور بھی درود پاک ہیں ایک درود پاک برائے جوانان افواج پاکستان لیفٹیننٹ کرنل سید عبد السلام نے تجویز فرمایا یہ ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَأَصْحَابِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

ایک اور مختصر سا درود شریف یہ ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ وَصَلِّ عَلَيْهِ.

ایک اور درود شریف: صَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأَمِيِّ وَالْإِمِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
رابعی حضرت بریلوی

علامہ اقبال فرماتے ہیں

کافر ہندی ہوں میں، دیکھ میرا ذوق و شوق
دل میں صلوة و درود لب پر صلوة درود

ذکر کی بے حد فضیلت ہے۔ چند احادیث پیش خدمت ہیں۔
۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ میں اپنے بندہ کے گمان کے بالکل قریب ہوں جب بندہ مجھ کو یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر اُس نے مجھے اپنے جی میں یاد کیا تو میں بھی اُسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں۔ اگر اُس نے کسی جماعت میں بیٹھ کر میرا ذکر کیا تو میں بھی ملائکہ کے سامنے اُس کا تذکرہ کرتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے۔ تو میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں۔ اور اگر کوئی بندہ میری طرف چل نکلتا ہے۔ تو میں اُس سے دوڑ کر ملتا ہوں۔
بخاری و مسلم

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے فرمایا کہ میں تم کو ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے مالک کے نزدیک نہایت پسندیدہ ہے۔
 درجہات کے اعتبار سے بہت بلند ہے سونے چاندی کے خرچ کرنے سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر
 تم دشمن سے مقابلہ کرو اور مارے جاؤ تو بھی اُس عمل کے ثواب کو نہیں پہنچ سکتے۔ لوگوں نے
 عرض کیا یا رسول اللہ ایسا عمل ضرور بتائیے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدا کا
 ذکر کرنا۔ (ترمذی)

مجاہدین میں ذکر الہی کرنے والا سب سے افضل ہے | آپ پڑھ چکے ہیں۔
 جہاد سب سے

افضل ہے۔ مجاہد سب سے افضل انسان ہے اور احادیث بالا سے یہ معلوم ہوا کہ ذکر الہی کے مقام
 کو کون دوسرا عمل پہنچ ہی نہیں سکتا اس لئے جو مجاہد بھی ہو اور پھر اللہ سے ذکر کی توفیق بھی عطا فرمائی
 مجاہدین میں وہ سب سے افضل ہے۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے
 دریافت کیا حضور مجاہدین میں سب سے افضل کون ہے اور بہتر ثواب کے لحاظ سے کون لوگ
 ہیں فرمایا وہ لوگ جو کثرت سے ذکر الہی کریں پھر سوال کیا حضور صالحین بندوں میں سے سب
 سے افضل اور بہترین لوگ کون ہیں آپ نے یہی فرمایا یعنی جو لوگ کثرت سے ذکر الہی کریں
 راوی بیان کرتے ہیں کہ آنجناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہر عبادت کے متعلق
 پوچھا گیا آپ نے ہر مرتبہ یہی فرمایا: "کہ وہی لوگ ہیں جو کثرت سے ذکر الہی کریں۔ (احمد طبرانی بطولہ)

معراج شریف کا واقعہ | حضرت ابوالمبارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
 آنجناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

کہ میں نے ایک شخص کو شب معراج میں دیکھا کہ عرش الہی کے نور میں ڈوبا ہوا ہے۔ میں نے دریافت
 کیا یہ کون فرشتہ ہے کہا گیا نہیں میں نے پوچھا کون بنی ہے جواب ملا نہیں پھر میں نے دریافت
 کیا آخر یہ کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ ایک بندہ ہے جو ہمیشہ ذکر الہی کیا کرتا تھا اُس کا دل مسجد میں لگا
 رہتا تھا۔ یہ اپنے ماں باپ کو پراہنیں کہتا تھا۔ (ابن ابی الدینا)

چند قرآنی دعائیں بھی سپرد قلم ہیں جس کا جو جی چاہے پڑھے سب کا ان
قرآنی دعائیں | دانی اور شافی ہیں۔

اے ہمارے پروردگار! ہمیں صبر کامل کی
 توفیق عطا فرما اور ہمارے پاؤں جمائے رکھ
 اور ہمیں کافروں پر کامیابی عطا فرما۔

اللہ سب سے بہتر محافظ ہے اور وہ بہت
 ہی رحم کرنے والا ہے۔

میرے لئے اللہ ہی کافی ہے۔ اللہ بہترین کار
 ساز ہے۔ بہترین آقا اور بہترین مددگار ہے۔
 اے میرے پروردگار میں کمزور ہوں تو میری
 مدد فرما۔

اے رب ہمارے ہمیں نہ پکڑا اگر ہم بھولیں۔
 یا چرکیں۔ اے رب ہمارے اور ہم پر بیماری
 بوجھ نہ رکھو جیسا تو نے اگلوں پر رکھا تھا اے
 ہمارے رب اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی
 ہمیں سہارا (برداشت نہ کر سکیں) نہ ہو۔ اور
 ہمیں معاف فرما دے اور بخش دے اور ہم
 پر رحم کر تو ہمارا مولیٰ ہے۔ تو کافروں پر ہمیں
 مدد دے۔

مَسْنُونُ دُعَائِيں

اے اللہ تیری مدد آجائے جس کا تو نے
 وعدہ فرما رکھا ہے۔

اے اللہ تیرے ہی اعتماد پر چلا کرتا ہوں

۱۔ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَ
 يَتِّتْ اَتَدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
 الْكَافِرِيْنَ۔

۲۔ قَالَ اللهُ خَيْرًا نَظًا وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّ
 حِيْمِيْنَ۔

۳۔ حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ
 نِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

۴۔ رَبِّ اِنِّيْ مَغْلُوْبٌ
 نَا تَنْصِرُ۔

۵۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ
 نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا ه رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ
 عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ
 مِنْ قَبْلِنَا ه رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا
 مَا لَا طَاَقَةَ لَنَا بِهٖ ه وَاَعْمُرْ
 عَنَا ه وَتَقِ ه وَاَعْفُرْ لَنَا ه وَتَقِ ه
 وَارْحَمْنَا ه وَتَقِ ه اَنْتَا مَوْلَانَا
 نَصْرِنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ه

۱۔ اَللّٰهُمَّ نَصْرَكَ الَّذِي
 وَعَدْتَنِيْ۔

۲۔ اَللّٰهُمَّ بِكَ اَجُوْلُ وَ

اور تیری ہی مدد سے دشمن پر ٹوٹ پڑتا ہوں۔

اے اللہ دشمنوں کے مقابلے میں ہم تجھے
ڈھال بناتے ہیں اور ہمیں ان کی شرارتوں
سے محفوظ رکھ۔

اے اللہ تو میرا بازو ہے تو میرا حامی ہے
تیری مدد سے میں حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی
طاقت سے لاتا ہوں۔

اے زندہ وقائم ذات۔ اپنی رحمت کے
ساتھ میری مدد کو پہنچ۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم
نے میدانِ بدر میں کی تھی
پہلے گزر چکی ہے۔

بِكَ اَصُوْلُ۔

۳۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ
نَحْوِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ
شُرُوْرِهِمْ۔

۴۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَقْدِيْ وَ
تَصِيْرِيْ بِكَ اَصُوْلٌ وَبِكَ
اَقَاتِلُ۔

۵۔ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ
اَسْتَعِيْثُ۔

ایک جامع دُعا

قنوت نازلہ

اے اللہ دشمنوں کے اندر پھوٹ ڈال دے
اور ان کے پاؤں اکھاڑ دے اور ان کے گھروں
کو توڑ دے اور ان کے اڈوں کو تباہ کر دے
اور ان کی جڑ اکھاڑ دے اور ان پر اپنا غضب
نازل فرما جو مجرم قوم پر تو لا کر رہتا ہے۔ اے
اللہ قرآن نازل کرنے والے بادلوں کو چلانے
والے اور لشکروں کو شکست دینے والے دشمن
کے لشکروں کو شکست دے اور ہمیں ان پر
کامیاب کر۔

اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَرَلِّزِلْ
اَقْدَامَهُمْ اَللّٰهُمَّ مَرِّقْ جَمْعَهُمْ وَ
شَتِّتْ شَمْلَهُمْ وَرَدِّ مَرْدِيَّارَهُمْ وَ
خَرِّبْ بُيَا نَهُمْ وَانْزِلْ بِهِمْ
بِاسْكَ الَّذِي لَا تَرُدُّهُ عَنِ السَّقْبَةِ
الْمُعْبِرِيْنَ اَللّٰهُمَّ مُنْزِلُ الْكِتَابِ وَ
مَجْرِي السَّمَابِ وَهَارِفِ الْاَحْزَابِ
اِحْزَمُهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ۔

اسی پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ ذکر الہی ہو۔ درود پاک ہو یا دُعا ہو جو بھی انسان کر سکے۔ بہر
 حال مَا ذُكِرْتُمْ بِهِ اَدْكُرْكُمُ كَمَا سَلَسَلْتُمْ جَارِي رَهْنًا چاہیے۔ یہ نجات اور فلاح کا بیانیہ کاسب سے
 بڑا ذریعہ ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں سہ
 مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لَا اِلٰهَ سِوَا اللّٰهِ
 سایہ شمشیر میں اُس کی پتہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

صبر مجاہد کا بنیادی ہتھیار ہے

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: "الصبر ودائی" صبر میرا لباس ہے۔ آپ نے تبلیغ اسلام کے لئے تکالیف اور مصائب کو بڑے صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ مسلمانوں کو مصائب اور تکالیف میں دیکھ کر صبر و تحمل کی تلقین فرمائی۔ فرماتے ہیں اللہ تمہارے لئے سبیل نکالے گا۔ صبر سے کام لیں۔ عین خلاق تبلیغ اسلام کے لئے طائف تشریف لے گئے۔ وہاں کے بد بختوں نے آپ کو سخت ایذا دی۔ پتھر مار مار کر لہو لہان کر دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو یہ بات ناگوار گزری۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام کو بھیج کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجا اور اختیار دیا کہ جسے چاہیں تباہ کر دیں۔ لیکن رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کمال صبر سے کام لیتے ہیں اور دعا فرماتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ اے اللہ میری قوم کو ہدایت نصیب فرما۔ اس لئے کہ وہ نہیں جانتے کہ

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

اُدھر پتھر مارے گئے ہیں گالیاں دی گئیں ہیں اور رحمت دو عالم ہدایت کے لئے دست بدعا ہیں ہمارے سامنے یہی مشکل راہ ہے اور دس ہے دین اسلام کی خاطر انسان کو تکالیف اور مصائب کو صبر و تحمل سے برداشت کرنا چاہیے مسلمانوں کو ابتدائے اسلام میں بڑے صبر آزما لمحات سے گزرنا پڑا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو بصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو جندل کی تکالیف کا حال گزر چکا ہے۔ حضرت غیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت، حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسجد نبوی میں اعلائے کلمہ شہادت بلند کرنا اور کفار کی زد و کوب ایسی مثالیں موجود ہیں جو رہتی دنیا تک مسلمانوں کی رہنمائی اور جذبہ صبر و تحمل کو جلا بخشی رہیں گی۔

مسلمان جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں مصائب اور تکالیف کو صبر و تحمل سے برداشت کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد کرتا ہے کسی گناہ بڑے دشمن پر غالب کر دیتا ہے۔ وعدہ

ربانی ہے۔

اِنَّ تَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ
يَغْلِبُوا مَا نَسَبْنَا وَ اِنَّ تَكُنْ مِنْكُمْ
سَائِةٌ يَغْلِبُوا الْفَاغِينَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوا۔

مسلمانو! اگر تم میں بیس آدمی بھی مشکلوں
کو جھیلنے والے نکل آئے تو یقین کرو۔ وہ
دوسو دشمنوں پر غالب ہو کر رہیں گے
اگر تم میں ایسے ستر آدمی ہو گئے تو سمجھو
لو ہزار کافروں کو مغلوب کر کے رہیں گے۔

(پہ انفال۔ ۶۵، ۶۷)

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر بتا دیا ہے۔ کہ صبر و استقلال بہت
بڑا ہتھیار ہے۔ اگر تم صبر سے کام لو گے تو کالیف کا سامنا کرو گے تو تم اپنے سے کئی گنا طاقت
پر غالب آ جاؤ گے یہ کس طرح ہو گا اس کے اسباب مہیا کرنا۔ حالات پیدا کرنا۔ یہ اللہ
تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر منحصر ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں :-

مسلمان لشکر باطل کی کثرت سے نہیں ڈرتا
میں اب بھی ان یکن عشرتوں پر ایمان رکھتا ہوں

جنگ قادسیہ میں حضرت
خنسا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے

حضرت خنسا کی اپنے بیٹوں کو نصیحت

چاروں بیٹوں کو یوں نصیحت فرمائی ہے: ”تمہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ آخرت کی
باقی رہنے والی زندگی، دنیا کی فنا ہونے والی زندگی سے کس قدر بہتر ہے۔ اللہ جل شانہ کا پاک
ارشاد ہے۔ اے ایمان والو! کالیف پر صبر کرو (اور کفار کے مقابلہ میں) صبر کرو اور مقابلہ کے
لئے تیار ہو۔ تاکہ تم پورے کامیاب ہو۔ (القرآن) لہذا کل صبح کو جب تم صبح و سالم اٹھو
تو بہت ہوشیاری سے لڑو۔ اللہ تعالیٰ سے دشمنوں کے مقابلے میں مدد مانگتے ہوئے
آگے بڑھو۔ جب تم دیکھو کہ لڑائی زور پر ہے تو اس کی گرم آگ میں گھس جاؤ۔ کافروں
کے سردار کا مقابلہ کرنا۔ انشاء اللہ جنت میں اکرام کے ساتھ کامیاب ہو کر رہو گے۔“
مبارک ہیں ایسی مائیں ادا ایسے بیٹے۔ دین پر اپنی جانیں نثار کرو اور جنت کے یکن بن جاؤ

فتح کا انحصار طاقت اور تعداد پر نہیں

دلوں کے حوصلے جنگوں کا رخ پلٹتے ہیں
شکست و فتح کا طاقت پر انحصار نہیں

زیر نظر آئیہ کریمہ سے یہ بھی واضح ہے کہ فتح اور کامیابی کے لئے ضرور نہیں کہ
مسلمان تعداد میں دشمن کے برابر ہوں۔ ہتھیاروں کے لحاظ سے ہم پلہ ہوں بلکہ اگر جذبہ جہاد موجود ہو۔
قوت ارادی ہو تو یہ سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ دشمن کی عددی برتری اور اسلحہ بارود کی کثرت کے
باد جو فتح حاصل کر سکتے ہیں جو صلہ اور قوت ارادی ایک ناقابل تسخیر ہتھیار۔ اسلامی تاریخ پر اگر سرسری
سی نظر ڈال جائے تو کچھ ایسی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ چند مجاہدوں نے دشمن کی بڑی فوج کو
شکست دی۔ بعض کا ذکر کلام پاک میں بھی موجود ہے۔ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ دشمن کی عددی برتری
سے نہ گھبراؤ۔ فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

كُوْنُ نِيْٓةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ نِيْٓةً
كَثِيْرَةً اِيْذِنَ اللّٰهُ رِٓبِّ . بقرہ ۱۷۴-۱۷۵

کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر
اللہ کے حکم سے غالب آجاتی ہیں۔

حق و باطل کی پہلی لڑائی جیسے غزوہ بدر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بے سرو سامان ۳۱۳ مجاہدین
تھے۔ اسلام کے مقابلے میں ایک ہزار آدمی کا یہاں ہتھیاروں سے پوری طرح لیس تھے۔ تیز نقل و
حرکت اور حملے کے لئے تین سو گھوڑے موجود تھے۔ رسد اور خوراک کے لئے سات سو اونٹ موجود
تھے۔ سرداران کرنے لشکر کی خورد و نوش کا ذمہ لے رکھا تھا، باطل نوزائیدہ اسلام کو سنبھالنے سے
مٹانے کے لئے آیا تھا۔ لیکن جس کا اللہ حامی و ناصر ہو اسے کون مٹا سکتا ہے۔

۔ مٹ گئے، مٹے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے

نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کہیں کا سپر چائیرا !

غزوہ احد میں طاغوتی گروہ اپنی پوری قوت سے اٹھ آیا تھا۔ جذبہ انتقام انتہا پر تھا۔ منافقین
سے ساز باز کر رکھی تھی۔ عین لڑائی کے موقع پر عبد اللہ بن ابی اپنے تئیں سو منافقین سمیت مسلمانوں
سے الگ ہو گیا۔ مسلمانوں کی تعداد کل ۷۰ رہ گئی۔ مقابلے میں کفار ۳۰۰۰ ہزار تھے۔ مقابلہ کی نسبت

ایک اور چار سے بھی زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں مسلمانوں کو کامیاب عطا فرمائی۔ بعد میں تعمیل حکم کی کوتاہی نے حالات بدل دیئے یہ الگ بات ہے۔

غزوہ احزاب

غزوہ احزاب (خندق) میں تو طاقت کا توازن حد سے گزر گیا تھا۔ تمام طاغوتی طاقتیں اٹھائی باطل اپنی پوری قوت سے میدان میں آ رہی تھی کفار مکہ اور دیگر تمام قبائل جن میں بنو اسد، بنو غطفان جو کہ قریش اور بنو سلم کے رشتہ دار تھے ان کی فوجیں شامل تھیں۔ بنو سہمیہ کے ساتھ تعلقات کی بنا پر اس میں شامل ہو گیا۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر اپنے تمام ہم مذہب لوگوں سمیت قریش کی حمایت میں تیار تھے۔ اس طرح ایک بہت بڑی فوج تیار ہو گئی۔ ان کی تعداد دس ہزار تھی ایک اور روایت کے مطابق ان کی تعداد چوبیس ہزار تھی۔ کفار کی بے پناہ تیاری اور طاقت کے پیش نظر مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودی گئی۔ جہاڑے کی شدت اور ناکوشی کی سبوتوں سے بے نیاز ۲۰ دن میں یہ عظیم منصوبہ مکمل کر لیا۔ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے انداز میں مسلمانوں کی مدد فرمائی کہ دشمن کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ عمرو بن عبدود جس نے خندق پار کی تھی۔ ذوالفقار حیدر بنی کا شکار ہو گیا۔ محاصرہ نے طول کھینچا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں باہمی بے اعتمادی اور بدگمانی پھیلادی۔ آخر ایک سخت طوفان اُن پر مسلط کیا جس سے گھبرا کر اہل بیت نے سالار اعظم لشکر کفار نے محاصرہ اٹھانے اور واپسی کا حکم دے دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے باطل کی یہ آخری کوشش بھی ناکام بنا دی۔ سورہ احزاب میں اس نصرت الہی کیوں ذکر ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُرُوا لِعَنَةِ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا أَلْمُتْرُوهَا ۗ (پ۔ الاحزاب۔ ۸)

ایمان والو! اللہ کے احسان کو یاد کرو۔ جب تمہارے اوپر لشکروں کے لشکر چڑھ آئے تھے تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جن کو تم دیکھ نہیں سکتے۔

کفار میں خوف اور مختلف دوسوے پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ نعیم بن مسعود جو کہ قریش اور یہود دونوں میں معزز تھے یہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن کفار کو اس کا علم نہ تھا نہ بدگمانی پھیلائی اس طرح کفار میں نفاق کی ایک آہ نکل آنی ایسے لشکر بھیجے جن کو مسلمان دیکھ نہ سکے۔ اس سے مراد فرشتے بھی ہو سکتے ہیں، کفار کے دلوں میں مومنین کی دہشت بھی ہو سکتی ہے۔

مسلمانوں نے کس قدر صبر و تحمل سے کام لیا دشمن کی ناکرندی سے مسلمان ناقوں سے دوچار ہوئے۔ کفار کا خیال تھا کہ مسلمان ناقوں سے مرنے لگیں گے۔ جنگ اگر ہتھیار ڈال دیں گے۔ حقیقت میں مدینہ شریف میں رسد کی بڑی قلت تھی۔ صحابہ کرام کو کئی کئی فاقے مسلسل آرہے تھے۔ ایک دفعہ صحابہ کرام نے فادکشی کی شکایت کی اپنے میٹوں پر پتھر بندھے ہوئے دکھائے اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے شکم مبارک سے گڑہ اٹھایا صحابہ نے دیکھا دو پتھر بندھے ہوئے ہیں جی کو دیکھ کر تسلیم و نیاز کی نگاہیں جھبک گئیں۔

یہ محاصرہ ۲۴ دن تک جاری رہا۔ اہل مدینہ خون دہرا اس میں گھرے ہوئے تھے۔ شب روز دشمن کے حلا کا خطرہ موجود تھا۔ بنو قریظہ کی غداری مسلمانوں کے لئے اور بھی پریشانی کا باعث تھی۔ محاصرہ کے دوران بنو نضیر کا سردار حیثی بن اخطب بنو قریظہ کے پاس گیا اور ان کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ مسلمانوں کو اس جانب سے بھی خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ لیکن مجاہدین نے ہمت نہ ہاری ہر حربے سے کام لیا۔ اللہ تعالیٰ بے مجرورہ کیا جس سے تمام مشکلیں دور ہو گئیں۔ عرب کی متحدہ فوج کو شکست ہوئی اور آئندہ یہ کبھی بھی ایک مرکز پر قائم نہ ہو سکے۔ بلاشبہ یہ بڑی کامیابی ہے۔ لیکن اس سے پہلے مسلمانوں کو بڑے ہی صبر آزمائیاں سے گزرنا پڑا۔

سلسلہ میں یرموک کے مقام پر دو لاکھ چالیس ہزار رومیوں کے مقابلے

جنگ یرموک

میں صرف چالیس ہزار مسلمان تھے۔ رومیوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے میدان میں ہم کر لڑنے کے لئے اپنے پاؤں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں تاکہ میدان جنگ سے بھاگ نہ سکیں۔ تعداد میں ایک اور چھپکی نسبت تھی رومی سپاہ سر تا پا رزہ بکتر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مجاہدین اسلام میں جہاد کی سبیل اللہ کے عظیم مقصد اور ایثار کے جذبے نے وہ قوت پیدا کر دی کہ انہوں نے ستر ہزار رومیوں کو ڈھیر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم طاقت کے مقابلے میں مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ مسلمانوں نے اپنے سے تریبا دو گنی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

سلسلہ میں طارق بن زیاد بارہ ہزار مجاہدین کو لے کر روانہ ہوئے طارق

فتح اندلس

وطن سے دور دوسرے ملک میں نبرد آزما ہیں۔ کشتیاں جلادی ہیں۔ ایک لاکھ فوج سے مقابلہ تھا۔ یہاں ایک اور اٹھ کا مقابلہ تھا۔ اللہ اور اس کے دین کی سرپرستی

اور مظلوموں کی مدد کے لئے موت کا خوف دُہن سے نکل چکا تھا۔ دشمن کی تعداد کو خاطر میں نہیں لائے۔ واپس جانے کا خیال ہی ترک کر دیا ہے۔ ہر ملک، ملک، است کر ملک خدائے، است ان کا مطلع نظر ہے۔ ایسے سرفردشوں کو کوئی خوف کیسے مانع ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انہیں عظیم کامیابی سے نوازا۔

محمد بن قاسم فاتح سندھ | آپ چند ہزار مجاہدین کے ساتھ، مظلوم عورتوں اور بچوں کی پکار سن کر وطن سے ہزاروں میل دور دشمن کے ملک میں جا کر دشمن سے ٹکرا گئے۔ بے دینوں کی قوت کو پاش پاش کیا، ظلم و جبر کا خاتمہ کر کے اسلام کی راہ ہموار کر دی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے عیسائیوں کے مقابلے میں اپنے عزم و ہمت سے شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ سلطان محمود غزنوی نے مختصر مگر بہادر مجاہدین کی بدولت بارہا برصغیر ہند کو تاراج کیا۔ سلطان حیدر علی ٹیمپو انگریزوں اور مرہٹوں سے بیک وقت نبرد آزما رہا۔ اگر اپنے غداری نہ کرتے تو انگریزوں کے قدم یہاں نہ جمتے۔

۱۷۵۷ء اور ۱۷۵۸ء کی جنگوں کے چند واقعات کا ذکر گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ ۱۷۵۷ء کی شکست کو دیکھ کر ہمیں نہ کرنے سے عار محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ قوموں پر مشکل وقت آتے ہیں کوئی بھی شکست حتیٰ اور ہمیشہ کے لئے نہیں ہوتی۔ عزم و ہمت سے داغ و صحنے جاسکتے ہیں غلبتِ الروم کی مثال موجود ہے۔ اور پھر یہ مخصوص حالات کا نتیجہ تھی اس میں ہمت سے عوامل کار فرما تھے۔ ہندوستان ہی ہمارے مقابلے پر نہیں تھا۔ اگر صرف ہندو دنیا ہمارے مقابلے پر ہوتا تو یقیناً کبھی بھی ایسی لوہیت نہ آتی۔ یہ ہماری بدنصیبی تھی یا موجودہ بنگلہ دیش والوں کی ناقصیت اندیشی یا موجودہ ناگفتہ بہ حالت کی تقدیر نے ان کے ذہنوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ وہ مسلمان ہیں۔ ہمارے بھائی ہیں۔ بہادری اور دلیری میں ہم سے کسی طرح کم نہیں وہی ہم سے برس پیکار تھے ہماری ہار ان سے ہے۔ ہم ہندو دنیا کے مقابلے میں نہیں ہارے بلکہ ہمیں ہمارے اپنے بھائیوں نے ہرایا ہے۔ لہذا ہماری آنے والی پود کے ذہن میں یہ بات بالکل واضح ہونی چاہیے۔ وہ ہمارے اپنے بھائی اور بزرگ تھے جنہوں نے ہمیں بے نیس کر دیا

تھا اگر مقابلہ ہندوستان سے ہوتا تو مساطحہ ۱۹۶۵ء سے کہیں بہتر ہوتا۔ اگر کبھی پھر وقت آیا تو انشاء اللہ دیکھ لیں گے۔ ہاں ایک بات از حد مزوری ہے دشمن ہماری صفوں میں گھسنے کی کوشش کر رہا ہے وہ سیاسی پارٹیوں کے ذریعے حکومت میں گھسنے کے انداز اختیار کر رہا ہے، یہ ایک ایسا پہلو ہے۔ جہاں قوم کو بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ بنگلہ دیش میں ہمارے جھانٹوں پر حقیقت اس وقت کھل جیب وہ اپنے پاؤں پر کلہاڑا مار چکے تھے۔ یہ چند فقرے لکھنے سے میرا مقصد سیاسی رائے زنی نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ شاید میری یہ حقیر سی کوشش ملک کے ایسے نو بہانوں کی نظر سے گزرے جو مستقبل میں سیاسی میدان کو اپنی جواں گاہ بنائیں۔ لامحالہ وہ کسی پارٹی یا گروہ سے تعلق پیدا کریں گے۔ چنانچہ ان کو کسی بھی میدان میں آنے سے پہلے اس کی کارگزاری اور ماضی کی تاریخ کا تفصیلی جائزہ لینا چاہیے اور پھر یہ بات کہی بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ سیاسی میدان میں تلیل اور طویل مقاصد کی جنگ لڑی جاتی ہے۔ جو ٹیڈہ یا بندہ "اگر آپ خلوص نیت سے ملک کی خدمت کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ مخلص اور نیک لوگوں کی طرف رہنمائی کرے گا۔ منحوس عزائم والے گروہوں سے محفوظ رکھے گا۔"

مشکل لمحات اور خصوصاً جنگ میں مسلمان کی نظر اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر ہونی چاہیے۔
 ارشاد ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا قُتِلْتُمْ وَأَنْتُمْ سَوَاءٌ**
اللَّهُ لَعَنَّكُمْ تَمْلِحُونَ (پک۔ آل عمران۔ ع)

اسے ایمان والو صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ کامیاب ہو۔ (اعلیٰ حضرت بریلوی)

مجاہدین کا مقام

مجاہدنی سبیل اللہ کی شان بڑی بلند و بالا ہے۔ جہاد کی کسوٹی سے گزرتا ہوا جادو سیم کی موجوں کو عبور کر کے جب وہ کامیابی و کامرانی سے اللہ عزوجل کے دربار میں پہنچتا ہے تو اللہ کریم اُسے انعامات سے نوازتا ہے۔ یہ انعامات اس کو کہاں پہنچا دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں کثرت سے احادیث اور کے اقوال موجود ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جنت میں

جنت کے تسو درجات

سودرجے میں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی آہ میں جہاد کرنے والے کے لئے تیار کیا ہے دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے۔ جتنا زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ (بخاری)

دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے۔ تو سودرجوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدین کو اپنی اپنی قربانیوں کے بعد کیا کیا درجات نصیب ہوتے ہیں۔ جیسا کسی کا کردار اور قربانی بلند ہوگی اتنا ہی مقام بلند ہوگا۔ جہاد کو اسلام میں مسلسل عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔ مجاہد کا دن روز سے اور رات عبادت یعنی شب بیداری میں شمار ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس روزہ دار نماز گزار کی ہے جو تیرگی پر قائم رہنے والا ہو جو نہ روزہ کو چھوڑتا ہے اور نہ نماز میں کمی کرتا ہے۔ یہ اجر اُس وقت تک قائم رہتا ہے۔ جب تک مجاہدنی سبیل اللہ اپنے گھر کو نہیں کوٹ آتا۔ (بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہو کہ جہاد کرنے کا ثواب مسلسل روزہ رکھنے اور لگاتار نماز پڑھنے کے برابر ہے کہاں ہم میں کہ نمازوں کا معاملہ بالکل صاف ہے۔ رمضان المبارک میں کھانے کے لئے پردہ کا پوری طرح اہتمام ہے۔ اگر ہم نے بڑی ہمت کی تو نماز کبھی کبھی اور روزے چند ایک، وہ بھی اگر

فردی، مارچ۔ اور اکتوبر، نومبر کے ہوں ورنہ مشکل ہے۔ گرمیوں میں پیاس کا خوف اور سردیوں چائے کے بغیر گزارا نہیں ہوتا۔ لہذا کہاں ہم اور کہاں نماز روزہ کا تسلسل یہ خوش نصیبی ہے اور رب العزت کا کرم ہے۔ کہ کسی کو یہ مقام نصیب ہو جائے اور پھر ایک اور کرم نوازی یہ ہے کہ اس کو مال غنیمت سے مالا مال کر دیا جائے گا۔ اور جنت میں داخل کیا جائے گا۔ شہادت کی صورت میں جنت نصیب ہوگی۔ جہاد کے اجر کے متعلق بخاری شریف کی حدیث ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آدمی سے جو اس کی راہ میں جہاد کے لئے نکلتا ہے۔ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اسے اجر اور مال غنیمت کے ساتھ واپس فرمائے گا۔ یا جنت میں داخل کرے گا۔ (بخاری و مسلم) لہذا مجاہد ایک ایسے عظیم کام میں مصروف ہے کہ کوئی بھی مصروف ہو۔ غازی ہو یا شہید دونوں صورتوں میں فلاح ہی فلاح ہے۔

کافر اور کافر کا مارنے والا کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے | حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کافر اور کافر کا مارنے والا دوزخ میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ (مسلم)

مطلب کافر کو مارنے والا مجاہد ہے۔ مجاہد اور کافر چونکہ ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ کافر کی جگہ دوزخ ہے لہذا مجاہد قطعی جنتی ہے۔

مجاہد کے زخم | قیامت کے دن مجاہدین کے زخم تروتازہ ہوں گے ان سے خون بہہ رہا ہوگا۔ ان سے خوشبو آ رہی ہوگی۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص جس اللہ کی راہ میں زخمی نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے نہیں کہ وہ قیامت کے دن آئے گا۔ اور اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا۔ جس کا رنگ تو خون کا سا ہوگا لیکن خوشبو کستوری کی اور مشک کی ہوگی۔ (بخاری و مسلم) معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جس ہاتھ مخلوق پر مجاہدین کا امتیاز ظاہر فرمائے گا۔ مخلوق کے لئے وہ باعث رشک ہوں گے۔

جہاد کی فضیلت

مجاہد جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ اسے دو صورتیں پیش آسکتی ہیں وہ لڑتا ہوا اللہ کی راہ میں جان کی بازی لگا دے یا دشمن کو تباہ و برباد کرتا ہوا کامیابی سے سہکنار ہو کر غازی کا رتبہ حاصل کر لے۔ ان میں سے کوئی بھی صورت ہو۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ بے مثال ہے۔ کلام پاک میں مجاہد فی سبیل اللہ کو بڑی عظیم کامیابی اور نفع کا وعدہ کیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ يَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ
نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا

جو شخص راہ خدا میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائے یا غالب آجائے یقیناً ہم اسے بہت بڑا بدلہ دیں گے۔

(پہ۔ نساء۔ ع)

کوئی بھی حال ہو وہ اللہ کے ہاں بہت بڑے ثواب کا مستحق ہے۔ مجاہد کے لیے جنت میں مختلف مدارج بنا رکھے ہیں۔ حدیث پاک ہے،
حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے موقع پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمانو! جنت کے لیے اٹھو جس کا عرض اور وسعت آسمان و زمین سے بھی زیادہ ہے۔

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا جنت آسمان و زمین کی لمبائی سے بھی زیادہ جوڑی ہے۔ فرمایا ہاں زیادہ جوڑی ہے۔ اس نے سن کر کہا۔ حضور میرے لیے دعا کر دیجئے۔ میں جنت میں چلا جاؤں۔ آپ نے فرمایا تو جنتی ہے۔ اس نے جنت کی بشارت سن کر اپنی جھولی سے کھجوریں نکالیں اور کھجوریں کھانا شروع کر دیں۔ شاید ایک دو کھائی ہوں گی کہ ذمہ بولا کھجوریں کھانے کے بعد بھی جنت کا انتظار کیوں کیا جائے۔ کھجوریں پھینک کر کھڑا ہو گیا اور بولوا لیکر دشمن کے لشکر میں گھس گیا۔ تھوڑی دیر لڑنے کے بعد شہید ہو گیا،

دیکھیں اس اللہ کے بندے نے دنیا کی عارضی زندگی کو دیکھ کر اور آخرت کی آرام د
آمائش سے آگاہ ہو کر ایک منٹ بھی جہاں کو امان نہیں کی۔

۵ اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام

یہ دنیا ایک عارضی مقام ہے یہاں چند دن رہنا ہے۔ دوسرے نفلوں میں ایک طویل سفر
کے لیے تھوڑا سا وقت ملا ہے۔ تاکہ دائمی زندگی کے لیے رحمت سفر جمع کر لیں۔ لہذا ہم جتنا
کرسے وہ تھوڑا ہے۔ مولانا ابوالنعمہ محمد بشیر نے اس حقیقت کو بڑے سادہ الفاظ میں ایک
بھی شعر میں ادا کر دیا ہے۔ دنیا کیا ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے۔ اسے نوع بشر تیرا کیا
کام ہے۔

فرماتے ہیں۔

مقامی بن کے آیا تو نہ ماہی بن کے آیا ہے۔

یہ دنیا رزمگاہ ہے تو سپاہی بن کے آیا ہے۔

مسلمان کی زندگی مسلسل جہاد ہے۔ کبھی نفسیاتی خواہشات غلبہ کرتی ہیں۔ ان سے تلوار زنی
کرنی پڑتی ہے شیطان کبھی دشمن کاٹھن سامنے لاتا ہے۔ اور کبھی مال و دولت کے ٹٹ
جانے کا غم کبھی دشمن نے ناپاک ٹکا میں سرحدوں کی طرف اٹھائی ہیں آئین خداوندی نے پھلرا۔
وطن اور دین الہی بقا کے لیے جان و مال کا نذرانہ طلب کر رہے ہیں۔ بس ایک فرصت ملی
تو دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا۔ ان مخالفین کے انذار کھالے ہیں کہ عموماً دونوں
اور کبھی کبھار تینوں بھی برسر پیکار ہوتے ہیں ان سے پکار ختم نہیں ہوتی کہ آخرت کا بلاوا
آجاتا ہے۔ سپاہی اس رزمگاہ سے لاتا لڑنا اٹھ جاتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
مجاہد سب سے افضل انسان ہے

علیہ وسلم سے ایک شخص سے دریافت کیا یا رسول اللہ کونسا شخص افضل ہے؟ فرمایا جو
اللہ کے رستے میں جان و مال سے جہاد کرتا ہے۔ سائل نے عرض کی اس کے بعد؟ فرمایا
وہ شخص جو جنگل کی کسی گھاٹی میں اللہ کی عبادت کرتا ہے اور خدا کی مخلوق کو اپنے شر سے محفوظ

رکھتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

معلوم ہوا مجاہد سب سے افضل انسان ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

شہید زندہ ہے وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُمُوتَ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ خدایا

راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ نہ کہو۔ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔

(بقرہ ۱۵۴)

یعنی جہاد کی راہ میں دشمن سے جنگ کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔ وہ بہراں
موت زندہ ہے اس کی موت عام مسلمان کی طرح نہیں۔ صرت ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے۔
ہماری آنکھیں انہیں دیکھ نہیں سکتیں اور نہ ہی ہم ان کی زندگی کا اپنے ذہنی تصور اور تخیل سے
احاطہ کر سکتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ تم اس کا شعور نہیں رکھتے۔ مطلب ان
کی زندگی کیسے ہے وہ کیسے بسر کرتے ہیں۔ انسان کے ظاہر جو اس سے غموس نہیں کر سکتے یہ
باطنی دنیا ہے۔ جسے اگر اللہ تعالیٰ تو فیتی دے تو اہل باطن ہی دیکھ سکتے ہیں اور باطن نگاہوں
ہی سے دیکھا جاسکتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے مومن کی چہار
آنکھیں ہیں۔ دو ظاہری اور دو باطنی۔ ظاہری آنکھوں سے ظاہری حالات کو دیکھتا ہے۔
باطنی نگاہوں سے باطنی حالات اور لہجہ ہاہاتیں جیسے عام لوگ دیکھ نہیں سکتے۔ یہ مومن کی فرات
اور نظر ہے۔ حدیث پاک ہے

إِنَّمَا خِرَافَةُ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ

مومن کی فرات سے ڈرو کے وہ اتہ کے نور سے دیکھتا ہے

یہی وہ باطنی نگاہ ہے جس سے مومن لہجہ ہاہات کو دیکھتا ہے، جسے یہ نصیب ہو یزین
مکان کے پردے سب اس کے سامنے سے اٹھ جاتے ہیں۔ عرش و فرش سب اس کی
نگاہوں کی زد میں ہوتے ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنی وسیع و عریض دنیا انسان کی زد
میں کیسے آسکتی ہے۔ وہ تو چند سو گز سے آگے نہیں دیکھ سکتی۔ دور میں دکائے تو زیادہ سے

زیادہ دو تین میل تک دیکھ سکتا ہے اور بس ہمارے لیے یہی کچھ ہے۔ البتہ مرد مومن کا معاملہ کچھ اور ہے۔ اس سلسلے میں اولیاء اللہ کے احوال کا مطالعہ رہنمائی کا باعث ہو سکتا ہے

غوث الاعظمؒ حضرت سیدنا غوث الاعظم عبدالقادر
اقوال بزرگان دین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ محبوب سبحانی، قطب ربانی شہبانی

لاسکان کے متعلق حضرت شیخ عبدالحقؒ محدث دہلویؒ زبدۃ الاسرار میں حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں۔

”اے بہادر! اے فرزندو! آؤ اور اس دریسے کچھ لے لو جس کا کنارہ ہی نہیں تم ہے اپنے رب کی کہ تحقیق۔ نیک بخت اور بد بخت بھ پر ہمیشہ کیے جاتے ہیں۔ اور ہمارا گوشہ چشم روح محفوظ میں رہتا ہے اور میں اللہ کے علم میں غوطے لگا رہا ہوں۔“

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ کا قول کے زمین ہمارے لیے ناخن کی طرح ہے۔

گزشتہ باب میں ذکر ہو چکا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخشؒ اہل اللہ
 کے متعلق لکھتے ہیں کہ جب وہ اپنی ذات کی نفی کرتے

ہیں۔ اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا کر دیتے ہیں تو ان کے اوصاف یہ ہوتے ہیں حق تعالیٰ اس کے اوصاف کا نائب ہو یعنی اس کے اوصاف کا وکیل اور اس کے تمام فعل کی نسبت اس کے ساتھ ہو۔ یہاں تک کہ اپنے کسب کی نسبت سے خلاصی پائے

ہونے ہوتے ہیں، جیسا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عبرتیں سے خبر دی اور جبرائیل نے خداوند کریم سے جیسا کہ فرمایا۔ لَوْ يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّىٰ أَحْبِبُّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ لَهُ سَمْعًا وَبَصَرًا وَيَدًا وَلِسَانًا فَبِئْسَ يَسْمَعُ وَيُبْصِرُ وَبِي يَنْطِقُ وَبِي يُبَشِّرُ

یعنی میرا بندہ ہمیشہ نوافل سے میرا تقرب حاصل کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں۔ تب میں اس کے کان آنکھ اور ہاتھ اور زبان بن جاتا ہوں پھر وہ مجھ سے سنتا ہے اور مجھ سے دیکھتا اور مجھ سے بولتا ہے اور مجھ سے پکارتا ہے یعنی

جب ہمارا بندہ بسبب بجا بدہ کے ہمارا قرب حاصل کرتا ہے۔ ہم اس کو اپنی دوستی پر پہنچا دیتے ہیں اور اس کی ہستی کو اس میں فانی کرتے ہیں اور اس کی نسبت اس کے افعال سے ہٹا رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ ہم سے سناتا ہے جو کچھ کہتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے۔ ہمارے ساتھ کہتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے۔ ہمارے ساتھ دیکھتا ہے اور جو کچھ پکڑتا ہے۔ ہمارے ساتھ پکڑتا ہے۔ یعنی ہماری یاد میں ہمارے ذکر کا منسوب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے غلبہ کے حال میں اس صفت کے ساتھ متعصب ہو جاتا ہے جو کہ بائزید نے کہا۔ *بُشْحَانِي مَا أَغْظَمَ شَانِي*۔ اور جس نے کہا اس نے اس کا نشان نہ بیان کیا وہ کہنے میں سچا ہوتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا *أَتَحْقُقُ نَبْطِي عَلَى لِسَانِ عُمَرَ*۔ یعنی عمرؓ کی زبان پر حق جاری ہوتا ہے۔ اس کی جمعیت ایسی ہوتی ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کی قربت بندہ پر اپنا غلبہ ظاہر کرتی ہے۔ اس کو اس کی ہستی سے نکال دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نطق

سب کا سب اس کا نطق ہوتا ہے۔

پس حق تعالیٰ نے انبیاء اور اولیاء کو یہ کراہیں عطا کیں اور اپنے فعل کی ان کی طرف نسبت کی اور ان کے فعل کی اپنی طرف نسبت کی۔ لہذا فعل دوستوں کا اس کا (اللہ) فعل ہوتا ہے۔ حدیث قدسی ہے۔ *كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَيَدَاهُ الَّتِي يُبْطِشُ بِهَا* ایک اور روایت کی رو سے *لِسَانَهُ الَّذِي يُتَكَلَّمُ بِهِ* جب انسان فنا فی اللہ ہو جاتا ہے تو خدائی طاعت سے دیکھتا سنتا ہے اور چھوٹا اور بڑھتا ہے۔ یعنی عالم کی ہر چیز کو دیکھتا ہے۔

ہاں تو مقصد یہ ہے کہ وہ ہماری نظر سے اوجھل اور تصور سے ہالاک ہے۔ اُسے پانے اور دیکھنے کے لیے ہماری باطنی نگاہ اور بالیدگی درکار ہے۔ یہ ہر کسی کو نہیں۔ لہذا یہ عمومی خطاب ظاہری حالت پر ہے۔ بعض واقعات ظاہر طور پر دیکھے میں بھی آتے ہیں۔ انبیاء کرام اذیاء اللہ اور شہداء کے اجسام قدسیہ اپنی قبروں میں اصلی حالت میں محفوظ ہوتے ہیں جو ان کے زندہ ہونے کی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر ان کے جسم کا کھانا حرام فرمایا ہے۔ جام انسان کی نفس چند دلوں میں گل سڑ کر خم ہوا ہوا ہے۔ مٹی اللہ حشرات الارض کھا جاتے ہیں

شہدائے وقت

کنارہ مکہ نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت خبیب کی نعش | کی نعش کو سولی پر لٹکا ہوا چھوڑ دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر اور مقدادؓ کو ان کی نعش اتار لانے کیلئے
 مدینہ سے مکہ روانہ کیا جب یہ دونوں سات میں تنیم پہنچے تو دیکھا کہ چالیس آدمی نعش کا
 چہرہ دینے کے لیے سولی کے ارد گرد پڑے ہوئے ہیں۔ حضرت زبیر اور مقدادؓ نے ان
 لوگوں کو غافل پا کر نعش کو سولی سے اتار کر گھوڑے پر رکھا۔ لاش اسی طرح تروتازہ تھی کسی
 قسم کا اس میں کوئی تغیر نہیں آیا تھا۔ حالانکہ سولی دیئے ہوئے چالیس دن ہو چکے تھے۔
 مشرکین کی جب آنکھ کھلی اور دیکھا کہ لاش گم ہے تو برطنت تماش میں دوڑے۔ بالآخر
 حضرت زبیر اور مقدادؓ کو جا پکڑا۔ حضرت زبیر نے لاش کو اتار کر زمین پر رکھا۔ زمین
 شت ہوئی اور لاش کو نگل گئی۔ اسی وجہ سے حضرت خبیب بلیغ الارض کے نام
 سے مشہور ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ کھاد جب حضرت خبیب کو قتل کر چکے تو ان کا چہرہ قبلہ رخ
 تھا۔ اس کو تپلے سے پھیر دیا چہرہ بھر قبلہ رخ ہو گیا۔ بار بار ایسا ہی کیا گیا بالآخر عاجز
 آکر چھوڑ دیا گیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ | نے فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے

دیکھا کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک دمشق میں پھرایا گیا تو سر کے
 اگلے ایک شخص سورہ کہف پڑھتا جا رہا تھا جب وہ اس آیت پر پہنچا۔ اِنَّ اَصْحَابَ

اَلْوَكَهْفِ وَالتَّوْقِيْمِ كَانُوا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا یعنی
 بلاشبہ اصحاب کہف اور رقم ہماری نشانوں میں سے عجیب نشانی تھے تو سر مبارک نے بلند
 آواز سے فرمایا: اَعْجَبٌ مِنْ اَصْحَابِ الْكَهْفِ قَتْلِيَّ وَخَمْلِيَّ کہ
 اصحاب کہف کے واقع سے میرا قتل اور میرے سر کر لیے بھرنے عجیب تر ہے۔
 (ذکر جمیل صفحہ ۱۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور شہدا
ایک تابندہ اور ناقابل تردید حقیقت بعد از وفات زندہ ہیں۔ ان
 کو اللہ جل شانہ، رزق پہنچاتا ہے۔ ان کے اجسام قدسیہ اپنی قبروں میں بالکل محفوظ
 اور درست حالت میں موجود ہوتے ہیں۔ زمین کی مٹی، حشرات الارض اور کائنات
 کی دوسری کوئی چیز ان کے قریب نہیں جاتی ہے اور نہ ہی نقصان پہنچاتی ہے۔ اس
 ضمن میں ایک تابندہ اور ناقابل تردید حقیقت حال ہی میں تمام اخبارات میں شائع
 ہوئی ہے ملاحظہ ہو۔

چونہ سو برس بعد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب
چونہ سو برس بعد کا جد مبارک قبر سے صحیح حالت میں برآمد
 ہوا۔ سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جد مبارک بھی اصل حالت میں تھے۔

کراچی ۲۰ جنوری (جناک) یہاں پہنچنے والی ایک اطلاع کے مطابق مدینہ میں مسجد
 نبوی کی ترویج کے سلسلے میں کی جانے والی کھدائی کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا جد مبارک جس کو دفن کئے چونہ سو
 سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ بالکل صحیح و سالم حالت میں برآمد ہوا۔ علاوہ ازیں صحابی
 رسول حضرت مالک بن سونائی کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جد مبارک بھی اصل
 حالت میں پائے گئے۔ جنہیں جنت البقیع میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ دفن دیا
 گیا جن لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جسم نہایت
 ترد تازہ اور اصل حالت میں تھے۔
 (نوائے وقت ۲۱ جنوری ۱۹۷۸ء)

حضرت ابو بکر ذرّاق رحمۃ اللہ علیہ | آپ ایک خدا رسیدہ بزرگ ہو گئے

میل کے فاصلے پر موضع دھلو میں ہے۔ آپ حضرت خواجہ عثمان دارونی کے خلیفہ تھے۔ آپ کا اصلی نام ابو بکر ہے۔ آپ کا لقب تاج العارفین ہے اور تخلص ذرّاق ہے۔ آپ سلسلہ چشتیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

میلسی دھلو میں ورود مسعود | میلسی میں موضع دھلو میں دریائے ستلج کے کنارے آپ کا نزول اطلال نہ صرف

حیرت انگیز ہے بلکہ سین امرز بھی اور ایک زندہ دما بندہ کرامت کی بھی عکاسی کرتا ہے۔ تاریخ ملتان کا مصنف لکھتا ہے۔ کہ آپ امیر کے علاوہ تدارک میں ایک دوز ذکر الہی میں مشغول تھے۔ آپ کو بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ آپ کا ایک مرید کفار کے مقابلے میں جہاد میں مصروف ہے۔ اور یہ مرید آپ کی امداد کا خواہاں ہے۔ آپ کی شخصیت میں جذبہ جہاد اور خدمت خلق کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کی شخصیت بلا مبالغہ پر تقویٰ راجح کے پلہد حکومت میں اسلام حفاظت کی ایک نمایاں دلیل تھی چنانچہ آپ فی الفور گھوڑے پر سوار ہو کر اس جگہ پہنچے اور مرید کی امداد پر راہ حق میں جہاد کیا۔ طویل معرکہ آرائی کے بعد میدان جہاد میں جاؤ شہادت نوش فرما گئے۔ آپ کا سر جہاد پر ہٹا گیا آپ اسی حالت میں بغیر سر کے میدان کارزار میں برسر پیکار رہے اور گھوڑے پر سوار دریائے ستلج کے کنارے تحصیل میلسی کے ایک غیر معروف گاؤں دھلو میں پہنچے۔

آپ کا گھوڑا اس جگہ رات کے وقت ایک دیہاتی شیخ داؤد عرف امام الدین ہتھم کے مکان پر جا کر رکھا ایک دھانی آواز نے شیخ امام الدین کو گہری نیند سے بیدار کیا جب وہ گھر سے باہر آیا تو بے سرن جسم دیکھ کر نہ صرف موجودیت ہوا۔ بلکہ اس پر ایک گناہ وحشت طاری ہو گئی وہ خوفزدہ ہو کر جھلگے ہی والا تھا کہ ایک غیبی آواز نے اسے تسلی و تشفی دی۔ اس کی ڈھارس بندھاٹی اور اسے بتایا کہ یہ بغیر سر کے جسم ابو بکر ذرّاق کا ہے جو جہاد کرتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں ان کا سر میدان میں پڑا ہے۔ اس کو لے آؤ۔ امام مین نے سراپیسگی کے عالم میں دست بدست عرض کی کہ میدان جگہ میں پڑے ہوئے سینکڑوں سروں حضرت ابو بکر ذرّاق کے سر کو کیسے

شناخت کروں۔ حضرت کے لاشہ سے آواز آئی کہ میدان جہاد میں تمام شہداء کے سروں پر ایک چراغ روشن ہو گا۔ لیکن میرے سر پر چار چراغ روشن ہوں گے۔ امام الدین تمیل ارشاد میں ہمارا گڑھ کی جانب روانہ ہوا اور آپ کے جم مقدس کے ساتھ سر مبارک کو بھی نہایت کریم و تعظیم کے ساتھ دفن کر دیا۔

(امروز ۸ اپریل ۱۹۷۷ء)

حالیہ بارش کے دوران جہلم سے اکیس میل دور موضع شہاب الدین غوری دھیمک میں واقع قبر بیٹھ گئی۔ جس سے ایک

پرانی نقش برآمد ہوئی ہے۔ جو تقریباً پونے سات فٹ لمبی ہے۔ باور کیا جاتا ہے کہ یہ نقش برصغیر پاک و ہند کے مسلمان بادشاہ شہاب الدین غوری کی ہے۔ جس نے ہندوؤں کی جنگی طاقت کا خاتمہ کر کے اسلام کا پرچم بنگال تک لہرایا۔ جس مقام سے یہ نقش برآمد ہوئی ہے وہ شہاب الدین غوری کی شہادت گاہ سے موسوم ہے اور اس مقام پر اس قبر کے سوا اور دوسری کوئی قبر نہیں تھی۔ اس علاقے میں مرسلادھار بدیشس ہوئی جس کے سبب قبر بیٹھ گئی اور میت نظر آنے لگی۔ نقش درست حالت میں ہے، امروز کے نائنہ صومی نے آج کرنل خواجہ خورشید سے رابطہ قائم کیا۔ جنہوں نے جہلم کے آثار قدیمہ کے بارے میں خاصی تحقیق کی اور ایک مراسلہ بھی لکھا تھا۔ جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا تھا کہ شہاب الدین غوری نے موضع دھیمک میں شہادت پائی تھی اور وہیں دفن کئے گئے تھے اور انہیں جلال آباد نہیں لے جایا گیا تھا۔ تحقیق کے مطابق اس زمانے میں ملتان کے علاقے میں مرتدین کے علاوہ گھمڑ قبیلہ بھی آباد تھا اور یہ دونوں علاقے سرکش تھے۔ شہاب الدین غوری سے قبل محمود غزنوی بھی ان کی سرکوبی کے لیے ملتان آیا تھا اور شہاب الدین غوری بھی اسی مقصد کے لیے آیا تھا اور ان قبیلوں کی سرکوبی کی۔ واپسی پر دھیمک کے مقام پر خمیہ زن تھا کہ رات کے وقت کسی نے اسے قتل کر دیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ شہاب الدین غوری کو گھمڑ قبیلے والوں نے شہید کیا۔ غوری لکھنؤ نے نقش کو جلال آباد افغانستان لے جانے کی بجائے اسی مقام پر دفن کرنا مناسب سمجھا۔ اور اس مسلمان بادشاہ کو پورے اعزاز کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ امتداد زمانہ سے قبر کا نشان معدوم ہو گیا اور بعد میں یہ روایت ہے کہ نقش جلال آباد لے جا کر سپرد خاک کی گئی تھی۔

جو تحقیق کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی اور کرنل خواجہ رشید نے دلائل سے ثابت کیا کہ شہاب الدین غوری کو مقام شہادت پہ سپرد خاک کیا گیا اور کچھ عرصہ پہلے تک اس قبر پر ایک محاورہ لکھا کرتا تھا۔ (امروز ۲۹ جون ۱۹۷۷ء)

جنگ میں معاملہ صرف مرنے یا اللہ کی راہ میں ہجرت اور تکالیف مارنے تک ہی محدود نہیں بلکہ

کبھی دشمن قیدی بنایا ہے اور کبھی قتل کر دیتا ہے۔ دشمن ملک کے کسی حصہ پر قبضہ کرے! گھر چھوڑنا پڑتا ہے۔ مل و دولت ضائع ہو جاتے ہیں۔ گھر مکان تباہ ہو جاتے ہیں عزیز! اقارب جنگ کی نظر ہو جاتے ہیں۔ انسان پر قیمت لٹ پڑتی ہے۔ غموں کا پہاڑ اس کے سر پہ اگرتا ہے۔ وہ سب کچھ قبول کر لیتا ہے۔ کبھی مسلمان اپنی مرضی سے اپنے دین پر قائم رہنے کے لیے پر امن جگہ کی تلاش میں خود وطن چھوڑ دیتا ہے۔ ہجرت جیسا ہجرت پر زور

اور ۱۹۴۷ء میں ہندوستان اور کشمیر سے پاکستان کی طرف مسلمانوں کی ہجرت یہ وہ مثالیں ہیں جہاں مسلمانوں نے نفس دین اسلام کے مطابق زندگی گزارنے اور طاغوتی طاقتوں کی دست برد سے بچنے کے لیے اپنا پیدائشی وطن چھوڑ دیا۔ گھر مکان اور جائیداد کو خیر آباد کہا

ان کے متعلق ارشاد ہے

پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکلے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنہوں نے جہاد کیا اور شہید کئے گئے اور میں فرماؤں گی کہ ان سے دور کروں گا اور انہیں یقیناً جنت میں لے جاؤں گا۔ جن کے بیٹے نہریں بہ رہی ہیں یہ ہے ثواب اللہ کی طرف سے اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سُبُلِي وَ قَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَوْ كَفَرْنَا عَنْهُمْ لَجَبُنَا لَهُمْ وَ لَدُونََّا لَخَلَّفَتْهُمُ جَنَّتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُرِوْنَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ط وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ (پ. آل عمران - ۷)

ہا خیر و ارا ہجرت کرنے والے) کی مثال گذشتہ صفحات میں گندہ لکھی ہے۔ (خبر جہاد)

صن دیا، ہم عرب اسرائیل جنگ اور فلسطینیوں کا مسئلہ ہم سب دیکھ رہے ہیں اس تم رسیدہ
 مسلمان برسوں سے دوسرے ملکوں میں کیمپوں میں پناہ لیے ہوئے ہیں۔ مصائب جھیل رہے
 ہیں۔ یہودیت اپنے عزائم کی خاطر ان بے گناہوں کو ظلم کی جگہ میں پس رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ
 ان مظلوموں کی مدد فرمائے انہیں کامیابی نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین)
 مقبوضہ کشمیر سے بھارتی ظلم و استبداد کا شکار مسلمان عرصہ دراز تک چھپ چھپ کر
 پاکستان کی طرف نقل مکانی کرتے رہے ہیں۔ سابقہ مشرقی پاکستان سے بہاری مسلمانوں کا
 زبردستی اخراج بھارتی عزائم کی تکمیل کا ایک گناؤ نا شاخسانہ ہے۔ ان کے ساتھ کیا کچھ ہوا
 اور کیا گزری۔ یہاں ان حالات کی تفصیل میں جاننا میرا مقصد نہیں البتہ وہاں کے مسلمان بھائیوں
 کے لیے یہ قیامت صغریٰ تھی۔

۱۹۶۵ اور ۱۹۷۱ء میں جب بھارت نے پاکستان کو ختم کرنے کا ناپاک منصوبہ شروع
 کیا تو لاکھوں لوگوں کو اپنے گھر چھوڑنے پڑے وہ تہی دست وہاں سے نکلنے پر مجبور تھے انہوں
 نے سب کچھ بھارتی عزائم کی بھینٹ چڑھا دیا۔

اب قیسرا طبعہ وہ ہے جو اللہ کی راہ میں جگ لڑتے ہیں یہ مجاہدین ہیں کفار کو تہمتہ تیغ کرتے
 ہیں۔ کبھی خود بھی شہادت کی لاندال نعمتوں سے سرفراز ہوتے ہیں۔ بعض اوقات دشمن کے
 ہاتھوں تید ہونے کی نوبت بھی آجاتی ہے چنانچہ ارشاد ہے اُوذُوا فِي سُبُلِي :- جو میری
 راہ میں تکلیف دے گئے۔ مسلمانوں نے وطن کیوں چھوڑا مال و دولت کیوں لٹائے اپنی اور اپنے
 عزیز واقارب کی قربانیاں کیوں پیش کیں۔ مصائب کو کیوں خوش آمدید کہا۔ وطن چھوڑ کر حدود
 سفر کیوں کئے۔ محروم نصیباں ہو کر دوسروں کے محتاج اور دست نگر کیوں ہوئے۔

محض اس لیے کہ اللہ اور اللہ کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین پر عمل پیرا
 رہ سکیں۔ اپنی زندگی اسلام کے سنہری اصولوں کے مطابق بسر کر سکیں۔ اس طرح یہ سب کچھ اللہ کی
 خاطر ہوا۔ اس سلسلے میں تو تکلیفیں اور مصائب برداشت کئے وہ اللہ کی راہ میں شمار کئے جائیں
 گے۔ مجاہد جب دشمن کے قابو میں آجاتا ہے۔ دشمن اسے جھوک اور پیاس سے تکلیف دیتا
 ہے تنگ و تاریک کوٹھریوں میں بند کر دیتا ہے۔ سردیوں میں سردی اور گرمیوں میں مزید گرمی

ہونچانے کا بندوبست کرتا ہے۔ اس سے جلی راز حاصل کرنے کے لیے ذہنی اور بدنی تکلیفیں دیتا ہے۔ ڈراتا دھمکتا ہے۔ لالچ دیتا ہے۔ رنگارنگ کے حربے اور طریقے اختیار کرتا ہے۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے وہ کوئی گسر نہیں چھوڑتا۔ مجاہدِ وطن اور قوم کی خاطر یہ سب کچھ برداشت کرتا ہے۔ تکلیفیں اٹھاتا ہے۔ اس سے ذاتی طور پر کسی کو کوئی دشمنی نہیں۔ بلکہ کفار کی اسلام دشمنی کی وجہ سے معائب کے لیے تختہ مشق بنتا ہے۔ دین اسلام کی اور وطن کی حفاظت کے صلے میں اس ذریت کو پہنچا ہوا ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں یہ سب کچھ برداشت کرتا ہے۔ ہجرت کرنے والے۔ اپنے ملک سے نکلے جانے والے اور مجاہدِ نبیل اللہ کے لیے اللہ کی راہ میں تکلیفوں کے انداز نزلے ہیں۔ تو اس کے صلے میں اللہ رب العزت نے ان سب کے لیے ایک اجر رکھا ہے۔ لَا أَكْفُرْتَنَّ عَنْهُمْ سَبًّا بَعِيْدًا۔

ہم ضرور ان کی برائیاں ان سے ہٹا دیں گے

ان کی خطائیں معاف کر دیں گے۔ قیامت میں ان کے گناہوں اور غلطیوں پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔ کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ اللہ ان کو ان کا ایف کے صلے میں جو انہوں نے اللہ کی راہ میں اٹھائیں ہیں۔ سعادت فرما دے گا گناہ و صلح ہائیں گے۔ اور اس کے بعد کیا ہوگا۔ وَلَا دُخْلَنَّهُمْ جَنَّتِ بَجْرِيٍّ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَتَّبِعُهُمُ الْيَقِينُ اِيْمَانِهِمْ دَاخِلُ كَرِيْمٌ كَرِيْمٌ جَنَّتِ فِيهَا رِيَّاغُونَ میں (جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ لہذا ان کا کرم جنت کا پروانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جنت کی ابدی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ اس میں باغ ہیں۔ نہریں جاری ہیں جو چاہو وہ حاضر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمان کی قربانیوں کا صلہ ہے اور یہی بہترین صلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جبرا اور عنایت کے مقابلے میں دوسری کوئی چیز نہیں۔ اس سے بہتر معاوضہ دینے والا اور کوئی نہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ میں تفصیل سے وہ واقعات اور حالات بیان کر دیئے گئے ہیں، جو ایک مسلمان اور مجاہد کو پیش آتے ہیں۔ اس میں جہاد کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ہے۔ مسلمان نے کسی بھی شکل میں جہاد کیا وہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی کا مستحق ہے۔ اسی لیے کہ جو کچھ کیا وہ اسلام کی خاطر تھا۔

نہ اپنی آن کی خاطر نہ اپنی شان کی خاطر فقط اسلام کی خاطر، فقط ایمان کی خاطر

جہاد میں اپنی ہی بھلائی ہے | مسلمان اور مجاہد جو کچھ کرتا ہے۔ وہ اس کے اپنے لیے ہے۔ اس کی اپنی فلاح اور

کامیابی ہے۔ اس کا صلہ اسی کو ملتا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَمَنْ جَاهَدْنَا فَآنَا يَجَاهِدُ
لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ

جو اللہ کی راہ میں کوشش کرتا ہے سو وہ اپنے ہی نفس کے لیے کرتا ہے۔

عَنْ الْعَلِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ

لے شک اللہ بے پروا ہے سارے

جہانوں سے

ہم اللہ جل جلالہ کے احکام کی پابندی کرتے یا نہ کریں۔ اس کی رُبوبیت کا اقرار کریں یا نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی شان اور رُبوبیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ وہ ہمارے پابندی احکام اور اقرار کا محتاج نہیں۔ ہم جہاد کر کے اس پر احسان نہیں کر رہے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی کریمی ہے کہ اس نے اپنے نفل سے مسلمان کو اس کی توفیق دی۔ ابدی زندگی کے لیے سامان مہیا کرنا نصیب فرمایا جو کچھ یہاں بویا جائے گا۔ وہی وہاں کاٹا جائے گا۔

ایک حکایت ہے، کسی ملک میں دستور تھا کہ ایک معینہ مدت کے مرد آخرین | ایسے بادشاہ کا تقرر کیا جاتا ہے۔ مدت بادشاہت پوری ہو جانے

کے بعد بادشاہ کو کسی ویران جزیرے میں بھیج دیا جاتا۔ جہاں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ہوتی تھی اور نہ سر جھپانے کے لیے کوئی جگہ۔ اس جزیرے کا پانی آنا کڑوا تھا کہ حلق کے پیچھے نہ اترتا تھا۔ الغرض بادشاہ اس جزیرے میں چند دنوں کے اندر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بھوکا پیاسا مر جاتا تھا تھا۔

بادشاہ کو موت کے حوالے کر کے، ارکان سلطنت بادشاہ کا تقرر اس طرح کرتے کہ شہر کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے جو شخص سب سے پہلے انہیں نظر آ جاتا اسے لہنا بادشاہ بنا لیتے تھے۔

ایک دفعہ وہ ایک بادشاہ کو جزیرے کی نظر کر آئے اور دوسرے دن دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ اچانک ایک غریب شخص نمودار ہوا۔ انہوں نے اجنبی کو پکڑا اور تخت پر

بمطابق وہ بہت گھبرا یا کہ کچھ مدت کے بعد اُسے بھی ویران جزیرہ میں موت کے حوالے کر دیا جائے گا۔ وہ دن رات ہی سوچتا رہا کہ کسی نہ کسی طرح میں جزیرہ کی سزا سے محفوظ رہوں! آخر اُسے ایک تدبیر سوچی۔ جس پر اس نے فوراً عمل کیا اس نے حکم سے دیا کہ موجودہ دارالحفاظ کی بجائے اس ویران جزیرہ کو دارالحفاظ بنا دیا جائے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں بادشاہ نے ویران جزیرہ کو آباد کر دیا۔ وہاں باغات لگاے گئے نہریں کھدوائیں، مکانات تعمیر کروائے جب پورا شہر بن گیا تو اس نے پایہ تخت کو وہاں منتقل کر دیا۔ اب اُسے جزیرے کی سزا کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ وہاں زندگی کی تمام سہولتیں میسر آ چکی تھیں۔ یہی حال انسان کا ہے۔ ایک معینہ مدت کے بعد اسے دارفانی سے دارباقی طرف جاتا ہوتا ہے۔ وہاں کا منظر بڑا ہولناک ہے، اگلے جہاں میں نہ کوئی سر چھپانے کی جگہ ہوگی اور نہ کھانے پینے کی کوئی چیز اور گرمی سے بچنے کے لیے نہ کوئی سایہ ہوگا ایک عجب ہولناک منظر ہوگا۔ اس جہاں کو آباد کرنے کے لیے یہیں اس جہاں میں ایسی کوششیں کرنی چاہئیں۔ جس سے ہم اس جہاں کی سزا سے بچ سکیں۔ مسلمان مال و جان کی قربانی دے کر۔ صدقات و خیرات اور زکوٰۃ دے کر اگلے جہاں میں اپنے لیے گھر اور باغات بنا سکتا ہے۔ انسان فلاح کسے کام کر کے اگلے جہاں میں اپنی فلاح کا انتظام کر سکتا ہے۔

قیامت کے دن تمام مخلوق میدانِ محشر میں جمع
مجاہدین کا قیامت کا حال ہوگی۔ نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ کوئی کسی پہچان نہیں
 سکے گا کہ یہ کون ہے۔ لیکن مجاہدین تمام لوگوں سے ممتاز ہوں گے۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی انسان میں جہاد کے راستے کا غبار اور دوزخ کا دھواں جمع نہیں کرے گا۔ جس شخص کے پاؤں جہاد کے راستے میں گرد آلود ہوئے اللہ تعالیٰ اس کو مدد سے تیز گھوڑے کی ہزار سال رفتار کے فاصلہ کی مثل دور کرے گا جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہوگا اس پر شہداء کے نام کی مہر لگا دی جائے گی۔ قیامت میں وہ

زخمِ نذر سے چمکتے ہوں گے۔ مجاہد کے زخموں کا رنگ زعفران کا سا ہو گا۔ اس کی خوشبو مشک کی مانند ہوگی جس کے سبب مجاہد کو تمام اہل محشر پہچان لیں گے (راشد بطولہ)

جب ایک بار انسان جہاد

مجاہد کو اللہ تعالیٰ جنت کی ضمانت دیتا ہے | میں شامل ہو جاتا ہے، تو

اسے جنت کی ضمانت مل جاتی ہے۔ خواہ اس کی موت بعد میں کبھی ہی کیوں نہ واقع ہو اور اگر زندگی میں دوبارہ سہ بارہ موقع آتا ہے۔ جہاد کے لیے ضرورت ہے تو اس پر حالات کے مطابق احکام لاگو ہوں گے۔ ضرورت ہونے کے باوجود اگر وہ اس خیال سے شامل نہیں ہوتا کہ جنت کی ضمانت تو ہے ہی۔ کون بار بار مشقت میں پڑے تو اس ضمن میں۔ حضرت کعب بن مالک ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کے قبضہ نقل کیا گیا ہے۔

البتہ اگر دوبارہ موقع ہی نہ آئے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ جنت کی ضمانت کے متعلق،

حدیث پاک ہے۔

حضرت سمرہ بن حاکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان انسان کو جہاد سے روکتا ہے اور کہتا ہے اگر تو جہاد میں گیا اور مارا گیا تو ناحق تیری جان جانے گی۔ مال تقسیم ہو کر دوسروں کے پاس چلا جائے گا اور بیوی بچی کسی اور شخص سے نکاح کرے گی۔ جو شخص شیطان کے بہکانے میں نہیں آتا اور اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کرنے کا ضامن ہے۔ وہ شخص خواہ کسی طرح مرے پانی میں غرق ہو جائے یا گھوڑے سے گر کر میرے یا اپنے بستر پر مرے ہر حالت میں جنت کا مستحق ہے۔ (نسائی۔ ابن ماجہ۔ بطولہ)

یہ تو کسی کو خبر نہیں کہ موت کہاں

جہاد کی نیت سے لکنا ہی عظیم نعمت ہے | اور کس حال میں آئے شہادت

نصیب ہو یا نہ ہو۔ دشمن سے نبرد آزا ما ہونے کا موقع ملے یا نہ ملے اب دوزخ کی مقدار کہاں ختم ہو جائے گی۔ کسی کو معلوم نہیں۔ دشمن سے لڑنے کے بعد تو ثواب ضرور ملتا ہے۔ لیکن اللہ رب العزت جہاد کے سلسلے میں مجاہد کی نیت ہی دیکھ کر اس کا عمل قبول کر لیتا ہے۔

اور وہ مجاہد جہاد کی نیت سے نکلا اور کسی وجہ سے جہاد میں شرکت کے بغیر اس جہاں سے چل بسا اللہ تعالیٰ اسے بھی شہادت کے بے مثال دستے سے نوازتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریفین ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص گھر سے فقط جہاد کی نیت لے کر نکلا اور اس کو صرف اللہ تعالیٰ کے ایمان اور رسولوں کی تصدیق ہی نے میدان جہاد میں جانے کے لیے مجبور کیا تو یہ شخص اللہ کی ضمانت میں ہے۔ اگر مر جائے گا تو خدا اس کو جنت میں داخل کرے گا اگر زندہ واپس ہوگا تو اجر یا عینیت لے کر واپس ہوگا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ شہید قیامت میں اپنے زخموں کی اصل حالت اور ہیبت پر آئے گا۔

زخموں کے خون کی رنگت تر سرخ ہی ہوگی۔ لیکن اس میں سے جو خوشک کی سی آ رہی ہوگی۔ خدا کی قسم اگر مقامی لوگوں کو میری ضرورت نہ ہوتی تو ہر اس لشکر میں شریک ہوا کرتا جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتا۔ خدا کی قسم میری یہ خواہش ہے کہ میں خدا کے راستے قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں۔ (مسلم بطولہ)

جنت کی ہیبت شکل و صورت

مجاہد جنت کی تینوں منازل کا مکین ہے اور وسعت کا اندازہ کرنا یہ

انسانی ذہن کے لیے ناممکن ہے۔ اس کے درجات، کمالات باغات، نہریں، اور حوریں انسانی تخیل اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس کی وسعت درجات اور نعمتوں کو اللہ ہی جانتا ہے بہر حال مجاہد کو وعدہ دیا گیا ہے کہ جنت کے تینوں حصوں میں ایک ایک مکان عطا کیا جائے گا۔ شافعہ محدث نے اس کی ضمانت لے رکھی ہے۔ حدیث پاک ہے،

حضرت فضالہ بن عہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص اللہ پر ایمان لایا اور اس کے رسول کی تصدیق کی اور خدا کے راستے میں جہاد کیا۔ میں اس کو ایک مکان جنت کے پتھے کے حصے میں اور ایک مکان وسط جنت میں اور ایک مکان جنت کے اعلیٰ درجوں میں دلانے کا ضمان ہوں۔ (نسائی۔ ابن ماجہ، بطولہ)

جہاد کے پہلے ہی روز تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں | مجاہد جب جہاد کے ارادے

سے گھر سے نکلتے تو روز اول ہی سے اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں الحمد للہ جہاد کا کس قدر بلند مقام ہے۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت ہبیل بن سعد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے یا حج کرنے کے ارادے سے کوئی مسلمان گھر سے نہیں چلتا مگر سورج اس کے گناہوں کو ساتھ لے کر غروب ہو گیا ہے۔ (طبرانی)

مطلب یہ ہے۔ حج یا جہاد کرنے والے کے تمام گناہ اسی روز معاف ہو جاتے ہیں جس روز وہ اپنے گھر سے نکلتا ہے۔

شوق شہادت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا کیا کرتے تھے۔
 اللَّهُمَّ أَرِزْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ وَأَجْعَلْ قَبْرِي فِي بَلَدِ سُورِكَ
 اے بارخدا یا مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور میری قبر رسول پاک صلی اللہ علیہ
 وسلم کے مبارک شہر میں بنا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ کے مرتبے کے
 متعلق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر کوئی میرے بعد نبی ہوتا۔ تو وہ عمر رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ ہوتے۔ معلوم ہوا آپ کا رتبہ بارگاہ الہی میں بہت بلند ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ
 کی مقبول اہلی ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک اور فرمان یہ ہے: ”عمر چلتا پھرتا
 نور ہے“ نور روشنی کا نام ہے۔ جو اندھیرے میں اجالا کرے۔ مراد ایسی اہلی ہیں کہ کفو شرک ان
 کی مسامی میلہ سے چھٹ جائے گا۔ ہر طرت اسلام کا نور ہی نور پھیل جائے گا۔ اور فی الواقع آپ
 کے عہدِ خلافت میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی۔ سب سے زیادہ فتوحات آپ کے
 عہد میں ہوئیں۔ اسلامی سلطنت کی حدودِ اطراف سے لے کر دریائے سندھ تک پھیل گئی حضرت
 سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو خلیفہ مقرر کرنے کے لئے صحابہ کرام سے رائے
 لی۔ انہوں نے مختلف مشورے دیئے۔ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا آپ کی موجودگی میں
 عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رویہ سخت تھا۔ اب رہ خود خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے۔
 اب آپ خدا کے ہاں جا رہے ہیں۔ تو خدا کو کیا جواب دیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے نیرے بندوں پر اس شخص کو خلیفہ مقرر
 کیا ہے۔ جو سب سے اچھا تھا۔

علامہ اقبال کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ
 عنہ عشق رسول تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تھے تو

درخت تعظیم سے جھک جاتے تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے بلا تامل جواب دیا۔ کہ واقعی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ لیکن بھائی! یہ واقعہ تو صرف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشق بتاتا ہے۔ کہ ان کی آنکھیں یہ دیکھتی تھیں کہ درخت جھک رہے ہیں۔ اگر تمہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں نصیب ہوں تو تم بھی دیکھو گے کہ دنیا ان کے سامنے جھک رہی ہے۔

عقل انسانی ہے فانی زندہ جاوید عشق

حضور سید عالم کو پہاڑوں اور درختوں کا سلام کہنا :-

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ گرد و نواح میں جاتے۔

فَمَا اسْتَقْبَلَهُ جَبَلٌ وَلَا شَجَرٌ
إِلَّا وَهُوَ يَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ
يَا رَسُولَ اللَّهِ۔

تو جو پہاڑ (پتھر) اور درخت بھی سامنے
آتا وہ کہتا سلام ہو تجھ پر اے اللہ کے
رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(ذکر جمیل صفحہ ۶۸ بحوالہ دارمی مشکوٰۃ)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ستونِ حناہ کے ساتھ کھڑے ہو کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔

فَلَمَّا وَضِعَ لَهُ الْبَيْتُ
سَمِعْنَا لِلْبَيْتِ مِثْلَ اصْوَاتِ
الْعِشَارِ حَتَّى نَزَلَ الْبَيْتُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَأَلَهُ فَوَضَعَ
يَدَهُ عَلَيْهِ۔

تو جب آپ کے لئے منبر بنایا گیا۔ اور
آپ اس پر تشریف فرما ہوئے۔ تو ہم نے
سنا کہ وہ ستون در دناک لہجے میں رونے
لگا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
منبر سے اترے اور اپنا دست مبارک رکھا
(تاکہ اس کو تسکین ہو)

(ذکر جمیل صفحہ ۶۸ بحوالہ بخاری شریف کتاب الجمعة)

مذکورہ روایتوں سے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و جلالت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے بے شمار واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

جنگ نہاوند اور حضرت ساریہ کو عمر کی للکار :- نہاوند ملک ایران میں واقع ہے۔

کفار سے جنگ ہو رہی تھی حضرت ساریہ فوج کے پہلے سالار تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ سے دوران خطبہ جمعہ پکار کر جنگی احکامات دیئے۔ مدینہ منورہ اور میدان جنگ کا فاصلہ تقریباً ۱۰۰ میل ہے۔ تاریخ الملتغاء میں یہ قصہ اس طرح بیان ہوا ہے۔

بیہقی والی نعیم نے دونوں نے دلائل نبوت میں، لاکاٹی نے شرح السنہ میں اور ان کے والد نے فوائد میں ابن اعرابی نے کرامات اولیاء میں، خطیب نے رفاۃ مالک میں، نافع کے ذریعے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی لکھا ہے، کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساریہ کو سالار فوج بنا کر روانہ کیا تھا۔ ایک دن آپ نے دوران خطبہ جمعہ میں مرتبہ فرمایا: اے ساریہ پہاڑ کی طرف تھوڑے دنوں کے بعد اس فوج کا فرستادہ بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوا۔ آپ کے دریافت حالات پر فرستادہ نے کہا: اے امیر المؤمنین ایک مرتبہ میں شکست ہو رہی تھی کہ اس موقع پر ہم نے یہ آواز میں مرتبہ سنی: "اے ساریہ پہاڑ کی طرف" چنانچہ ہم نے پہاڑ کی طرف رخ کر لیا۔ اور اللہ نے ہمارے دشمنوں کو شکست دی۔ جس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو،

کمانڈر انچیف ساریہ جس پہاڑ کے پاس معرود جنگ تھے۔ وہ ایران میں نہاوند شہر کے پاس ہے۔ ابھی مرویہ نے ابھی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی لکھا ہے، کہ والد بزرگوار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب نے جمعہ کے خطبہ کے دوران میں مرتبہ فرمایا: "ساریہ پہاڑ کی طرف" اور دشمنان اسلام پر زری کرنا جائز نہیں ہے، یہ سچ کر لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ اب گھسان نازن پڑے گا۔ غرضیکہ خطبہ کے بعد لوگوں کی دریافت پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "مجھے دکھائی دیا کہ مشرک ہمارے مسلمان بھائیوں کو شکست

دینے والے ہیں۔ اور وہ پہاڑ کی جانب سے بھرپور حملہ کے لئے تیار ہیں، اگر مسلمان ادھر سے گریں تو ایک ایک کو چن چن کر مار دیں گے۔ وگرنہ ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ میری زبانی سے وہ الفاظ نکلے جنہیں تم نے سننا اس واقعہ کے ایک ماہ بعد مشہر نامی شخص مدینہ آیا۔ اور اس نے بھی کہا کہ ہم سب نے فلاں تاریخ امیر المؤمنین کا یہ تم نہاوند پہاڑ کے پاس سنا تھا۔ اے ساریہ پہاڑ کی طرف چنانچہ یہ تمیل حکم اللہ نے ہم کو فتح یاب کیا۔ ابولیم نے عمر و بن حارث کی زبانی لکھا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ اس دوران میں ایک مرتبہ نیچے اترے اور میں مرتبہ فرمایا۔ اے ساریہ پہاڑ کی طرف اس کے بعد پھر یہ مرتبہ جا کر خطبہ پڑھنے لگے۔ یہ کیفیت دیکھ کر بعض حاضرین مسجد نے کہا نہیں جنون ہو گیا ہے۔ بسا اختتام نماز عبد الرحمن بن عوف نے حاضر ہو کر کہا، آپ کے آج کے دوران خطبہ کے الفاظ سے لوگوں میں چہ میگوئی ہو رہی ہے۔ کیونکہ آپ نے با آواز بلند یہ بات فرمائی۔ اے ساریہ پہاڑ کی طرف! حالانکہ مسجد میں ساریہ اور پہاڑ موجود نہ تھے۔ براہ کرم اس واقعہ کی حقیقت بیان فرما دیجئے۔ جواب دیا میں نے اسلامی دشمنوں کو دیکھا کہ وہ آگے پیچھے سے گھیر ڈال کر مسلمانوں کو قتل کر دیتا پاتا ہے، چنانچہ میں نے ساریہ کو پہاڑ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا، آپ یہ فرمایا رہے تھے کہ اتنے میں ساریہ کا قاصد مسجد جلی رپورٹ و بار خلافت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے کہا کہ ہم کو شکست ہونے والی تھی۔ کہ جمعہ کے دن ہم نے دو مرتبہ یہ آواز سنی۔ اے ساریہ پہاڑ کی طرف! چنانچہ ہم لوگوں نے پہاڑ کی طرف رخ کیا۔ اور دشمن کی جہاز فوج کو اللہ نے شکست دی۔ ہم نے کشتوں کے پتے لگا دیئے

(اس بیان کے باوجود بھی طعنہ دینے والے کہتے ہیں، کہ یہ سب من گھڑت ہے)

واقعہ مذکورہ کی دید کی مثال یوں ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ جنہیں علامہ اقبالؒ اپنے کلام میں مولائے روم کے نام سے پکارتے ہیں فرماتے ہیں جب مومن کا ایمان حقیقی ہوتا ہے۔ تو وہ سب ایسے فعل کرتا ہے جو حق ہوں، یہ خواہ اس کے اپنے جذبہ سے ہوں۔ یہ جو کہتے ہیں۔ کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادیبؒ بنو ہاشم کے بعد دوسروں پر وحی نازل نہیں ہوتی۔ کیوں نازل نہیں ہوتی؟ نازل ہوتی ہے۔ مگر اسے وحی نہیں کہتے۔ معنی یہ ہیں کہ وہ کہتا ہے۔

المؤمن ينظر بنور الله - مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔

جب وہ خدا کے نور سے نظر ڈالتا ہے۔ تو سب کو دیکھتا ہے۔ اول کو اور آخر کو غائب کو

اور حاضر کو اس لئے کہ نور خدا سے پوشیدہ کو ڈھیز کیجے رہ سکتی ہے۔ اگر کوئی چیز پوشیدہ رہ جاتی ہے تو وہ نور خدا نہیں۔ پس وہی کاہم سنی ہے۔ اگرچہ اسے وہی نہیں کہتے۔ مومن کا طلب خدا کی دو انگلیوں کے درمیان ہے، پرندہ اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے۔ اور مومن اپنی ہمت سے۔

(ملفوظات رومی)

مذکورہ واقعات سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم و فراست کے لحاظ سے اتہائی درجے پر فائز تھے۔ دنیاوی زمان و مکان کے پردے آپ کی نگاہوں میں حائل نہ تھے اور پھر سب سے بڑھ کر آپ "عشرہ مبشرہ" میں سے ہیں۔ یعنی جن دس حضرات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں ہی قطعی جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ اس میں آپ بھی شامل ہیں۔ یہ سب کچھ حاصل ہونے کے باوجود آپ نے شہادت کے لئے دعا کی۔ میں سے معلوم ہوا۔ کہ شہادت کا مقام بڑا بلند ہے۔ جنتی ہونے کے باوجود اس کا شوق ہے۔ انسان دعا اس لئے کرتا ہے جس کا شوق ہو۔ اور شوق ہمیشہ انوکھی ہی چیز اور مقام کا ہوتا ہے۔ اور مومن کا جہاد سے مطلع نظر ہی ہوتا علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشانی !

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑی کرم نوازیاں اور آسانیاں فرمائی ہیں۔ اگر انسان خلوص نیت سے شہادت کا خواہاں ہو اور شوق رکھے تو جنگ میں شرکت کا موقع ملے یا نہ ملے۔ انسان کی موت خواہ کسی حال میں ہو، اللہ تعالیٰ شہادت کا درجہ عطا فرمائے گا۔ چنانچہ حدیث پاک ہے:

حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص سچے دل کے ساتھ خدا تعالیٰ سے شہادت مانگتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو شہدا کا مرتبہ عنایت کرتا ہے، خواہ وہ اپنے بستر پر ہی مرے۔ (مسلم)

اس سے یہی مراد ہے۔ کہ خلوص نیت سے دعا کرنے والا خواہ شہید ہو یا نہ ہو۔ مگر اس کو شہاد شہادت مل جاتا ہے۔ ایک اور حدیث پاک میں یوں وارد ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ جو شخص خدا کے راستے میں کفار سے صرف آتی دیر لڑا جتنی دیر میں ایک اونٹنی کا دودھ

وہا جاتا ہے۔ تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ جس نے سچے دل سے شہادت مانگی پھر مر گیا۔ یا مارا گیا۔ اس کو شہادت کا ثواب ہے۔ جو شخص اللہ کے راستے میں زخمی ہوا تو وہ قیامت میں اس شان کے ساتھ آئے گا۔ کہ اس کے زخموں سے خون ٹپکتا ہوگا۔ خون کی رنگت زعفران کے مشابہ ہوگی۔ اور خون میں مشک کی بو آتی ہوگی۔ (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن حمش اور سعد بن ابی وقاص کی دعائیں

غزوہ احد میں حضرت عبداللہ بن حمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے کہا۔ کہ آؤ مل کر دعا کریں۔ ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق دعا کرے اور دوسرا آمین کہے۔ کہ یہ قبول ہونے کے زیادہ قریب ہے۔ دونوں حضرات نے ایک کونے میں جا کر مل کر دعا کی۔

آپ نے دعا کی یا اللہ جب کل کو لڑائی ہو تو میرے

حضرت سعد کی دعا:-

مقابلہ میں ایک بڑے بہادر کو مقرر فرما جو سخت حملہ کرنے والا ہو۔ وہ مجھ پر سخت حملہ کرے اور میں اس پر زوردار حملہ کروں۔ پھر اس پر مجھے فتح نصیب فرما۔ کہ میں اس کو تیرے راستے میں قتل کروں۔ اور اس کی غنیمت حاصل کروں حضرت عبداللہ نے آمین کہی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی کہ اے

حضرت عبداللہ کی دعا:-

اللہ کل کو میدان میں ایک بہادر سے مقابلہ کرا جو سخت حملہ کرنے والا ہو۔ میں اس پر شدت سے حملہ کروں۔ وہ بھی مجھ پر زور سے حملہ کرے۔ اور پھر وہ مجھے قتل کر دے۔ پھر میرے ناک کان کاٹ لے۔ پھر جب قیامت میں تیرے حضور پیش ہوں۔ تو تو کہے کہ عبداللہ تیرے کان کیوں کاٹے گئے۔ میں عرض کروں۔ یا اللہ تیرے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں کاٹے گئے۔ پھر تو کہے یہ سچ ہے۔ میرے ہی راستے میں کاٹے گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آمین کہی۔ دوسرے دن لڑائی ہوئی۔ اور دونوں حضرات کی دعائیں اسی طرح قبول ہوئیں جس طرح مانگیں تھیں۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن حمش کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔ میں نے شام کو دیکھا کہ ان کے ناک کان ایک دھاگے میں پردے

ہونے میں۔ احمد کی لڑائی میں ان کی تلوار ٹوٹ گئی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ٹہنی عطا فرمائی۔ جو ان کے ہاتھ میں جا کر تلوار بن گئی۔ اور عرصہ تک بعد میں رہی۔ اور ۲۰۰ دینار کی فروخت ہوئی۔ مذکورہ قصہ میں کمال بہادری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کا کمال شوق ہے۔ بدن ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی تمنا ہے۔

رہے گا کوئی تو تینا ستم کے یادگار دینا
مرے لاشے کے ٹکڑے دہن کرنا سو بزاروں میں
حضرت عمرو بن عبس رضی اللہ تعالیٰ
عنہ پاؤں سے لنگڑے تھے۔

لنگڑے صحابی کا شوق شہادت :-
غزوہ احد میں آپ کو بھی لڑائی کا شوق پیدا ہوا۔ لوگوں نے کہا تم معذور ہو۔ لنگڑے پن کی وجہ سے چلنا دشوار ہے۔ آپ نے فرمایا کیسی بری بات ہے، کہ میرے بیٹے تو جنت میں جائیں۔ اور میں رہ جاؤں۔ آپ کے چاروں بیٹے لڑائی میں شریک تھے بیوی نے ابھارنے کے لئے طعنہ کے طور پر کہا کہ میں تو دیکھ رہی کہ وہ لڑائی سے بھاگ کر لوٹ آئے ہیں۔ عمرو نے یہ سن کر ہتھیار لئے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی۔ اللہم قلا ترونی انی ارحمى اسے اللہ مجھے اپنے اہل خانہ کی طرف نہ لوٹائیو۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی قوم کے منع کرنے کا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اپنے لنگڑے پیر سے جنت میں چلوں پھروں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو معذور کیا ہے، تو نہ جانے میں کیا حرج ہے، مراد آپ پر کوئی گزرت نہیں۔ آپ کا اس کا حکم نہیں۔ انہوں نے پھر خواہش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لڑائی میں دیکھا کہ اڑتے ہوئے جاتے تھے۔ اور کہتے تھے خدا کی قسم میں جنت کا مشتاق ہوں۔ ان کا ایک بیٹا بھی ان کے پیچھے دوڑا ہوا جاتا تھا۔ دونوں لڑتے رہے حتیٰ کہ دونوں شہید ہو گئے۔ ان کی بیوی اپنے خاوند اور بیٹے کی نعش کو اونٹ پر لاد کر دفن کے لئے مدینہ منورہ لانے لگیں۔ تو وہ اونٹ بیٹھ گیا۔ بڑی دقت سے اس کو مار کر اٹھایا اور مدینہ منورہ لانے کی کوشش کی۔ مگر وہ احمد کی طرف منہ کرتا تھا۔ ان کی بیوی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹ کو یہی حکم ہے۔

کیا عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلتے ہوئے کچھ کہہ گئے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا کی تھی۔ اللّٰهُمَّ لَا تُرَدِّئِنِّي اِلٰی اٰخِرِيْ۔ آپ نے فرمایا اسی وجہ سے اونٹ اس طرف نہیں چلتا۔

یہ ہے سچا عشق الہی جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں جان قربان کرنے اور شہادت حاصل کرنے کا شوق اونٹ بھی ان کی دعا کے اثر سے مدینہ منورہ کی طرف نہیں جاتا۔

حضرت منذر شہادت چھوڑ کر جانا مجھے پسند نہیں ہے

بیر مسونہ ایک مشہور لڑائی ہے جس کا تفصیل ذکر صحابہ کرام کے باب میں گذر چکا ہے۔ اس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شہید ہوئے۔ جن کو قرآن کہتے ہیں۔ حضرت منذر اور عمرو اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے واپس آ کر دیکھا کہ ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا ہے۔ سوار خون آلودہ تلواروں سے ان کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ یہ حالات دیکھ کر دونوں حضرات نے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ عمرو بن امیہ نے کہا چلو واپس چل کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دیتے ہیں۔ مگر حضرت منذر نے جواب دیا کہ خبر تو ہو ہی جائے گی میرا دل تو نہیں مانتا کہ شہادت چھوڑ کر اس جگہ سے چلا جاؤں جہاں ہمارے دوست پڑے سو رہے ہیں۔ آگے بڑھو اور ساتھیوں سے جا ملو۔ چنانچہ دونوں آگے بڑھے اور میدان میں کود گئے۔ حضرت منذر شہید اور حضرت عمرو گرفتار ہوئے۔ جہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری جماعت ہی شہید ہو چکی تھی وہاں دو صحابہ کی جنگ لڑائی سے کیا وقعت ہو سکتی تھی وہ خواہ کتنا ہی کفار کو جہنم رسید کرتے آخر ان کی باری اُن ہی تھی۔ عقل تو یہی مشورہ دیتی ہے۔ کنولہ مخواہ اپنے آپ کو موت کے منہ میں نہ ڈالو۔ چپکے سے بھاگ چلو۔ لڑنے سے کامیابی کیا ہوگی جان ہی جائے گی لیکن خرد کا انداز اور ہے۔ عشق کا مقام اور ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بستکہ تصورات

چنانچہ یہاں عشق اور شوق شہادت نے رہنمائی کی کہ یہاں سے جانا تو ہے ہی لیکن آج شہادت کا امکان یقینی اور حتمی ہے، تا مظلوم پھر موقع ملے یا نہ ملے۔

نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

بہذا بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لو۔ ہاتھ آئی ہوئی جنت کو ہاتھ سے مت نکلنے دو۔ یہی وہ ہستی ہے
 میں اسلام جن پر یہاں طور پر فخر کر سکتا ہے۔ زندگی سے موت ان کو کہیں زیادہ محبوب تھی۔ اور کیوں
 نہ ہوتی جب دنیا میں کام ہی ایسے کئے تھے جن پر اللہ کے ہاں سرخروئی تھی۔ اور آخری کام وہ کیا
 کہ سب سوال و جواب سے اپنے آپ کو آزاد کر دیا۔

ابن مسلم خارجی کو ماریا تو مجھے شہادت کس کے ہاتھ سے نصیب ہو گی حضرت

ایک روز کا واقعہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہیں جا رہے تھے۔ ایک اور صاحب
 بھی ساتھ تھے۔ راستے میں دیکھا کہ ابن مسلم خارجی درخت کے نیچے سویا ہوا ہے۔ چونکہ سرکار
 دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی۔ کہ حضرت علی ابن مسلم خارجی کے ہاتھوں شہید
 ہوں گے۔ ان صاحب نے فرمایا۔ یا حضرت ابن مسلم ہاتھ آیا ہوا ہے۔ یہ آپ کا قاتل ہے۔ بہتر ہے
 اسے ابھی قتل کر دیا جائے۔ تاکہ معاملہ ہی ختم ہو جائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اگر آج اسے
 مار دیا تو پھر مجھے شہادت کیسے نصیب ہوگی۔ میں خلیفہ وقت ہوں اگر چاہوں تو ویسے بھی اسے مرا
 سکتا ہوں۔ یہ میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔ لہذا اسے رہنے دو تاکہ مجھے شہادت نصیب ہو۔
 شہادت کا کس قدر شوق ہے۔ کس قدر پیاری ہے۔ کہ قدرت اور وسائل ہونے کے باوجود اپنے
 قاتل کو ختم نہیں کرتے۔ مادا کہ شاید پھر کوئی میری طرف اٹکھ نہ اٹھائے۔ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے شیر خدا اور صاحب ذوالفقار کے خطاب سے نوازا ہے۔ کسی کی مجال ہے میدان جنگ میں ان
 پر غالب آجائے۔ لہذا ہی ایک سامان تھا اسے محفوظ رہنے دیا۔

موت شراب سے زیادہ محبوب ہے۔ جنگ قادسیہ میں حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد

بن ابی وقاص کو سپہ سالار مقرر کیا۔ شاہ کسریٰ یزدگرد نے رستم کو مقابلہ پر بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو جلی احکامات اور دیگر امور کے متعلق وصیت فرمائی اور روانہ کر دیا۔ حضرت سعد نہایت بشاشت سے لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ آپ نے رستم کو خط لکھا۔ جس میں وہ لکھتے ہیں۔ **فَاِنَّ مَعِيَ قَوْمًا يُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ كَمَا يُحِبُّوْنَ الدَّعَا جَمْرًا** لکھا۔ بے شک میرے ساتھ ایسی جماعت ہے جو موت کو ایسا محبوب رکھتی ہے جیسا کہ تم شراب پینے کو محبوب رکھتے ہو۔

عزودہ موتہ میں سرکار
اللہ تجھ فازی کو کامیاب و کامران کرے :- در عالم صلی اللہ علیہ

دائم وسلم نے زید بن حارثہ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ روانگی میں تھوڑی دور تک ان کو رخصت فرمانے تشریف لے گئے۔ شہر کے باہر سے روانہ کیا اور کامیابی کی دعا کی۔ حق تعالیٰ شانہ تم کو سلامتی کے ساتھ کامیابی کے ساتھ واپس لائے۔ ہر قسم کی برائی سے محفوظ رکھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اس موقع پر عین شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ میں تو اپنے پہلے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایسی تلوار ہو جس سے میرے خون کے فرار سے چھوٹنے لگیں یا ایسا برچھا ہو جو آنتوں اور کلیجہ کو چیرتا ہوا نکل جائے اور جب لوگ میری قبر پر گذریں تو یہ کہیں کہ اللہ تجھ فازی کو رشید اور کامیاب کرے۔ واقعی تو تو رشید اور کامیاب تھا اس کے بعد یہ حضرات روانہ ہو گئے۔

شرجیل ایک لاکھ فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکلا۔ تھوڑا آگے چل کر معلوم ہوا کہ خود نبرقل شاہ روم بھی ایک لاکھ فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے آرہا ہے۔ اس خبر سے لشکر اسلامی میں کچھ تردد ہوا کہ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کیا جائے۔ یا اور ملک کے لئے حضور اقدس صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی جائے۔

اس موقع پر عبداللہ بن رواحہ نے للکارا اور فرمایا اے لوگو تم کس بات سے گھبرارہے ہو! تم کس چیز کے ارادے سے نکلے ہو۔ تمہارا مقصود شہید ہو جانا ہے۔ ہم لوگ کسی قوت اور آدمیوں کی کثرت کے زور سے نہیں لڑتے ہم صرف اس دین کی وجہ سے لڑتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اللہ نے ہمیں اکرام نصیب فرمایا۔ آگے بڑھو اور دو کامیابیوں میں سے ایک تو ضرور ہے۔ شہادت

یا غلبہ یہ سچ کر مسلمانوں نے ہمت کی اور آگے بڑھے سخی کہ لڑائی شروع ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جنگ میں تین مسلمان پہ سالار حضرت زید بن حارثہ حضرت جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ کو یکے بعد دیگرے شہادت کی صورت میں امیر مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ پہلے زید اور حضرت جعفر رضوان اللہ علیہما اجمعین شہید ہوئے تو عبد اللہ بن رواحہ کو آواز دی وہ لشکر کے ایک کونے میں گشت کا ایک ٹکڑا کھا رہے تھے۔ انہوں نے تین دن سے کوئی چیز نہیں کھائی تھی۔ آواز سنتے ہی گوشت کا ٹکڑا پھینک کر اپنے آپ کو طاعت کرتے ہوئے کہا کہ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو شہید ہو جائیں اور تو دنیا میں مشغول رہے۔ آگے بڑھے اور جھنڈالے کر قتال شروع کر دیا۔

انگلی میں زخم۔ لڑتے لڑتے انگلی میں زخم آیا وہ ٹک گئی۔ لڑائی میں رکاوٹ ڈال ہی

تھی۔ آپ نے پاؤں سے اس کٹی ہوئی انگلی کو دبا کر کھینچ دیا اور اس کٹی ہوئی انگلی کو الگ کر دیا اور پھینک دیا اور دشمن کی طرف بڑھے۔ گھمسان کی جنگ اور پریشانی کی حالت تھی۔ تھوڑا سا تردد پیش آیا۔ کہ نہ ہمت اور نہ مقابلہ کی طاقت جنگ میں مدومی نوج کی تعداد تین لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ اس تردد کو قصوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا۔ دل اب کس چیز کا اشتیاق بات ہے جس کی وجہ سے تردد ہے۔ کیا بیوی کا ہے تو اس کو تین طلاق یا غلاموں کا ہے تو وہ سب آزاد بان کا ہے تو وہ اللہ کی راہ میں صدقہ پھر چند شعر بڑھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے۔
 قسم ہے اے دل تجھے اڑنا ہو گا۔ خوش سے اڑنا ناگہاری سے اتر تجھے اطمینان کی زندگی گزارتے ہوئے ایک زمانہ گزر چکا ہے دیکھو کافر لوگ مسلمانوں پر کھینچے ہوئے اڑ رہے ہیں۔ تجھے کیا ہوا کہ توجنت کو پسند نہیں کرتا اگر تو قتل نہ ہوا تو ویسے بھی آخر مرے ہی گا اس کے بعد گھوڑے سے اترے ان کے چماڑا دجانی گوشت کا ایک ٹکڑا لانے کو قصوڑا سا کھا لو۔ کمر سیدھی کر دو کئی دن سے کچھ کھایا نہیں۔ آپ نے لیا اتنے میں ایک جانب سے ہڈی کی آواز آئی اس کو پھینک دیا اور تلوار لے کر جہات میں کود پڑے شہید ہونے تک تلوار چلاتے رہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم نے بعد میں جب حضرت جعفر کو نشوں سے اٹھایا تو ان کے بدن اگلے حصے پر نوے زخم تھے۔ صحابہ کرام کی زندگی میں اس قسم کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ ہر قصہ اور واقعہ دنیا کی بے شہانی کو ظاہر کرتا ہے۔ اور ہمیں آخرت کا شوق دلاتا ہے۔

حضرت عمیر بن العوام کا قصہ بر

غزوہ بدر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک خیمہ میں کثرت فرماتے آپ

نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ اٹھو اور بڑھو ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین سے کہیں زیادہ ہے اور متقی لوگوں کے لئے بنائی گئی ہے۔ حضرت عمیر بن العوام ایک صحابی ہیں وہ بھی سُن رہے تھے۔ کہنے لگے واہ واہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا واہ واہ کس بات پر کہا عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے یہ تمنا ہے کہ میں بھی ان میں سے ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم بھی ان میں سے ہو۔ اس کے بعد جھولی سے چند کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ پھر کہنے لگا ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار جو ہاتھ میں ہیں۔ بڑی لمبی زندگی ہے۔ کہاں تک انتظار کروں گا۔ یہ کہہ کر ان کو پھینک دیا اور تلوار لے کر مجمع میں گھس گئے اور اُس وقت تک لڑتے رہے کہ شہادت نصیب ہو گئی۔

کشتار در دل سمجھتے ہیں اس کو ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں اگر ہم میں اس قسم کا جوش اور ایمان ہو تو سب کچھ سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔ موت موت نظر نہیں آتی وہ پُر سرور حیاتِ جاوداں کا دروازہ ہے۔

صلہ شہید کیا ہے — تب وناپ جاودانہ

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہر وقت امت کی بخشش کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے امت کی مغفرت

کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ وصال کے بعد بھی امت کی بخشش کی دعا جاری تھی۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبر انور میں رکھا گیا تو میں نے انہی نے دیدار کی عرض سے چہرہ انور کی زیارت کی۔ فرماتے ہیں۔

إِذَا رَأَيْتُ شَفِيعِيهِ يَتَمَرَّكَ
فَأَذْنِي أَذْنِي
عِنْدَ هَا فَسَمِعْتُ دَ
هُوَ يَقُولُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي

جب میں نے دیکھا تو آپ کے لب ہائے مبارک حرکت کر رہے تھے۔ میں نے اپنے کانوں کو نزدیک کر کے سنا تو آپ فرماتے تھے۔ اے اللہ میری امت کو بخش دے

لَا تُقِي نَاخِبَرْتُمْ بِمَدَا
فَتَعَجَّبُوا بِشَفَقَتِهِ عَلَى أُمَّتِهِ
میں نے یہ بات سب حاضرین کو سنائی تو اس
شفقتِ اُمت پر سب دنگ رہ گئے۔

(ذکر جیل صفحہ ۱۱۰ بحوالہ کنز العمال - مدارج النبوت)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسین مگر بانجھ عورت سے شادی نہ کرو۔ کال
مگر زیادہ بچے جننے والی سے شادی کرو کیونکہ میں قیامت کے دن بوجہ کثرتِ امت فخر کروں گا۔
امت کی کثرت کے ساتھ محبوبِ خدا کی یہ بھی خواہش تھی کہ امت میں شہداء کی بھی کثرت ہو۔

۱- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا
تم کئی لوگوں کو شہید سمجھتے ہو، حاضرین نے عرض کیا جو خدا کی راہ میں مارا جائے ارشاد فرمایا اس طرح
تو میری امت کے شہداء کی تعداد بہت کم رہ جائے گی۔ لوگوں نے عرض کیا پھر شہید کون ہے؟
فرمایا جو خدا کی راہ میں مارا گیا وہ شہید۔ جو خدا کی راہ میں مر گیا وہ شہید۔ جس نے طاعون کی وبا پر صبر
کیا اور طاعون سے مر گیا وہ شہید۔ جو پیٹ کی بیماری میں مرادہ شہید۔ پانی میں ڈوب کر جو مر گیا
وہ شہید۔ (مسلم)

وہ زبان جس کو سب کن کی کنجی کہیں اُس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

۲- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا ممالک کے گرنے سے جو دہ کر جائے وہ شہید۔ (مسلم)

۳- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
ذات الجنب یعنی نمونہ کے مرض میں جو مر گیا وہ بھی شہید۔ آگ میں جل کر مرنے والا بھی شہید۔
جو عورت جاچے (زہنگی) میں مر جائے وہ شہید۔ (ابوداؤد)

۴- حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا جو شخص اپنے مال کی مخالفت میں مارا گیا یہ سب شہید ہیں۔ (ابوداؤد)
مطلب یہ کہ چور کسی کو مار ڈالیں۔ یا دین کی بات پر کوئی قتل کر دیا جائے یا اپنے مال یا جان
یا اہل و عیال کی طرف سے مدافعت کرنے میں مارا جائے۔ یہ سب شہید ہیں۔ احادیث بالا
کے مطابق حسب ذیل اموات والے مسلمان شہداء میں شامل ہیں۔

۱) مجاہد جو طبیعت موت مرا۔ (۲) طاعون کے مرض سے مرنے والا۔ (۳) پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو کر مرنے والا۔ (۴) پھینکنا اسہال وغیرہ، (۴) پانی میں ڈوب کر مرنے والا۔ (۵) مکان یا دیوار کے نیچے دب کر مرنے والا۔ (۶) آگ میں جل کر مرنے والا۔ (۷) جو عورت جا پے یعنی زچگی میں مر جائے۔ (۸) تمویذ کے مرض سے مرنے والا۔ (۹) اپنے مال اور اہل و عیال کی حفاظت میں مرنے والا۔ (۱۰) اللہ کی راہ میں مارا جانے والا۔ ان شہداء کے ساتھ جنت کے معاملات قیامت کے بعد شروع ہوں گے۔ جبکہ شہداء فی سبیل اللہ کے لئے جنت کے معاملات شہادت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتے ہیں۔

شہادت کی فضیلت

جو مسلمان اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا تھا مارا جائے اسے شہید کہتے ہیں۔ شہید کا رتبہ بہت بلند ہے۔ خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی شہید کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ شہادت کے وقت جنت میں وہ اپنی جگہ دیکھ لیتا ہے۔ کلام پاک اور احادیث میں شہادت کے بڑے فضائل اور انعامات بیان فرمائے ہیں شہید کو شہادت کے وقت جو لذت اور سرور آتا ہے جنت کے جو مناظر اس کی نگاہوں سے گزرتے ہیں ان کو دیکھنے کے لئے بار بار اس کے ذہن میں شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کی آرزو کرتا ہے کہ میں دوبارہ دنیا میں جاؤں اور مجھے پھر خدا کی راہ میں شہادت نصیب ہو۔ وہ اللہ کی راہ میں بار بار قتل ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ حدیث شریف ہے۔

شہید بار بار راہ خدا میں قربان ہونے کی تمنا کرتا ہے :-

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنت میں جانے کے بعد کسی کا دوبارہ دنیا میں آنے کو جی نہیں چاہتا مگر شہادت کی لذت ایسی ہے کہ شہید کو جنت میں جا کر پھر یہ خواہش پیدا ہوتی ہے اور شہید اس امر کی درخواست کرتا ہے کہ اس کو دنیا میں بھیجا جائے تاکہ وہ اللہ کے ماتے میں دوبارہ بار بار جگہ دس بار شہید ہو۔

(بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہے کہ یا تو شہادت میں مزا اور لذت ایسی ہے کہ بار بار قربان ہونے کو دل چاہتا ہے۔ اور یا شہداء کی فیصلت کو دیکھ کر یہ خواہش ہوتی ہے کہ یہ عمل بار بار کیا جائے تاکہ اجر زیادہ ملے۔

اللہ جل شانہ شہداء سے بلا حجاب گفتگو فرماتا ہے :-

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد جب شہید ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا اے جابر تجھے معلوم ہے کہ تیرے باپ سے خدا نے کیا باتیں کیں۔ جابر نے کہا مجھے خبر نہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ لوگوں سے حجاب میں گفتگو کرتا ہے۔ مگر تیرے باپ سے بلا حجاب اور بالمشافہات چیت ہوئی جب اللہ رب العزت نے تیرے باپ سے ان کی تمنا دریافت کی تو انہوں نے دوبارہ دنیا میں اگر شہید ہونے کی خواہش ظاہر کی اس پر ان سے کہا گیا کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں کسی کو نہیں بھیجا جاتا تو انہوں نے کہا اچھا جو لوگ دنیا میں ہیں کم از کم ان کو میرے مرتبے سے تو مطلع فریاد بھیجئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(ترمذی)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

يُنْفِئُونَ ۝ (پک۔ آل عمران۔ ۱۶۹) اور ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے۔ مردہ

نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ شہداء سے حق تعالیٰ اہل جنت بلا حجاب خطاب فرماتا ہے۔ اور قیامت

سے پیشتر ہی ان سے اہل جنت کا معاملہ شروع کر دیا جاتا ہے۔

شہید کے قرض کے علاوہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں

شہادت کی برکت سے اللہ تعالیٰ شہید کے تمام گناہ معاف فرمادیتا ہے۔ اس سے کوئی باز پرس اور حساب کتاب نہیں لیا جاتا کہ تمہارا مال کتنا تھا؟ زکوٰۃ دی تھی؟ غریبوں کی مدد کی تھی؟ اللہ کی راہ میں خرچ کیا تھا؟ فلاں برائی کی تھی اور فلاں نیکی یہ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے قرض کے اگر کسی کا قرض اُسے دینا ہو تو وہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک کہ مالک معاف نہ کرے۔ یا وارث ادا نہ کر دیں۔ روایت ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا اگر تو جنگ کی تکلیف پر صبر کرے ثواب کی امید رکھے۔ دشمن کے سامنے سے منہ نہ پھیرے اور پھر مارا جائے تو تیرے گناہوں کا کنارہ ہو جائے گا مگر قرض۔ مجھ سے یہ بات جبرئیل نے کہی ہے۔

شہادت کی تکلیف حیوانی کے کاٹنے کی مثل ہے۔ جانگنی کے

بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ ہم روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں۔ کئی کئی دن سانس اٹکار رہتا ہے۔ پھکی بندھی رہتی ہے۔ بے خزانے کے بعد سانس گرم ہو جاتا ہے۔ دیر دیر کے بعد سانس آتا ہے۔ رگیں اور پٹھے کچھے جاتے ہیں سانس کی شدت کھپاؤٹ سے منہ کھل جاتا ہے۔ چنانچہ جانگنی کی شدت کو دیکھتے ہوئے عزیز واقارب کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھتے ہیں عام طور پر مریض کے پاس سورہ یسین تلاوت کی جاتی ہے۔ تاکہ آخری وقت کی تکلیف آسان ہو۔ اس مشکل لمحہ سے سب کا ہی دل گھبراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مخلوق پر مشکل لمحہ میں آسانی فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

بطاہر شہید، تلوار، نیزہ، پتھر یا کوئی تیز دھار آلہ آجکل گول گریڈ ماٹن پھٹنے، توپ یا بم کا گولہ لگنے سے شہید ہوتا ہے۔ اس سے اسعفاء ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں آدمی فی الفور ختم ہو جاتا ہے۔ کبھی چند منٹ یا گھنٹے کے بعد خون بہنے کی تاب نہ لا کر اللہ کو پیارا ہوتا ہے۔ زخموں کا درد بڑی شدت سے ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ نظر ظاہرین کے لئے ہے حقیقت حال کچھ اور ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شہید فی سبیل اللہ کو شہادت کے وقت صرغ اتنی تکلیف محسوس ہوتی ہے جیسے کسی حیوانی نے کاٹ لیا۔ (ترمذی)

مطلب یہ تھا کہ شہید کو موت کے وقت بہت ہی معمولی تکلیف ہوتی ہے۔

شہداء سبزرپندوں کے قالب میں :- جہاد کی نفیلت کے باب میں

آپ پڑھ چکے ہیں کہ شہید زندہ

ہیں انہیں مردہ نہ کہو۔ لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے۔ ان کو رزق دیا جاتا ہے، ایک تجسس سا انسان کے ذہن میں آتا ہے وہ کس حال میں زندہ ہیں اور کیا کھاتے ہیں۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شہداء کی رُو میں سبزرپندوں کی شکل میں جنت کے پھل کھاتی پھرتی ہیں (ترمذی) یہ شہید کی موجودہ حالت کا اظہار فرمایا۔

شہید بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ تمام مخلوق کا قیامت میں

حساب کتاب ہوگا۔ نیکی بدی کی تول ہوگی۔ ان کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ انسان گناہوں سے انکار کرے گا کہ میں نے نہیں کئے۔ اللہ برے فرشتوں نے غلط لکھا ہے۔ چنانچہ گواہوں کی مزدورت پڑے گی۔ مجرم جب اپنے گناہ سے انکار کرے اقبال جرم نہ کرے تو شریعت کی رو سے اسے سزا نہیں دی جاسکتی اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ لیکن یہ ایک معیار ہے۔ اللہ کا قانون ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسانی کے لئے بنایا ہوا ہے۔ چنانچہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اقبال جرم کرنے سے انکار کر دے گا۔ کہ میں نے نہیں کئے تو گواہ بلائے جائیں گے اب اگر دنیاوی گواہ مراد انسان گواہ بنانے شروع کئے تو پھر معاملہ بڑا طویل ہو جاتا ہے۔

لہذا قادر مطلق نے ہمارے لئے بڑا آسان اور آرام دہ قانونی طریقہ کار طے کیا، اور پھر طاعت کی بات یہ ہے کہ اس میں اپیل کی گنجائش بھی نہیں۔ ہاں البتہ رحم کی اپیل ہو سکتی ہے۔ سفارش کام لے سکتی ہے۔ شاید آپ نے یہ سمجھ لیا کہ وہاں جس اقربا پروری ہوگی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ شافع عشر سائی کو ترصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شفاعت کرنے کا اعزاز عطا ہے۔ وہ شفاعت فرمائیں گے۔ بشرطیکہ ہم اپنے اعمال کی وجہ سے کہیں آمت سے ہی خارج نہ کر دیئے گئے ہوں۔ اولیاء اللہ اور شہداء کو اپنے اپنے مراتب کے اعتبار سے شفاعت کا حق ہے۔ ان کی سفارش اور شفاعت سے بخشش ہوگی۔ حدیث پاک ہے کہ شہید کی ستر شترہ داروں کے حق میں شفاعت قبول ہوگی۔ مکمل حدیث پاک آگے آرہی ہے۔

مکن ہے آپ کو تردد ہو کہ شہداء تو ٹھیک ہیں کہ ان کی شفاعت کا حق ہے کیونکہ یہ اللہ کی راہ میں دشمن کی تلوار کی نذر ہوئے لیکن اولیاء اللہ کا معاملہ کیسے ہوا۔ تو وَلَا تَقْوُ لَوْ لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ وَبَلْ أَحْيَاءٌ وَكَلِمَةٌ لَا تَشْعُرُونَ ۝ اس میں ایک تودہ خوش نصیب آئے ہیں جو اللہ کی راہ میں دشمن کی تلوار سے شہید ہوتے ہیں اور دوسرے وہ حضرات جو اللہ تعالیٰ کی محبت کی تلوار سے شہید ہوتے ہیں جو جہاد نفس کرتے کرتے داخل حق ہوئے۔ یہ اولیاء اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو شہادت کی عظیم نعمت سے نوازا ہے۔

۵۔ یہ نکتہ میں نیکو ہے برائے سے کہ جاں مرقی نہیں مرگ ہوں سے

جہاد نفس جہاد اکبر ہے۔ جہاد کفار جہاد اصغر ہے۔ لہذا جہاد اکبر کا شہید بھی شفاعت کا حق رکھتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ حضرت مجدد العت ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی کا قول ہے کہ اگر قیامت کے وہی ہیں جنت میں جانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو ہم اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ جب تک جہاگیر کو ہمارے ساتھ جنت میں جانے کی اجازت نہ دی جائے گی۔
یہ ادیاء اللہ ہیں لہذا یہ بھی شفاعت فرمائیں گے۔ بلکہ مروی ہے کہ دل اللہ کو ۸۰ قریبی رشتہ داروں کی شفاعت کا حق ہو گا۔ یا اس سے بھی زیادہ۔ ہاں تو بات ہے قیامت کے گواہوں کی کہ وہ کون ہوں گے۔ ملاحظہ ہو۔

قیامت کے گواہ۔

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ
وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ
أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا
يَكْسِبُونَ۔ (یسین ۵۱)

آج کے دن دیوم حساب :۔ مومنہوں پر
مہر لگا دی جائے گی۔ اور ان کے ہاتھ ہم سے
بات کریں گے۔ اور ان کے پاؤں ان کے
کئے کی گواہی دیں گے۔

مہر کا سبب جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ گناہوں کے انکار کی وجہ سے ہو گا کہ ہم مشرک نہ تھے ہم نے رسولوں کو نہیں جھٹلایا یہ گناہ نہیں کئے وغیرہ وغیرہ۔ اب مساظر آسان ہو گیا موقع کے گواہ یا جسے ہم عینی شاہد کہتے ہیں وہ بول رہے ہیں گواہی دے رہے ہیں۔ ہاتھ سب کچھ بتا دیں گے ہم نے چوری کی۔ فراڈ کیا لوگوں پر ظلم کیا غلط فیصلے کئے۔ دوسروں کا مال چھینا رشوت لی۔ وغیرہ وغیرہ رام کہانی سب سامنے ہوگی۔ تصدیق کے لئے ٹانگیں حاضر ہیں۔ بیان دیں گیں۔ مجھ سے چل کر فلاں جگہ گیا۔ مشن پورا کر کے اندھیرے میں جب بھاگے تو اندھیرے کی وجہ سے تاروں میں پھنس گئے۔ دہاں مجھے خراشیں آئیں۔ بیرو پرنٹ دیکھ رہے تھے۔ مجسٹریٹ نے چھاپہ مارا۔ جان بچانے کے لئے بھاگنے کی کوشش کی۔ سڑک پر روشنی فائٹ تھی۔ مائل سٹون نظر نہیں آیا۔ گھٹنا اس سے ٹکرایا زخمی ہوا کئی دن پٹی کی تکلیف سے گزرنا پڑا۔ لہذا اکیس ثابت ہو گیا۔

تمہیں بولنا کس نے سکھایا۔

انسان کے منہ سے مہر پٹائی جائے گی۔

پھر سوال ہو گا اب تو کیا کہتا ہے۔ چنانچہ

انسان پہلے اپنے اعضا کی طرف متوجہ ہو گا اور کہے گا۔ تمہیں بولنا کس نے سکھایا ہے۔ مولانا رومی انسانی اعضا کی گواہی کے متعلق یوں فرماتے ہیں۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ آخر یہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے ابتدا میں گدھے سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ ہاتھ کو غلاطت سے بھر کر منہ کی طرف لے جاتا ہے تاکہ اُسے چاٹ لے۔ ماں اُسے پیٹتی ہے اور منع کرتی ہے۔ گدھے کو ایک قسم کی تمیز ہے جب وہ پیشاب کرتا ہے تو ٹانگوں کو چوڑی کر لیتا ہے تاکہ پیشاب اُن پر نہ ٹپکے۔ اگر خداوند تعالیٰ اس طفل کو آدمی بنا سکتا ہے جو گدھے سے بدتر ہے تو اگر وہ گدھے کو آدمی بنا دیتا تو اس میں کوئی تعجب کی بات ہوئی۔ خدا کے نزدیک کوئی عجیب بات نہیں۔ قیامت میں آدمی کے تمام اعضا ہاتھ پاؤں وغیرہ ایک ایک کر کے جدا جدا ہو لیں گے۔ فلسفی اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ ہاتھ بات کیے کرے گا۔ شاید ہاتھ پر کوئی علامت یا نشانی پیدا ہو جائے جو بات کی بجائے ہو جیسے پھوڑا یا دہنل ہاتھ پر نکل آئے تو کہہ سکتے ہیں کہ ہاتھ بات کرتا ہے۔ وہ خبر دیتا ہے کہ میں نے گرمی کھاٹی ہے کہ میرا ہاتھ ایسا ہو گیا ہے یا ہاتھ زخمی ہو جائے تو سیاہ ہو جائے تو کہیں کہ ہاتھ بات کرتا ہے۔ خبر دیتا ہے کہ مجھے چھری لگی ہے۔ یا میں نے اپنے آپ کو کال دیگ سے ملا ہے۔ ہاتھ اور باقی اعضا کی گنگر کا یہ طریقہ ہو گا۔ سنی کہتے ہیں یہ مسوس دست و پا ضرور بات کریں گے۔ بالکل اس طرح جس طرح زبان بات کرتی ہے۔ قیامت کے دن آدمی انکار کرے گا۔ میں نے چوری نہیں کی ہاتھ فصیح و بلیغ زبان میں کہے گا تو نے چوری کی مال میں نے لیا۔ وہ شخص ہاتھ اور پاؤں کی طرف متوجہ ہو کر کہے گا۔ تم تو بول نہیں سکتے تھے۔ اب کیسے بول رہے ہو وہ جواب دیں گے۔ اَنْطَقْنَا اللّٰهُ الَّذِي اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ۔ ہمیں اُس اللہ نے بولنا سکھایا جس نے ہر شے کو نطق بخشا۔

ہمیں اس نے بات کرائی جو ہر چیز سے بات کرتا ہے اور وہ درود نیوار پتھر اور مٹی کے ڈھیلے تک سے بات کرتا ہے۔ وہ خالق جو سب کو نطق بخشا ہے۔ مجھے بھی اُسی نے قوت گویائی دی ہے۔ زبان تجھے ناطق بناتی ہے۔ تیری زبان گوشت کا ایک ٹکڑا ہے ہاتھ بھی گوشت کا ٹکڑا ہے۔ سخن پارہ گوشت ہے۔ زبان کتنی معقول ہے۔ اس وقت تو جو دیکھا ہے تجھے حال معلوم ہوا۔

مگر خداوند تعالیٰ کے نزدیک گوزبان ایک بہانہ ہے جب اُسے فرمایا کہہ اس نے بات کہہ دی
اللہ جس سے وہ فرماتا ہے اور جسے وہ حکم دیتا ہے وہ بات کتا ہے۔

یہ ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا جو ہماری تمام کاموں میں مدد کرتے تھے تو سب کچھ بتا دیں گے۔
پھر نہ جائے رفتی نہ پائے ماندن۔ آپ نے محاورہ سنا ہوگا گھر کا بھیدی ٹکا ڈھانٹے یہاں بھی
یہی معاملہ ہے۔ نظر تو انسان اللہ تعالیٰ سے بھی نہیں بچا سکتا وہ مسیح بصیر ہے دیکھنے والا
سننے والا ہے البتہ اپنے اعضا ہر وقت ساتھ میں۔ یہی ہر کام میں معاون اور کارندے ہیں۔ اور
یہی قیامت میں (یعنی شاید) موقع کے گواہ ہوں گے۔ لہذا خیراکی میں ہے کہ ان کو ممنوعات
کی طرف بے لگام نہ کیا جائے۔

بات ہو رہی تھی شہید کی۔ چنانچہ جب باقی لوگ اس بے مثال اور حیران کن معاملے سے
درچار ہوں گے نفسا نفسی کا عالم ہوگا ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی۔ اس وقت شہید میدان قیامت
میں حاضر ہوں گے۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا قیامت میں جب اہل عشر حساب کتاب میں مبتلا ہوں گے تو لوگوں کا ایک جم غفیر تلواریں
کندھے پر رکھے ہوئے جنت کے دروازے پر پہنچے گا ان لوگوں کے زخموں سے خون بہتا ہوگا۔
اہل عشر کے دریافت کرنے پر بتایا جائے گا کہ یہ لوگ شہید ہیں اور یہ موت کے بعد زندہ
تھے۔ ان کو رزق دیا جاتا تھا۔ (طبرانی)
ان کو حکم ہوگا تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔

جنت تلواروں کے سائے میں :- آپ نماز میں عام طور پر سنتے ہیں

امام نماز کے بعد دعا مانگتا ہے وہ

اپنی اور مقتدریوں کی خیر دعائیت ایمان پر خاتمہ، منفرت، تمدنی اور دنیاوی فلاح سب کچھ
ہی مانگتے ہیں ایک دعا آپ ہر امام سے مزدور نہیں گئے ”وقنا عند اب القبر“ اسے
خدا ہم کو قبر کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ ہر بربا ابر کو جس طرف سے دشمن کا زیادہ خطرہ ہو اُدھر
زیادہ توجہ دیتا ہے۔ حفاظتی اقدامات سمیت کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اس سے آگاہ ہے۔

آنہ حضرات بھی مذاہبِ تبر سے محفوظ رہنے کے لئے ہمیشہ دعا کرتے رہتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ بڑی سنت منزل ہے۔ اس سلسلے میں کثرت سے روایات اور حدیثیں وارد ہیں بد اعمالیوں اور گناہوں کی وجہ سے مختلف سزاؤں اور مذاہبوں کا سامنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو محفوظ رکھے (آمین) شہداء کرام اس سے بھی محفوظ ہیں ان کو قبر میں کوئی باز پرس نہیں ہوگی کسی گھبراہٹ اور پریشانی کا سامنا نہ ہوگا۔ یہ تلواریں یعنی سامانِ حرب جس میں تمام ہتھیار شامل ہیں جو درہ استعمال کرتے ہیں آڑ بن کر ان سب کے آگے کھڑے ہو جائیں گے۔ مذاہبِ قبراہ گھبراہٹ اور پریشانیوں کا راستہ روک لیں گے ان کے راستے میں حائل ہو جائیں گے اور شہداء آرام سے تشریف فرما رہیں گے۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت راشد بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا یہ کیا بات ہے۔ سب لوگ اپنی اپنی قبروں میں پریشان ہوتے ہیں مگر شہداء کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی فرمایا ان کے لئے تلوار کا سایہ تمام فتنوں سے آڑ بن جاتا ہے۔ (نسائی)

معلوم ہوا کہ شہید سے قبر میں سوال وغیرہ بھی نہیں ہوتے۔

آپ کسی بڑی مجلس میں چلے جائیں آپ کا رنگ پپ

ایک سیاہ فام بد صورت کا واقعہ:-
ان سے ملتا نہ ہو۔ لباس اس معیار کا نہ ہو پاکٹ بڑے نوٹوں سے مھری نہ ہو۔ نئے ڈیزائن کی گاڑی نہ ہو۔ سوٹ کی تراش خراش مارکیٹ میں نووارد فیشن کے مطابق نہ ہو تو آپ احساس کمتری میں مبتلا ہو جائیں گے۔ شاید اس محفل میں میری طرف کوئی توجہ دے یا نہ دے میری پذیرائی ہو یا نہ ہو۔ شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ عزت افزائی تو روپے پیسے اور عہدے کی ہے۔ محض انسانیت کو کون پرھتا ہے۔ شاید آپ جانے سے پہلے ہچکچاتے بھی ہوں۔ ابتدائے اسلام سے پہلے جہالت کا دور دورہ تھا۔ امراء غریبوں کو انسانی تامل سے برابر سمجھنا تو درکنار حقیر اور قابلِ نفرت سمجھتے تھے امراء اور غریبوں کے لئے گناہوں کی سزا کے قانون بھی الگ تھے پوری سوسائٹی پر اس کا رنگ چڑھا ہوا تھا چنانچہ ایک سیاہ فام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور میں بد صورت

یوں جس میں اگر کسی کفار سے لڑیں اور مالا جاؤں تو لے کر جنت کے لیے مسوم ہونا
 چکا اس کا خیال ہے کہ جنت میں ہی شہداء جتنا کثیر ہو جو شہداء اور شہداء کی شہداء
 یعنی شہداء کا شہداء ہے۔

حضرت امام رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک پیام مہم شخص نے حضور اکرم صلی
 اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر وہ لوگوں
 میں سے کسی کو کفار سے لڑیں اور مالا جاؤں تو لے کر جنت کے لیے مسوم ہونا اور اگر وہ
 کچھ سے کیا سزا ہو گی۔ فرمایا تو جنت میں جائے گا۔ یہ مٹا کر وہ دشمنوں کی صف میں جاگھسا
 اور لڑتے لڑتے خیمہ ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماکہ سلم اس کے پاس آئے اور فرمایا اللہ نے
 تجھ کو غلبہ دیا، خوشبو دار اور مالدار کر دیا ہے۔ پھر حاضرین سے فرمایا جو میں سے اس کی
 توجہ کو میں دیکھتا ہوں کہ اس کے کپڑے کڑتے کر کھینچ رہی ہے اور اس کے کپڑے کھینچ رہی
 داخل ہو رہی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں مسائل مشکل و صورت پر نہیں بلکہ عمل و نیت پر ہے۔

اللہ شہداء کی ناپاکی بھی دور فرماتا ہے، شہید کے لئے حکم ہے کہ
 اسے غسل دیا جائے

کفن نہ دیا جائے جن کپڑوں میں وہ لباس ہے وہ اس کا کفن ہے۔ انہی میں اس
 کو پھینک دیا جائے۔ گناہ تو اللہ شہادت کے صدقے معاف فرماتا ہے انسان کے ساتھ
 دنیاوی زندگی کی الائنس میں ہوتی ہے ہو سکتا ہے بدن میں کہیں ناپاکی ہو جو غلطی کا پھینٹ
 پڑ گئی ہو تو صوفی بند کی ہو۔ احتلام ہو گیا ہو۔ غسل واجب ہو۔ نماز جنگ پر غسل کرنے کے ارکان
 محال بات ہے یا کہیں اچانک حکم ملا ہے۔ آپ گھر میں موجود تھے سات کو اچانک حکم لیا گیا
 دقت آنا تو صوفی تھا کہ غسل جنابت نہ کر کے غسل واجب ہے وہ گیا ہے۔ جب تک غسل نہیں
 کیا بدن پاک نہیں اگر ایسی حالت میں کوئی با امر نہیدی چلا جائے اور شہید ہو جائے تو کیا صورت
 ہے۔ اور پھر ایسی بات کا انسان عام طور پر ظہار میں نہیں کرتا شرم محسوس کرتا ہے۔ معاملہ ان
 اور بندے کے درمیان ہوتا ہے۔

چنانچہ اللہ رب العزت اپنے فضل و کرم سے اسے بھی دُرد فرماتا ہے اگر غسل کی ضرورت ہو تو بعد از شہادت غسل کا بندوبست خود فرماتا ہے۔ فرشتے غسل دیتے ہیں۔ واقعہ ملاحظہ فرمادہ اُحد میں حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول سے شریک نہیں تھے مطلب شروع سے لشکر کے ساتھ روانہ نہ ہوئے تھے کہتے ہیں کہ ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی بیوی سے خلوت میں ملے تھے اس کے بعد غسل کی تیاری کر رہے تھے۔ اور غسل کرنے کے لئے بیٹھ گئے سر کو دھو رہے تھے کہ ایک دم مسلمانوں کی شکست کی آواز کان میں پڑی جس کی تاب نہ لا کر اسی حالت میں تلوار ہاتھ میں لی اور لڑائی کے میدان کی طرف بڑھے چلے گئے اور کفار پر حملہ کیا اور برابر بڑھتے چلے گئے کہ اسی حالت میں شہید ہو گئے چونکہ شہید کو بغیر غسل دفن کیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کو بھی اسی طرح دفن کر دیا گیا۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ملائکہ ان کو غسل دے رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے ملائکہ کے غسل دینے کا تذکرہ فرمایا۔ ابوسعید ساعدی کہتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سُن کر حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جا کر دیکھا تو ان کے سر پر غسل کا پانی ٹپک رہا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپسی پر تحقیق فرمایا تو ان کے بغیر نہائے جانے کا قہقہہ معلوم ہوا۔ یہ کمال پہاڑی ہے اور بارگاہِ خداوندی سے کمال اکرام ہے۔ کہ غسل کی ضرورت خود پوری فرمادی۔

شہید کی موت کے ساتھ جنت کے معاملات شروع جاتے ہیں

مرنے کے بعد جنت تک پہنچنے میں کافی طویل مسافت اور وقفہ ہے قیامت نامعلوم کب ہوگی اور اس میں کتنا عرصہ باقی ہے۔ لہذا یہ عرصہ قبر میں گزرتا ہے جس کا حال اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوگا قیامت برپا ہونے کے بعد یوم حساب کا معاملہ پیش آئے گا۔ مخلوق کی بڑی تعداد ہے نامعلوم کتنے انتظار اور وقفوں کے بعد باری آئے گی اور یہ دن بھی بڑا طویل ہے۔ مفسرین نے اس کی مدت دنیاوی پچاس ہزار سال کے برابر لکھی ہے۔ مختصر یہ کہ ایک طویل مدت عالم برزخ اور قیامت کے حساب کتاب کے ضمن میں صرف ہوگی پھر انجام کیا ہوگا۔

موجودہ دُرد میں دنیاوی مال و دولت حاصل کرنے کی ایک بے تماشاد دُڑ ہے۔ ہر جا بڑا دُرد

تاجاز ذرائع سے دولت اور جائیداد بنانے کی فکر دامن گیر ہے ایک سے دوسرا بڑھ کر ہنرمندی کا مظاہرہ کرتا ہے حرام حلال، جائز اور ناجائز کی کوئی تیسر نہیں۔ ہر قسم کی اخلاقی اور مادی برائیاں ہمارا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ قیامت میں جتنا کتاب چکاتے نامعلوم کہہ کر کا پروانہ دے دیا جائے۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے (آمین ثم آمین، اگر کسی پہل شفٹ میں آگئے تو جلدی مسائل نیٹ جانے گا۔ جدھر کا معاملہ ہو۔ لیکن جو حضرات کی باری آخری شفٹ میں ہوں گا ان لمبا انتظار ہے۔ اور پھر انجام کا بھی علم نہیں کیا ہو۔ لہذا مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا کام کر لیا جائے جس سے مشکل سے نجات دلا سکے۔ اور یہ سعادت صرف شہداء کو نصیب ہے۔ موت کے بعد حساب کتاب کے دھندے سے خلاصی ہو جاتی ہے۔ قیامت میں گھبراہٹ کا سامنا نہیں ہوگا۔ بلکہ موت کے ساتھ ہی جنت کا معاملے شروع ہو جاتے ہیں۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شہادت کا ذکر آیا تو فرمایا شہید کا خون زمین پر خشک ہونے نہیں پاتا۔ کہ اس کی حور عین میں سے دو بیویاں شروع جڑے لے کر اس کی طرف دوڑتی ہوئی آتی ہیں ایک ایک جوڑے کی قیمت دنیا کی تمام دولت سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ (ابن ماجہ۔ بطور)

اس سے مراد یہ ہے کہ شہداء کو قیامت کا انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ بلکہ شہادت کے ساتھ ہی جنت کے معاملات شروع ہو جاتے ہیں۔ شہید کو نیا کفن پہنانے کا حکم نہیں۔ شاید اسی لئے کہ اسے جنت کا لباس پہنا دیا جاتا ہے۔ لہذا دنیاوی لباس کی ضرورت نہیں۔

شہداء کے چھ انعام :- میدان میں اترنا دینی ہو یا دنیاوی یہ آسان کام نہیں۔ جہاد نفس ہو یا جہاد کفار دونوں ہی اپنی اپنی جگہ مشکل ترین مقام ہیں۔ ان گنت امدان ہونی مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کھرے کھوٹے کی تیز کے لئے اللہ تعالیٰ آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے۔ یہ اس کا وعدہ ہے کہ جنت میں داخل کرنے سے پہلے ابدی نعمتیں عطا کرنے سے پہلے آزماؤں گا۔ کس کا دعویٰ سچا ہے اور کس کا جھوٹا کون ثابت قدم رہتا ہے۔ اور کون بھاگ جاتا ہے۔ تو جب انسان اس امتحان کے ابن کٹھن مراحل کو کامیابی سے عبور کر جاتا ہے

تن من دھن کی ہازی لگاتا ہوا بارگاہِ ایزدی میں پہنچتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے نوازتا ہے طر
بڑی مشکل سے ہوتا ہے ہمیں میں دیدہ در پیدا

حدیث پاک ہے۔

حضرت مقدم بہ سعدیکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا شہداء کو چھ فضیلتیں حاصل ہیں۔

۱۔ خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اس کو بخش دیا جاتا ہے۔

۲۔ شہادت کے وقت اپنی جگہ جنت میں دیکھ لیتا ہے۔

۳۔ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔

۴۔ قیامت کی پریشانیوں اور گھبراہٹ سے مامون رہتا ہے۔

۵۔ اس کے سر پر تاج رکھا جاتا ہے۔ جس کا ایک یا قوت تمام دنیا کی دولت سے قیمتی ہے۔

۶۔ نثر رشتہ داروں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ (ترمذی)

ہمیں میں جب خزاں آتی ہے تو درخت ٹنڈ ٹنڈ ہو جاتے ہیں۔ فضا سونی سونی لگتی ہے۔
بے رونق ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر خزاں نہ آئے تو بہار بھی نہیں آسکتی۔ پرانے پتے گرنے سے ہی نئے نکلنے
ہیں۔ مجاہد کو جب اللہ تعالیٰ اپنی قبولیت سے بخشا ہے تو اس کی دنیاوی زندگی کے ہمیں میں خزاں برپا
کرتا ہے۔ اسے اپنی راہ میں شہادت عطا فرماتا ہے۔ اس کے گناہ معاف کرتا ہے پھر کونسلیں نکلتی ہیں۔
اور مجاہد کی زندگی کا چمن ہمیشہ ہمیشہ کی بیمار میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھل طے شروع ہو جاتے
ہیں۔ عذاب قبر اور قبر میں منکر نکیر فرشتوں کے سوال جواب سے نجات مل جاتی ہے۔ کون ہو۔ تمہارا رب
کون تمہارا دیدہ کیا ہے۔ یہ سامنے والی مبارک ہستی کون ہے۔ سب سوالات ختم ہو جاتے ہیں۔

اس جینے سے ہے مرنا گوارا مجھ کو !

کہتے ہیں لمحہ میں حضرت کی تصویر دکھائی جاتی ہے

اگلا میدان قیامت ہے وہاں بھی کرم ہوگا بغیر حساب کتاب کے جنت کا پروانہ مل جائے
گا۔ فضیلت کا تاج سر پر رکھا جائے گا۔ اور پھر کرم ہوگا جنت میں اکیلے رہو بلکہ اجازت ہے اپنے
عزیز و اقارب میں سے، افراد جو لینے چاہوں ان کے لئے تمہاری شفاعت قبول ہے۔ ان کی بخشش

تقویٰ

تقویٰ کے معنی تقویٰ کا مادہ و قیٹی ہے اس کے معنی ڈرنا، بچنا، بچانا، پرہیز کرنا، حفاظت کرنا، نگرانی کرنا اور کسی امر کو درست کرنا ہے۔ یہ وہ مختلف معانی ہیں جو تقویٰ سے مراد لے جاسکتے ہیں۔ تقویٰ کے لفظی معنی مطلق ڈرنے کے ہیں۔ مراد اس سے نفس کو خوف کی چیز سے بچانا ہے۔

شرعی اصطلاح شرعی لحاظ سے اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنی جائز حدود کے اندر رہ کر عمل کرنا، ہر بات سے بچنا، نیکی اختیار کرنا، احتیاط و نگہداشت سے زندگی بسر کرنا، نفس کو ممنوعات چھوڑ کر گناہ سے بچانا ہے۔ تقویٰ کے بالمقابل کلام پاک میں لفظ "حدوان" آیا ہے۔ اس کے معنی حد سے بڑھنا، کسی پر دست درازی کرنا، یا کسی کا حق غصب کرنا ہے۔ اس لحاظ سے تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔ یعنی آدمی اپنی زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبہ میں کام کرتے ہوئے یہ پیش نظر رکھے کہ اُسے اپنے انکار (خیالات، اقوال و افعال) کا خدا کو حساب دینا ہے۔ ہر اس کام سے بچے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور ہر اس عمل پر پابندی کے لئے کمر بستہ ہو جائے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ پوری احتیاط کے ساتھ حلال و حرام، صحیح و غلط اور خیر و شر کے درمیان تمیز کر کے عمل کرے۔

تقویٰ کا مفہوم حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک صحابی سے دریافت فرمایا: تقویٰ سے کیا مراد ہے۔ صحابی نے جواب دیا آپ خود ہی فرمادیں گے آپ نے فرمایا اگر تمہیں کسی خاردار جنگل یا راستہ سے گزرنا پڑے تو کس طرح گزرو گے؟ صحابی نے عرض کیا، کپڑوں اور دامن کو سمیٹ کر احتیاط کے ساتھ قدم رکھتے ہوئے گزر جاؤں گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا بس یہی تقویٰ ہے۔ یعنی

اس دنیا میں انسان کی زندگی ایک خاردار جنگل کی مانند ہے، جس میں قدم قدم پر جھاڑیوں کے کانٹے اس کے دامن سے الجھنے اور اُسے آلودہ کرنے کے لئے تیار ہیں جو شخص احتیاط کے ساتھ ان میں سے صحیح و سالم گزر جائے وہ متقی اور پرہیزگار ہے اور اس کا یہ فعل تقویٰ ہے۔
مختصراً یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو احتیاط سے بجالانے کا نام تقویٰ ہے اور وہ شخص جو اس دنیا میں مختلف قسم کے برائیوں اور گناہوں سے اپنے آپ کو بچا کر صحیح راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اور دین و دنیا کے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی مد نظر رکھتا ہے۔ وہ متقی اور پرہیزگار کہلاتا ہے۔ تقویٰ یعنی اللہ کا ڈر پہلی چیز ہے۔ جو ایمان کی جڑ ہے اور عملی زندگی کا کوئی قدم اس کے بغیر راہِ راست پر نہیں اٹھ سکتا۔

تقویٰ کے مراتب تقویٰ کے مختلف مراتب ہیں ترجمہ کلامِ پاک اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی شاہ محمد احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی شرح حاشیہ میں مولانا ستید محمد نعیم الدین ہدی المتقین کی تشریح میں تقویٰ کے حسب ذیل تین مراتب بیان کئے گئے ہیں۔
۱۔ عوام الناس :- عوام کا تقویٰ ایمان لا کر کفر سے بچنا۔
۲۔ متوسط لوگ :- اہل و عیال کی اطاعت کرنا۔
۳۔ خواص :- خواص کا تقویٰ ہر ایسی چیز کو چھوڑنا جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرے۔

تقویٰ کی قسمیں

- ۱۔ کفر سے بچنا۔
- ۲۔ بد مذہبی سے بچنا۔
- ۳۔ ہر کبیرہ گناہ سے بچنا۔
- ۴۔ صغائر (چھوٹے گناہوں) سے بچنا۔
- ۵۔ شبہات سے احتراز کرنا۔
- ۶۔ شہوات سے بچنا۔
- ۷۔ غیر کی طرف التفات سے بچنا۔

قرآنِ عظیم ان ساتوں مرتبوں کا ہادی ہے۔ ہر کوئی بقدر ہمت و استطاعت اس سے نفع پاتا ہے۔

قرآنِ کریم متعین کے لئے ہدایت ہے۔ قرآنِ کریم اگرچہ ہدایت ہے۔ ہر شخص کے لئے، عوام الناس کے لئے، جیسا کہ وارد ہے۔

تھدی للناس "لیکن چونکہ اس سے نفع حاصل کرنے کی توفیق اہل تقویٰ کو ہی ہوتی ہے، اس لئے ارشاد ہے: "هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" اس میں ہدایت ہے ڈرنے والوں کو (اعلیٰ حضرت بریلویؒ) (پ۔ بقرو۔ ع)

قرآنِ کریم فرقانِ المجید تمام نوعِ انسانی کے لئے ہدایت اور نجات کا سرچشمہ ہے لیکن یہ جو ارشاد ہے۔ ہدایت ہے واسطے ڈرنے والوں کے۔ اس کی مثال یوں ہے۔

جب بارش برتی ہے تو وہ ہر جگہ برتی ہے، ذرخیز زمین، بنجر زمین، جنگل صحرا، ریت، وادیاں اور آبادیاں غرضیکہ وہ کسی جگہ کو نہیں چھوڑتی بلکہ اس سے محروم نہیں رہتی، بارش سے سبزہ آگتا ہے۔ فصلیں اور جڑی بوٹیاں اگتی ہیں ہم سب دیکھتے ہیں کہ باوجود بارش کی ہر جگہ یکسانیت کے سبزہ ہر جگہ نہیں آگتا۔ بنجر زمین اور صحرا میں سبزہ نہیں آگتا اگرچہ بارش یہاں بھی ہوتی ہے سبب یہ نہیں کہ وہاں بارش نہیں ہوتی بلکہ یہ ہے کہ زمین کا وہ حصہ بارش سے نفع اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس طرح سطح زمین۔ بظاہر قدرت کے انواع و اقسام کی جڑی بوٹیاں اور ان کے پھولوں سے مرصع سبز مائل کا لباس اور صحنے سے محروم رہتی ہے دیکھنے والوں کی آنکھوں کو ناخوشگوار تاثر دیتی ہے۔ یہی حال نوعِ بشر کا ہے قرآنِ کریم سے وہی ہدایت پلتے ہیں۔ حقیقی فیض وہی حاصل کرتے ہیں جو متقی اور پرمہیزگار ہیں اور وہی اللہ کے ہاں برگزیدہ ہیں۔

تقویٰ کے فوائد مولف تفسیرِ نعیمی آیت ہدی للمتقین کے تحت لکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ نہایت ضروری چیز ہے، قرآنِ کریم میں فرمایا: "إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ" تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ پرمہیزگار ہے۔ ایک جگہ فرمایا ہے: "إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا۔"

یعنی اللہ پر ہمیزگاریوں کے ساتھ ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا۔ خدا تعالیٰ اسے ہر مصیبت سے چھٹکارا عطا فرمائے گا اور اس طرح اس کو رزق دے گا کہ جو اس کے خیال میں بھی نہ آئے اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اور ہمیزگاری دین و دنیا میں کام آنے والی چیزیں ہیں۔ تفسیر کبیر نے سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ لوگوں میں اس کی عزت ہو۔ وہ اللہ سے ڈرے اور ہمیزگاری اختیار کرے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بولستان میں فرمایا ہے

تو ہم گردن از حکم وادریچ کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو پیچ

یعنی تو حق تعالیٰ کے حکم سے منہ نہ موڑ تو تیرے حکم سے کوئی چیز بھی سر نہ پھیرے گی بعض اولیاء اللہ کو دیکھا گیا کہ جانور اور کنگر وغیرہ بھی ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ اللہ کے سچے فرمانبردار ہیں۔

تقویٰ کی مختلف علامتیں مختلف حضرت سے منقول ہیں جو تفسیر عزیزی

تقویٰ کی علامتیں

وغیرہ میں نقل ہیں۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت ہے کہ مستقی کی پہچان یہ ہے کہ وہ گناہ پر قائم نہ رہے۔ اور اپنی عبادت پر عزم نہ کرے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مستقی وہ ہے کہ اللہ کے مقابلے میں غیر اللہ کو اختیار نہ کرے۔ اور ساری چیزیں اللہ کے قبضے میں جانے۔ ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں۔ تقویٰ یہ ہے کہ خلق تیری زبان میں اور ملائکہ تیرے کاموں میں اور پروردگار تیرے دل میں عیب نہ پاتے حضرت واقدیؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ اس طرح ہے کہ جس طرح تو اپنے بدن کو خلقت کے لئے باہر وغیرہ سے آراستہ کرتا ہے۔ ایسے ہی اپنے دن کو حق تعالیٰ کے لئے آراستہ کرے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مستقی وہ جو شبہ کی چیزوں سے بچے۔ جیسے ابن سیرین رضی

اللہ عنہ کے پاس چالیس گھڑے گھی تھا۔ غلام نے خبر دی کہ ایک گھڑے سے مراہو چوہا نکل آیا ہے۔ پوچھا کون سے گھڑے سے عرض کیا کہ یہ مجھے یاد نہ رہا۔ فرمایا سب گھڑوں کا گھی پھینک دو چونکہ سب میں شبہ پیدا ہو گیا۔

حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ اپنے کسی مقروض کے مکان پر قرض کے تقاضے کے لئے گئے سخت دھوپ تھی اور تیز گرمی لیکن اس کی دیوار کے سائے میں کھڑے نہ ہوئے بلکہ دھوپ میں کھڑے رہے کسی نے عرض کیا کہ اے امام دھوپ تیز ہے۔ سائے میں آجلیے فرمایا میں خون کرتا ہوں کہ یہ سایہ لینا سودنہ بن جائے (روح البیان)

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ سستی وہ ہے کہ جو اپنے یوم میثاق کے وعدے کو پورا کرے۔ جس کے متعلق قرآن پاک فرماتا ہے۔ **أَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِذْ كُنْتُمْ**۔ تم میرا وعدہ پورا کرو۔ میں تمہارا وعدہ پورا کروں گا اور اس کی علامت یہ ہے کہ جبار صابر نعمتوں پر شاکر قضا سے راضی اور قرآن پاک کے سامنے جھکا ہوا رہے۔

مقام قبا میں خطبہ رسالت (تقویٰ) سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو پہلا

خطبہ تھا۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں تقویٰ کی تلقین و ہدایت کرتا ہوں، کیونکہ ایک مسلمان جو دوسرے مسلمان کو بہترین ہدایت کر سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اسے آخرت کے لئے آمادہ کرے اور تقویٰ کا حکم دے۔

فتح مکہ کے بعد آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

کسی عربی کو کسی عجمی پر کو فضیلت نہیں۔ اور نہ کسی عجمی کو عربی پر نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر ماسوائے تقویٰ کے اور نسبی بنیادوں پر کوئی فضیلت نہیں۔

ایک اور خطبہ مبارک میں تقویٰ کی فصیح دعوت ارشاد فرمائی۔

دعوت تقویٰ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حمد مخصوص ہے اللہ کے ساتھ میں اسی کی مدح کرتا ہوں۔ اور اسی سے طالب ہدایت و مغفرت ہوں۔ اسی پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کے کسی حکم سے انکار نہیں کر سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ جس کو اس نے ہدایت و نور کے ساتھ لیے در میں بھیجا جب انبیاء کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا علم نابود ہو رہا تھا۔ لوگ گمراہ تھے۔ زمانہ درہم زہم تھا ہر طرف قیامت برپا تھی اور موت کا

فرشتہ سر پر منڈلا رہا تھا۔ پس جس نے خدا کے بھیجے ہوئے رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی، اور جس نے اس کی نافرمانی کی وہ ضلالت و گمراہی کے غلہ میں گر پڑا، میں تم کو پرہیزگار بننے کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کو اس سے بہتر وصیت نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ زاوِ راہِ آخرت مہیا کرنے کی تلقین کرے اور خدا سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کرے۔ خدا سے ڈرو جیسا کہ خود اس نے اپنی ذات سے تم کو ڈرنے کا حکم دیا۔

یاد رکھو کہ جو خوفِ خدا کی وجہ سے تقویٰ اختیار کرے گا۔ وہی آخری نعمتیں نامہ حاصل کر سکے گا۔ اور جو اپنا معاملہ خلوص کے ساتھ خدا سے استوار کرے گا۔ وہی دنیا میں نیک نام اور آخرت کے دن کھٹن مرحلوں میں فائز المرام ہوگا۔ جب کہ ہر شخص کو اپنے اعمالِ حسنہ کی سخت ضرورت ہوگی۔ اور برے اعمال سے سخت نفرت ہوگی۔ جب وہ اپنے سیاہ اعمال کو دیکھے گا۔ تو ان کی ہولناکیوں کو دیکھ کر کہے گا کاش یہ اعمال مجھ سے بہت دور کے فاصلے پر ہوتے۔ اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔ اور وہ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے۔

تم ہے اس ذات کی جس کی بات سچی اور وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے کہ یہ بات اٹل ہے۔ کیوں کہ خود اس کا ارشاد ہے کہ میرے مال بات نہیں بدلی جاتی۔ اور نہ میں بندوں پر ظلم کرتا ہوں۔ پس تم اپنے دینی اور دنیاوی امور میں ظاہر و باطن میں اللہ کی برہمی سے ڈرو۔ کیونکہ جو خدا کے غصے سے ڈرتا ہے۔ اللہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اور اس کو بڑھا کر اجر دیتا ہے۔ اور جس نے خدا سے خوف کیا وہ پورا پورا کامیاب ہوا۔ اور یاد رکھو کہ تقویٰ انسان کو اللہ کی برہمی، عتاب، ناراضگی سے بچاتا ہے۔ پرہیزگاری چہرہ کو روشن، اللہ کو خوش اور مرتبہ کو بلند کرتی ہے۔ احکامِ خدا پر عمل کرو۔ اپنا مقصود حاصل کرو۔ اور اس کی اطاعت میں کوتاہی نہ کرو۔ اللہ تم کو کتاب کی تعلیم دے چکا ہے۔ اور تم پر راہِ حق واضح کر چکا ہے۔ اب وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم میں جھوٹا کون ہے اور سچا کون ہے۔

لوگو! دوسروں پر تم احسان کیا کرو۔ جس طرح اس (اللہ) نے تم پر احسان کیا۔ اس کے دشمنوں سے نفرت کرو۔ اور اس کی راہ میں اچھی طرح جہاد کرو۔ اس نے تم کو منتخب کیا اور مسلمان بنایا۔ اب ہلاکت ہوگی تو وہ بھی دلیل کے ساتھ اور زندگی ہوگی تو وہ بھی دلیل کے ساتھ اور خدا

کے سوا کوئی قوی نہیں۔ اللہ کا ذکر بہت کیا کرو۔ اور آنے والے دن کے لئے اعمال کا ذخیرہ کرو۔ اور جس نے خدا کے دامن سے اپنے آپ کو وابستہ کیا اور اپنا معاملہ صاف رکھا۔ تو اللہ ہر معاملہ میں اس کی دستگیری کرے گا۔ خدا جو چاہے فیصلہ کرے۔ لوگ اس کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتے۔ وہ سب کا مالک ہے۔ کسی کا زرخیز نہیں۔ وہ سب سے بڑا ہے اور ہر قسم کی طاقت و قوت کا تاجدار ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا حضور مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ ارشاد فرمایا تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ تمام نیکیوں کا ستارچ ہے۔ انہوں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے فرمایا قرآن کی تلاوت کیا کرو۔ یہ تلاوت زمین پر تیرے لئے نور ہے۔ اور آسمان میں تیرا ذخیرہ ہے۔ (ابن خان)

اللہ سے ڈرو جیسا کہ حق ہے
اللہ تعالیٰ نے انسان کی بہتری کے لئے اسے احکام خداوندی کی پابندی کا حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔ مراد امر بالمعروف میں پوری سعی اور نہی عن المنکر سے مکمل احتراز ہے۔ ہر حال میں اعمال کی جزا و سزا ان کے سامنے ہو اور شاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
حَقَّ تَقَاتِهِ (پہ۔ آل عمران ۲)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

اس کی وضاحت درج ذیل حدیث پاک سے ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ان امور کو ترک کر دے جو شک میں ڈالیں اور وہ امور اختیار کرے جو شک میں نہ ڈالیں۔ (ترمذی مشکوٰۃ)

اعلیٰ منزلت کا انسان
رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :
اور میں تم کو ایک خاص بات بتاتا ہوں۔ اس کو غور سے سُنو اور یاد رکھو کہ انسان کی چار قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کو خدا نے مال دیا اور علم بھی اور اس نے تقویٰ کو اپنا شعار اور صلہ رحم کو اپنا وظیرہ بنایا اور خدا کا حق پہچاننا یہ سب سے اعلیٰ منزلت کا انسان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ
بے شک اللہ کے ہاں بزرگ تر وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔

ارشاد نبوی ہے،

اَكْرَمُ النَّاسِ اَتَقْوَىٰ جوسب سے زیادہ متقی ہے۔ وہ سب سے بڑا آدمی ہے۔
اللہ رب العزت کی بارگاہ میں بزرگی کی عطا کا زینہ تقویٰ ہے۔ جو اس میں جستجو رہنمائی ہوگا
اتنا ہی اللہ کے ہاں مقبول ہوگا۔ رحمت و دعا عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلے میں فرمائی
تاکید فرمائی ہے۔

اور ارشاد فرمایا! سب سے بڑا متقی وہ ہے۔ جو اظہارِ حق میں سو دریاں کی فکر نہ کرے۔
انسان کو تقویٰ کی راہ سے ڈگانے کے لئے دنیا کی رنگ رلیاں
شیطان کا حسین جال مختلف انداز میں سامنے آتی ہیں۔ شیطان مختلف قسم کے دھوکے
دل میں ڈال دیتا ہے۔ ہر منہ مندا اپنے پاس ایک اچھوتا اور کارگر دائرہ رکھتا ہے تاکہ حریف کو بچانے
کے لئے بوقتِ ضرورت استعمال کر سکے، مد مقابل مگر عام آدمی ہو تو اس کے لئے عام دائرہ بیچ
لگانے جاتے ہیں۔ پھر مد مقابل کے کمزور پہلو کو دیکھا جاتا ہے۔ اور اس پر وار کیا جاتا ہے۔
لہذا متقی لوگوں کو پھسانے کے لئے شیطان نے ایک خاص ہتھیار بنا رکھا ہے، جسے وہ متقی لوگوں
کو پھسانے کے لئے بالخصوص استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ فرمانِ رسول ہے۔
دنیا سے ڈرو، عورتوں سے بچو، متقی لوگوں کو پھسانے کے لئے شیطان کے پاس محدودوں
سے بہتر کوئی اور مضبوط اور خوبصورت چال نہیں۔

تقویٰ گناہوں کی سپر ہے ڈھال تو ار کے دار کو روک دیتی ہے گولی سے بچنے کے لئے
سپاہی سپر پہ لوہے کی خود استعمال کرتا ہے۔ بکر کے ذریعے
بچاؤ اختیار کرتا ہے۔ بموں سے بچنے کے لئے شیل پروف (SHELL PROOF) بکر بنائے
جاتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو زخمی یا ہلاک ہونے سے کافی حد تک محفوظ کر لیتا ہے
اسی طرح گناہوں سے بچنے کے لئے تقویٰ ڈھال کا کام دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت اور قیامت
میں مواخذہ کا خوف اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ اللہ کے اس ڈر سے انسان گناہ یا
برائی سے باز رہتا ہے۔ محرومی، تکلیف اور مصائب کو اللہ تعالیٰ کی نعمت جان کر کسی غلط طریقے
سے ان کے اتلے سے باز رہتا ہے۔ اس طرح تقویٰ سپر (ڈھال) کی طرح گناہ کے وار کو
روک دیتا ہے۔

فوائد سے اجتناب

آپ پڑھ چکے ہیں مجاہد فی سبیل اللہ اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہر دعا قبول فرماتا ہے۔ اس کا جہاد کے لئے نکلنے سے لیکر واپسی تک پورا وقت عبادت الہی میں شمار کیا جاتا ہے۔ رات کو پہرے کے لئے جاگنا ملنے (ایریا) کی دیکھ بھال یہ سب ہی اعمال انتہائی بلند مقام اور درجہ رکھتے ہیں اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کا مہمان ہونے کا شرف حاصل ہے۔

انسان میں کچھ فطری کمزوریاں پائی جاتی ہیں اور کچھ بشری تعلقے ہیں انسانی سطح پر ہم میں سے کوئی بھی مبرا نہیں۔ البتہ ہر شخص کا دینی اور دنیاوی لحاظ سے اپنا اپنا مقام ہے۔ ہر انسان کو اپنی حیثیت اور مقام کا احساس ہوتا ہے وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو اس کی شان کے خلاف ہو۔ جو معاشرے میں اس کا وقار ختم کر دے۔ اس کی شخصیت اور کردار کو داغ لگے۔ وہ لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ جہاد میں اللہ کی رہنما کے علاوہ محض ثواب کی نیت کر لیں تو وہ بھی اللہ کو منظور نہیں۔ جس مشن کا یہ مقام ہو جس کے لئے اتنی کڑی شرط ہو وہاں یہ بھی لازمی ہے کہ مجاہد کے قول و فعل نہایت پاکیزہ ہوں۔ اللہ کے مہمان اور صاف حمیدہ سے متصف ہوں۔ میزبان کو ان کے بدن پر کوئی داغ نظر نہ آئے۔ آئینہ قلب بے داغ ہو۔ گناہ اور برائی کوئی بھی قابل برداشت نہیں چھوٹی ہو یا بڑی سب سے بچنا لازمی ہے۔ البتہ بعض برائیاں ایسی ہیں جو انسان کو انسانیت سے خارج کر دیتی ہیں اور مسلمان کے ایمان کو ناقص کر دیتی ہیں جو اس حد میں داخل ہو جائے وہ کیا مجاہد ہو؟ اس کا جہاد کیسا اور انجام کیا۔ معامد کہیں سے کہیں چلا جاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْأَسْرُودَ الْبَغْيَ يُعَيِّرُ الْمَحْتَبَ .
 تم فرماؤ میرے رب نے بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں جہاں میں کھلی ہیں اور چھپی ہیں
 اور گناہ اور ناحق زیادتی انسان نفسانی خواہشات کا شکار ہے یہ بشری اور فطری تقاضا ہے۔ مجاہدانہ
 زندگی میں انسان کو بارہا طویل عرصے تک گھر سے دور رہنا پڑتا ہے ایک قسم کی دوری محسوس ہوتی ہے
 اس خیال سے شیطانی وسوسے اسے زیادہ شدید اور ناقابل برداشت بنانے کی کوشش کرتے
 ہیں۔ بعید نہیں کہ یہ کسی برائی کی طرف مائل کر لیں۔ کہیں اس کے مواقع بھی ہو سکتے ہیں۔ آپ
 مجاہد کی مجاہدانہ شان سے آگاہ ہیں مناسب مظلوم ہوتا ہے کہ بعض بڑے اور کبیرہ گناہوں سے جن
 کے کم و بیش امکانات ہوتے ہیں مجاہدان سے آگاہ ہوں۔ ان سے بچنے کی کوشش کریں۔ اللہ
 توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

مادی زندگی میں حالات اور موسموں کے تغیر و تبدل سے ہر مخلوق متاثر ہوتی
جرائم کا اثر ہے۔ گرمی سردی کا اثر ہوتا ہے۔ ان کے اچھے اور بُرے دونوں نتائج ہوتے
 اسی طرح جرائم اور برائیوں کا بھی انسان کی روحانی زندگی پر اثر ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ان ہی معانی کی نشان دہی کرتی ہے کہ زانی از کتاب زنا کے وقت
 مومن نہیں رہتا۔ چور چوری کے وقت مومن نہیں رہتا۔ شرابی مشراب پیتے وقت ایمان
 پر قائم نہیں رہتا۔ (بخاری و مسلم)

گویا زنا، لواطت، چوری اور شراب نوشی جیسے گناہ کبیرہ کرتے وقت مسلمان ایمان
 سے متصف نہیں رہتا۔ اگر وہ خلوص نیت سے توبہ کرے تو ایمان کی جانب لوٹ آتا ہے
 چنانچہ ہمیں تمام کبیرہ گناہوں بالخصوص، زنا، لواطت، شراب نوشی، چوری، جھوٹ، غیبت
 اور اسی قسم کی دوسری برائیوں سے بچنا چاہیے ان کے متعلق شرعی احکام سے آگاہ ہونا

۱۔ از کتاب کبار سے نفس ایمان خارج نہیں ہوتا بلکہ نور ایمان نکل جاتا ہے۔ حدیث میں
 اسی کو خروج ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جمہور اہلسنت کے نزدیک۔ حدیث پاک کا یہ مفہوم ہے۔
 (ملفوظات مولانا غلامی)

لازی ہے۔ جس قوم میں برائیاں عام ہو جائیں وہ مصائب میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

جس قوم میں فحاشی اور بے حیائی پھیل جاتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب

عام کر دیئے جاتے ہیں۔

زنا بھیمانی اور برار راستہ ہے

اپنی منکوحہ عورت کے علاوہ کسی بھی عورت سے مباشرت کرنا زنا کہلاتا ہے۔ کلام پاک

میں ارشاد ہے۔

لَا تَقْرُبُوا الزَّوْجَاتِ اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً ط

زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بھیمانی
وَسَاءَ مَبِيْلًا ه (پ: بنی اسرائیل: ۷۰) کی بات اور بہت برار راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت اور رہنمائی کے لئے واضح حکم فرما دیا۔ یہ بے حیائی اور

برائی کا راستہ ہے۔ فتنہ و فساد کا باعث ہے۔ آئے دن اس سے قتل کی واردات ہوتی رہتی

ہیں۔ جس سے طویل دشمنی کا آغاز ہوتا ہے۔ قتل و قتل کا سلسلہ چل نکلتا ہے، حرامی اولاد کا

باعث بنتا ہے۔ اسلام میں زانی کی بڑی سخت سزا ہے، کنوارے، شادی شدہ، زنا با الرضا

اور زنا بالجبر کی مختلف سزائیں ہیں۔ کلام پاک میں اس کی سزائیوں بیان فرمائی۔

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي تَأْجِلِدُ وَاكُلُّ وَاوَجِدُ
جود کار عورت ہو اور جو بدکار مرد ہو۔ تو ان

مِنْ حَصَا مِائَةِ جَلْدَةٍ دَلَا تَأْخُذُكُمْ
میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔

اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے۔ اللہ کے دین

میں اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ اور یوم آخرت

پر۔ چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں

کا ایک گروہ حاضر ہو۔ (سورہ نور: ۲۰)

زانی مرد اور عورت کے لئے سو سو کوڑے کی سزا مقرر فرمائی۔ یہ کنوارے مراد کنواری

عورت کے لئے ہے۔ شادی شدہ مرد اور عورت کے لئے سنگسار ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ یہ بھی حکم دیتا ہے۔ کہ اگر تم مسلمان ہو اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں ان پر مدد جاری کرنے اور سزا دینے میں ترس نہیں آنا چاہیے۔ اور مزید حکم دیا کہ ان کی تشہیر کرو۔ ان کو سرعام سزا دو۔ مسلمانوں کی ایک جماعت سزا کے وقت موجود ہو۔ تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اس بے حیائی اور بُرائی کا خاتمہ ہو اس ضمن میں کثرت سے احادیث موجود ہیں۔

عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ سے (زانی اور زانیہ) کی بابت حکم حاصل کر لو۔ ہاں۔ مجھ سے ان کی بابت حکم لے لو۔ خداوند تعالیٰ نے عورتوں کے لئے ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ کنواری عورت اگر کنوارے مرد سے زنا کرے تو اس کے ۱۰۰ درے لگائے جائیں۔ اور ایک سال کے لئے جلا وطن کیا جائے۔ شادی شدہ مرد اگر شادی شدہ عورت سے زنا کرے تو ۱۰۰ کوڑے مارے جائیں۔ اور سنگسار کیا جائے۔ دونوں کو (مسلم)

داکل بن حجر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک زنا بالجبر کی سزا عورت نماز کے ارادے سے باہر نکلی۔ ایک مرد نے اس کو پکڑ لیا۔ اور اس پر کپڑا ڈال کر اس سے اپنی حاجت پوری کر لی (یعنی اس کے ساتھ زنا کیا) وہ عورت چلائی اور مرد اس کو چھوڑ کر چلا گیا۔ مہاجرین کی ایک جماعت اس عورت کے قریب سے گزری۔ اس عورت نے ان سے کہا کہ فلاں شخص نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا ہے۔ انہوں نے اس مرد کو پکڑ لیا۔ اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آپ نے عورت سے فرمایا کہ توجا۔ خدا نے تجھ کو بخش دیا۔ اس لئے کہ تو نے اپنی خواہش سے یہ کام نہیں کیا۔ اس مرد کی نسبت جس نے زنا کیا تھا۔ یہ فرمایا اس کو لے جاؤ۔ اور سنگسار کر دو چنانچہ اس کو سنگسار کر دیا گیا۔ (ترمذی الحدیث)

یہ ہے اس کا بہ بد کی سزا اور اسے جاسی کرنے کا طریقہ مجاہد کی یہ شان نہیں۔ مومن کی یہ شان نہیں کہ ایسی حرکت کرے۔ جو اسے دنیا میں ذلیل و خوار کرے۔ جس کو زنا کی تہمت میں سزا ہو جاتی ہے وہ مردود الشہادت ہے، اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی، آخرت میں بڑا سخت عذاب مقرر ہے۔ لہذا کامیاب وہی لوگ ہیں۔ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت

کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **هَمَّ لَيْسُوا بِهِمْ حَفِظُونَ**۔ اور وہ جو اپنے شرکاءوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مطلب زنا سے بچتے ہیں۔ ہاتھ سے تضانے شہوت سے بچتے ہیں۔ ہاتھ سے تضاہد شہوت کرنا یہ بھی حرام ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو عذاب کیا جو اپنی شرکاءوں سے کھیل کرتے تھے۔ جو جو لوگ اس سے بچتے نہیں۔ آزاد شہوت والی کرتے ہیں اللہ کا خوف ان کو اس سے مان نہیں۔ ان کا کیا حشر ہوگا۔ ہر عمل کی جزا اور سزا کچھ اس دنیا میں ہے۔ اور باقی آخرت میں ہے۔ نیک اعمال کی جزا یہاں بھی ملتی ہے۔ اور آخری زندگی میں بھی انشاء اللہ نصیب ہوگی۔ اسی طرح برائی اور بدکاری کی سزایاں بھی ملتی ہے اور اگلے جہان میں بھی۔ جیسا کہ وہ گئے ویسا بھرو گئے، بدکاروں کا یہاں کیا حال ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الْطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ
وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ
لِلطَّيِّبَاتِ (پ۔ النور۔ ۹۷)

گندیاں گندوں کیلئے اور گندے گندیوں کیلئے
اور ستمیال ستموں کیلئے اور ستمے ستمیوں کیلئے۔
(المحضرت بریلوی)

یہ آئینِ نظرت ہے۔ خبیث کے لئے خبیثہ لائق ہے۔ مراد اگر مرد بدکار ہے۔ بدکردار ہے، زانی ہے۔ تو اس کے لئے عورت بھی ایسی ہی ہوگی۔ وہ بھی زانیہ ہوگی۔ سزا بن ہوگی۔ بدکاریوں کی عادی ہوگی۔ زانی کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ اس کے نکاح میں ایسی عورت آئے گی۔ جو اس برائی سے پاک ہو۔ زانی کو ویسی ہی عورت نصیب ہوگی۔ اور زانیہ کو ویسا ہی مرد نصیب ہوگا۔ پاک آدمی پاک عورتوں کے لئے۔ اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے۔ اس سے مراد وہ نیک مومن مرد اور عورتیں ہیں۔ جو اپنے دامن کو زنا اور اس قسم کی دوسری برائیوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسے نیک مرد اور عورت کو شرعی تعلق سے منسلک کر دیتا ہے۔

یقین رکھیں کہ جیسا کہ وہ گئے ویسا بھرو گئے۔ ایک موٹا اصول ہے۔ اگر یہ خواہش ہو۔ کہ کسی نیک سیرت رفیقِ حیات سے واسطہ ہو تو تم اپنے آپ پر نیک ہونا اور زنا سے بچنا لازم کر لو۔ بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ ظاہری اور باطنی دونوں گناہوں سے بچیں۔ (وذا لظہر لایم)

و باطنہ) چھوڑ دو ظاہری اور باطنی گناہ، مراد بڑی نیت سے بھی کسی کی طرف نگاہ نہ اٹھائیں۔
اپنی نگاہ نیچی رکھیں۔ ارشاد ہے۔

كَيْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ (پ۔ المؤمن)

اللہ جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے۔

اللہ نگاہوں کی خیانت۔ چوری نامحرم کو دیکھنا اور ممنوعات کو دیکھنا۔ اللہ ان سب کو

جانتا ہے۔ دلوں کے راز اور سب چیزیں اللہ کے علم میں ہیں۔ مزید ارشاد ہے۔

مسلمان مردوں کو حکم دیں اپنی نگاہیں نیچی رکھو۔

اور اپنی شرنگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے

لئے بہت پاکیزہ ہے، بے شک اللہ کو ان

کے کاموں کی خبر ہے۔

اور مسلمان عورتوں کو حکم دو اپنی نگاہیں نیچی رکھیں

اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں۔ اور اپنا بناؤ

سنگار نہ دکھائیں۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ لِيُغْضُوا مِنْ ابْصَارِهِمْ

وَيَحْفَظُوا أَسْرَارَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى

لَهُمْ طَائِفَاتٌ لِّلَّهِ خَيْرٌ مِّمَّا يَصْنَعُونَ

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ لِيُغْضِينَ مِنْ ابْصَارِ

هِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ

زِينَتَهُنَّ (پ۔ ۱۸ - النور)

زنا اور حرام کاری سے بچیں غیر محرم عورت۔ مرد کو اور مرد عورت کو نہ دیکھے، عورتیں اپنا

بناؤ سنگار غیر مردوں کے سامنے ظاہر نہ کریں۔ مجاہد اسلام، محافظ ملک و ملت کے لئے یہی سزا

دار ہے کہ اس کا دامن اس داغ سے محفوظ ہو۔ اس کی نگاہ نجس نگاہ بازی سے باز رہے۔

جہاں زنا کی کثرت ہو جاتی ہے۔ وہاں مختلف قدرتی

کثرت زنا باعث وبال ہے آفات آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ طوفان۔ آندھیاں۔

زلزلے اور دیگر اسی قسم کی آفات نازل ہوتی ہیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

سے ابرناہ از پئے منع زکوٰۃ و زنا افتد بلا اندر جہات

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

زنا کی چار خرابیاں زنا میں چار خرابیاں ہیں۔ ۱۔ چہرے کی رونق ختم ہو جاتی ہے،

۲۔ روزی کم ہو جاتی ہے۔ ۳۔ اللہ ناراض رہتا ہے۔ ۴۔ دائمی عذاب ملتا ہے۔

لواطت حرام ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **بُذِرَ مُحَمَّدٌ كَوَاقِبِ امْتٍ** پر قوم لوط کے فعل کا ہے (ابن ماجہ - ترمذی) اور شاد ہے۔
وَالَّذَانِ يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ فَآذُوهُمَا اور جو دو مرد کریں وہی بدکاری تم میں سے ہے تو
فَاِنْ تَابَا فَاَعْرَضُو عَنْهُمَا انہیں ایذا دو۔ پھر اگر توبہ کریں اور اپنی اصلاح
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا کریں تو چھوڑ دو۔ بے شک اللہ توبہ قبول

کونسا آیت نمبر ۱۷، ۱۸

اللَّذَانِ سے مفسرین نے دو مرد مراد لئے ہیں جو لواطت کے مجرم ہوں لہذا حکم ہے کہ ان کو ایذا دو۔ تکلیف دو اور پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان کو چھوڑ دو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اس ربانی میں کثرت سے مبتلا تھی۔ تبلیغ اور احکام ربانی سے آگاہی کے باوجود اس سے باز نہ آئی۔ لہذا انجام کار اس پر عذاب آیا۔ اور بستی بستی کی تباہ کر دی گئی۔ چنانچہ گزشتہ حدیث پاک میں قوم لوط کے فعل سے فعل لواطت ہی مراد ہے۔ رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت کے لئے اس گناہ کے بارے میں تشویش تھی۔ مبادا کہ وہ بھی اس میں مبتلا ہوں اور رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خوف علم سے خالی نہیں۔ چنانچہ ایک اور حدیث شریف میں ہے۔

حدیث پاک :- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کسی قوم میں لواطت کی کثرت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم سے اپنا امتحان اٹھالیتا ہے اور اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتا کہ یہ قوم کسی جنگل میں ہلاک کر دی جائے (طبرانی) مطلب ایسی قوم سے اللہ تعالیٰ انتہائی استغنا اور بے پروائی کا اظہار فرماتا ہے۔

حدیث پاک ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، سرکارِ دو عالم نے فرمایا عورت سے لواطت کرنے والا کافر ہے۔ (طبرانی) یعنی سخت نافرمان کہ فطری چیز پر قادر ہوتے ہوئے، غیر فطری چیز کا استعمال کر رہا ہے۔ ایک اور حدیث پاک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس مرد کی طرف دیکھا بھی پسند نہیں کرتا جو کسی مرد سے لواطت کرے، یا کسی عورت سے لواطت کا ارتکاب کرے۔ (ترمذی، سنائی، ابن صبان)

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کے ذریعے اس فعل کی مرتکب قوم کو منع کیا۔ ارشاد ہے۔

دَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ
مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ
أَمْ كُنتُمْ تَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ
النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ
وہ۔ الامرات ع،
اور لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے
کہا کیا وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے
جہاں میں کسی نے نہ کی۔ تم تو مردوں کے
پاس جاتے ہو عورتوں میں چھوڑ کر بلکہ تم لوگ
حد سے گزر گئے۔

جب حضرت لوط نے اپنی قوم کو اس سے منع کیا کہ یہ گناہ ہے۔ گندی بات ہے، تو حضرت لوط کی قوم نے بجائے اس سے باز آنے کے ان کو (لوط علیہ السلام) یہ کہا کہ ہم تم کو بستی سے نکال دیں گے۔ جب وہ بار بار منع کرنے سے باز نہ آئے تو پھر عذاب الہی ان پر مستط کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے اہل خانہ کو نجات دی، لیکن آپ کی بیوی دیگر بستی والوں کے ساتھ ہلاک ہوئی۔ کیونکہ وہ اس قوم سے محبت رکھتی تھیں۔ ان کی تباہی کس طرح ہوئی۔ ارشاد ہے۔

ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَخْرِيَّةَ وَامْطَرْنَا
عَلَيْهِمْ مَطَرًا سَيِّئًا مَطَرُ
الْمُنْذَرِينَ ۝ وہ۔ الشعراء ع،
پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا اور
ہم نے ان پر ایک مینہ برسایا۔ تو کیا ہی بُرا
برساؤ تھا ڈرانے کیوں کا۔

اس مینہ (بارش) میں اللہ تعالیٰ نے کیا برسایا؛ مفسرین کہتے ہیں کہ اس بارش میں عجیب طرح کے پتھر برسے کہ وہ گندھک اور آگ سے مرکب تھے جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ ایک قونہ ہے کہ بستی میں رہنے والے جو وہاں مقیم تھے وہ تو زمین میں دھنسا دیئے گئے اور جو سفر وغیرہ میں تھے وہ اس بارش سے ہلاک کئے گئے۔ حضرت مجاہد نے کہا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے اپنا بازو قوم لوط کی بستیوں کے نیچے ڈال کر اس خطہ کو اکھاڑ لیا۔ اور آسمان کے قریب پہنچ کر اس کو اذبحا کر کے گرا دیا۔ اس کے بعد پتھروں کی بارش کی گئی۔ ایک اور آیت کریمہ۔

فَجَعَلْنَا عَلَيْهِمْ سَائِلَهَا دَامُطْرُنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَاتٍ مِّنْ سِجِّيلٍ

تو ہم نے اس بستی کا اوپر کا حصہ اس کے نیچے کا حصہ کر دیا۔ اور ہم نے ان (قوم لوط) پر کھڑبجوں کی کنکریاں برسائیں۔ (پ۔ ہود۔ ع) مزید ارشاد ہے۔

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَاتٍ مِّنْ سِجِّيلٍ لَّمْ تَنْصُورْكَ (پ۔ ہود۔ ع)

اس پر ہم نے کھرنجے دار پتھر مسلسل برسائے۔

سجیل خشک مٹی کو کہتے ہیں۔ یا اس مٹی کو جو پتھر کی مانند ہو۔

جائز سے تجاوز نہ کرو

وَالَّذِينَ هُمْ يُغْنُوا وَهُمْ يَحْفَظُونَ ۝
الْأَعْلَىٰ أَرْوَاحَهُمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۚ فَمَنْ أَتَّبَعْ
وَدَاءُ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ۔

اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا شرعی لونڈیوں پر نجان کے ہاتھ کی ملک میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ تو جو ان دو کے سوا کچھ اور چاہے وہ حد سے بڑھنے والے ہیں۔

رپ۔ المؤمنون۔ ع

لہذا جائز اور حلال کے علاوہ اگر انسان کسی اور طرف راغب ہو زنا، لواطت وغیرہ یہ سب گناہ اور حرام ہیں۔ موجودہ اور اخروی زندگی میں باعث عذاب ہیں۔

لواطت کی سزا لواطت کی سزا کے لئے کوئی حد مقرر نہیں اس کا تعین حاکم وقت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ بہر حال اس سلسلے میں ایک روایت بھی ہے۔

حضرت حکمر بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جس شخص کو قوم لوط کا فعل کرتے ہوئے باؤ فاعل اور مفعول دونوں کو مار ڈالو۔

لوطی ملعون ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص قوم لوط کا عمل کرے وہ ملعون ہے۔

ذریں اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لواطت کے فاعل اور مفعول دونوں کو جلوا دیا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں پر دیوار گرا دی۔ (احمد)

شراب نوشی

حدیث پاک ہے۔

گناہ مقفل ہے؛ یوں سمجھئے جیسے گناہ الگ گھر میں مقفل ہے، اور شراب اس کی کنجی ہے۔ اسلام سے قبل عرب میں شراب نوشی کا عام رواج تھا۔ ہر چھوٹا بڑا اس کا عادی تھا۔ اسلام لانے کے بعد بعض لوگ اس کی قباحت کو محسوس کرنے لگے۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق عرض کیا۔ کہ ہمیں اس بارے میں حکم دیجئے۔ یہ عقل میں فتور لاتی ہے۔ مال کا ضیاع ہے۔ عرب چونکہ اس کے عادی تھے۔ لہذا بتدریج احکام اترنے شروع ہوئے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سوال پر پہلی آیت کریمہ یہ نازل ہوئی۔ ارشاد ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ
قُلْ بِيحْسَبَانِ شَرٌّ لِّمَا كَسَبَ النَّاسُ

رپ۔ بقرہ۔ ع۔

یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ ان سے فرما دو۔ اس میں گناہ (عظیم) اور نفع (قلیل) ہے۔

چنانچہ کچھ لوگوں نے نفع کے خیال سے پینا جاری رکھا اور کچھ لوگوں نے گناہ کے خیال سے ترک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اچھائی اور برائی بیان کر کے۔ اسے مسلمان کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ وقت گزرتا گیا۔ دعوتوں وغیرہ میں اس کا استعمال ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ عبدالرحمن بن عوف نے دعوت کی جس میں لوگوں نے شراب پی۔ اور پھر بعض نشہ میں مغرب کی نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ چونکہ وہ اس ٹھیک نہیں تھے۔ اس لئے سورہ کافروں میں تلاوت میں یوں غلطی کی۔

قَلِيلًا آيَاتُهَا لِكَافِرُونَ اَعْبَدُوا مَا تَعْبُدُونَ يَعْنِي مَا - پھوڑ گئے۔ اس کا ترجمہ یہ ہوا۔ اسے کافروں (کافروں) جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اسی کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ حالانکہ اصل میں ہے لَا اَعْبُدُ جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اس کی ہم عبادت نہیں کرتے۔ چنانچہ جب اس قسم غلطیاں ہونے لگیں، تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ
وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا
تَقُولُونَ (پ۔ النساء۔ ع)

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں
نماز نہ پڑھو کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ سمجھ
بھی سکو۔

اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد پینے والوں کی تعداد کم ہو گئی۔ لیکن معاملہ چلتا رہا۔ ایک مرتبہ انصاریوں کا اجتماع ہوا۔ جس میں سعد بن ابی وقاص بھی تھے۔ اس میں لوگوں نے شراب پی۔ شعر خوان شروع ہو گئی۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شعر پڑھا۔ جس میں انصار کی ہجو تھی۔ ایک انصاری نے ایک ٹہری اس کے سر پر دے ماری۔ جس سے ان کے سر پر نمایاں زخم آیا۔ آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے اس فعل پر بڑے مضطرب تھے۔ آپ بار بار اللہ تعالیٰ سے کوئی حتمی حکم نازل فرمانے کی دعا کیا کرتے تھے۔ یہ واقعہ سن کر آپ (عمرؓ) نے دعا کی بار الہی شراب کے بارے میں واضح حکم نازل فرما۔ یہ عقل ممکن اور عارت گبر مال ہے۔ آخر شراب کی حرمت کے بارے میں سلسلہ میں حکم نازل ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ
الْمَيْسُورُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْوَاجُ حُرْمٌ

اے وہ لوگو۔ جو ایمان لائے ہو۔ اس کے
سوا نہیں کہ شراب اور جوا اور بت اور

مَنْ عَمِلَ الشَّيْطَانِ - نَا جَتَّبُوهُ لَعَلَّكُمْ
تَفْلِحُونَ ۝ رپٹ - الماعدہ - ۷،
پانے گندے شیطان کام ہیں۔ پس ان
سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

شریعت کی رو سے ہر وہ چیز جس کا استعمال انسانی حواس کو معطل کر دے۔ عقل کو
ڈھانپ لے۔ اسے یہ تمیز نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ مختصر یہ کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ پھر
جس چیز کا کثرت استعمال نشہ لاتا ہے۔ اس کا تھوڑا بھی حرام ہے۔ لہذا ہر نشہ لانے والی
چیز قطعی حرام ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ہر مسکر حرام ہے جس کو فرق (ناپنے کا برتن) جیسا کہ ہماری
زبان میں اسے پیگ کہتے ہیں اسے نشہ آجائے تو اس کا ایک چلو بھی حرام ہے۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور مفسرے کو حرام کیا۔ مفسرہ اس شراب کو کہیں
گے۔ جو دماغ میں فتور لاتے۔ اور اعضا کو بے حس کر دے۔ آپ نے فرمایا۔ جو نشہ آور شے
استعمال کرے۔ اللہ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا۔

شراب نوشی ہر لحاظ سے نقصان دہ ہے
شراب نوشی دینی اور دنیاوی دونوں
لحاظ سے مضر ہے۔ شراب کا عادی

اپنی دولت کا بیشتر حصہ اس میں ضائع کر دیتا ہے۔ اور پھر یہ صحت کے لئے مضر ہے۔ آہستہ
آہستہ انسان کے قومی کو کمزور کر دیتا ہے۔ شراب پینے سے انسان حواس کھو بیٹھتا ہے۔
اسے اپنے پرانے کی پہچان نہیں ہوتی۔ اچھے برے کی تمیز نہیں رہتی۔ وہ گالیاں بکتا ہے شیطان
اس پر سوار ہوتا ہے۔ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے۔ کبھی کبھی شرابی حادثات کا شکار بھی ہو
جاتے ہیں۔ اپنے دینی اور دنیوی فرائض بطریق احسن انجام نہیں دے سکتے۔ بلکہ بعض اوقات
نشہ کی حالت میں انسان کو جو نہیں کرنا چاہیے، وہ بھی کر گزرتا ہے۔ لہذا اللہ رب العزت
نے ہم پر کرم فرمایا اور اسے قطعی حرام قرار دے دیا۔ جس نے دنیا میں شراب پی اور توبہ نہ
کی وہ آخرت میں محروم رہے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ شراب بنانے والا اور بنوانے والا، پینے
والا اور پلانے والا، اٹھا کر لانے والا، بیچنے والا اور خریدنے والا اور اس کی کمائی کھانے

والے پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔

شراب، جوا، بت اور پانے کو نجاست اور پلیدی قرار دیا گیا ہے۔ مطلب جس طرح انسان پلید اور گندی چیزوں سے دور بھاگتا ہے۔ دیکھ کر کراہت محسوس کرتا ہے جیسے پافانہ، پیشاب وغیرہ، اسی طرح ان سے بھی دور بھاگے۔ ان کے ذریعے سے شیطان اپنا وار کرتا ہے۔ انسان کو تباہ و برباد کرتا ہے۔ شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے، حکمانے اسے اُمّ الخبائث برائیوں کی ماں قرار دیا ہے۔

شیطان نے چونکہ انسان کو گمراہ کرنے، برائی میں مبتلا کرنے اور اللہ کی راہ سے روکنے کا عہد کر رکھا ہے۔ اس لئے وہ ہمیں، ان چیزوں کی طرف بلاتا ہے۔ بہتری کے لئے نہیں بلکہ۔ ارشاد ہے۔

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ
وَلَعَيْدِكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ
فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ رِبِّ الْمَائِدَاتِ

شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تم میں شراب اور
جوائے کے ذریعے دشمنی اور بغض ڈالے۔ اور
تم کو اللہ کی یاد (ذکر الہی) اور نماز سے روکے۔
پس کیا تم رک جانے والے ہو ان سے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو عرض صاف طور پر بتا دی کہ شیطان جو ہمیں شراب، جوا اور دیگر
برائیوں خوشنما اور دلربا بنا کر ہمارے سامنے لاتا ہے۔ شراب طاقت دے گی۔ جوائے سے
مال آسانی سے اکٹھا ہو جائے گا۔ امیر ہو جاؤ گے۔ اس سے اس کی غرض صرف یہ ہے کہ تم
میں فساد پھیلاتے۔ تمہیں کھیل کود میں مصروف کرے۔ اور ان کے ذریعے تمہیں جھگڑوں میں
مبتلا کر دے۔ اور اس طرح وہ اپنا اصلی مشن (اللہ کی راہ سے روکنا) پورا کرے۔ یعنی تمہیں
یاد الہی اور نماز سے غافل کر دے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے شیطان کی اصلی ہمدردی عیاں کر
کے مسلمان کو واضح کر دیا کہ کیا اب بھی تم باز نہیں آؤ گے۔ اس کا نفع و نقصان تمہارے سامنے
ہے۔ تعجب ہے تم پھر بھی، خم پر خم لندھائے جا رہے ہو۔ مال ضائع ہو رہا ہے۔ جھگڑے فساد
اور لڑائی کی نوبت بھی آتی ہے۔ لہذا ہمیں سمجھنا چاہیے۔

مشرابی کی سزا شراب کی بڑی سخت سزا ہے، دنیا اور آخرت دونوں میں اس پر گرفت ہے۔

۱۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس امت کے بعض افراد رات دن شراب اور لہو و لعب میں گزاریں گے، تو ایک دن صبح کو یہ لوگ بندر اور سوڑ کی صورتوں میں مسخ کر دیئے جائیں گے۔ ان میں خسف زمین میں دھنسا دینا، ہوگا۔ ان پر آسمان سے پتھر برسے گا۔ لوگ کہیں گے کہ آج رات فلاں محلہ دھنسا گیا۔ آج رات فلاں گاؤں زمین میں دھنسا گیا۔ ان پر لوط کی طرح پتھر برسے گا۔ اور قوم عاد کی طرح آنہ صیوں سے تباہ کئے جائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ یہ لوگ شراب پیش گئے اور سود کھائیں گے۔ ریشمی لباس استعمال کریں گے۔ گانے والیاں ان کے پاس جمع ہوں گی، اور قطع رحم کریں گے۔ (احمد۔ ابن ابی الدین) مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کا فسق و فجور ان کے ہاں رائج ہوگا۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے زنا کیا، شراب پی تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کا ایمان چھین لیتا ہے، جس طرح کسی سے اس کے کپڑے اتروائے جائیں۔ (حاکم)

آخرت کا عذاب حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ تین آدمی جنت میں نہیں جاسکتے۔ ایک شراب کا عادی، دوسرا قاطع رحم اور تیسرا جادو کی تصدیق کرنے والا۔ جو شراب سے توبہ کرتے بغیر مریں گے۔ اس کو قیامت میں غوطہ کا پانی پلایا جائے گا۔ کسی نے دریافت کیا کہ غوطہ کیا ہے؟ فرمایا، ایک نہر ہے۔ جس میں زانیوں کی شرنگا ہوں کا کچھو بہتا ہے۔ شرابیوں میں اس قدر بے ہوشی ہوگی کہ اس سے اہل دوزخ بھی پریشان ہو جائیں گے۔ (احمد۔ ابوالعلیٰ۔ ابن حبان)

عہد نبوی کے واقعات اور سزا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب نوشی

پر لکڑی اور نعلین سے مارا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس درے لگائے۔
ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم کے پاس ایک شرابی آیا۔ آپ نے
اس کو چالیس مرتبہ لکڑی سے مارا۔ اور ایسا ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کیا۔

شراب سے بچو شراب سے بچو کہ یہ گناہوں کے برگ و بار لاتی ہے اور جس طرح ایک
شجر سے دوسرا شجر پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح شراب کے گناہوں
سے کئی گناہ پیدا ہوتے ہیں۔ شرابی اس بت پرست کی طرح ہے، جو لات و غزنی کی
عبادت کرتا ہو۔ (فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ چیز ہمارے ہاں خریدی اور بیچی جا رہی ہے، استعمال ہو رہی ہے۔ ہم اسے پیہ
اور شیطان عمل بھی کہتے ہیں۔ کیا دوسرے مذاہب ہم پر مسکراتے نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ
ہمیں اس سے بچنے کی توفیق دے۔

اس کے علاوہ دیگر گناہوں، غیبت، بہتان، جھگلی، جھوٹ، بددیانتی، حرص اور
لوہج سے بچنا چاہیے۔ رینی فرائض نماز، روزہ، حج، صدقہ، ہمدردی، اپنے ساتھیوں سے
حسن سلوک، اتفاق باہمی میل ملاپ۔ خرضیکہ تمام نیک کام اور اوصاف اپنانے کی کوشش
کرنی چاہیے، مجاہد ہونا یہ مسلمان کی وراثت ہے۔ ہم حقیقی معنوں میں مسلمان اس وقت
ہو سکتے ہیں، جب ہم اسلام کے منع کردہ اور حرام قرار دیئے ہوئے کاموں سے اجتناب
کویں اور اپنی روزمرہ زندگی میں اسلامی احکامات کی پابندی کریں۔ اپنے آپ کو حقیقی معنوں
میں مسلمان اور مومن بنائیں۔ حقیقی مومن ہی حقیقی مجاہد ہو سکتا ہے، اور اسی کی ضرب کاری

۸۔ ذبیحہ سے مزب ہے کاری سے ذبیحہ سے کاری سے



تقویٰ اور عمل

تقویٰ بہترین زادِ راہ ہے ارشادِ ربانی ہے۔

وَتَزِدْ دُؤَانَ خَيْرَ الَّذِي تَتَّقُوۡا اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ

(پ۔ بقرہ۔ ۱۷۷)

پہ مہیزگاری ہے۔

سفر کے لئے انسان کو زادِ راہ یعنی خوراک، پانی، لباس وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے بغیر سفر جاری رکھنا ناممکن ہوتا ہے۔ اور منزل تک پہنچنا محال ہو جاتا ہے۔ انسان کی آخری زندگی جو ایک طویل سفر ہے۔ نہ ختم ہونے والی زندگی سے۔ اس کے لئے بھی رختِ سفر درکار ہے۔ اس طرح زادِ راہ کی دینی اور آخری زندگی دونوں میں ضرورت برابر موجود ہے۔ ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے۔ کہ وہ بہترین سامانِ سفر سے لیس ہو، تاکہ وہ بخیر و خوبی اپنی منزل تک پہنچ جائے۔ چنانچہ معاملہ کا تعلق خواہ اس دنیا کی زندگی سے ہو یا اگلی دائمی زندگی سے ہو۔ اس کے لئے بہترین سامانِ سفر ہونا ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! تقویٰ بہترین زادِ راہ ہے۔ تقویٰ گناہوں سے بچاتا ہے۔ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور نیکی منزلِ مقصود یعنی جنت میں لے جائے گی۔

ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی میں نے سفر کا ارادہ کیا ہے۔ مجھے کون زادِ راہ عنایت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا خدا تجھے تقویٰ کا زادِ راہ دے حضرت کیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ایک مرتبہ جا رہا تھا۔ وہ جنگل میں پہنچے پھر ایک مقبرہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، اے مقبرہ والو، اے وحشت اور تنہائی والو کیا خبر ہے، کیا حال ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہارے بعد اموال

تقسیم ہو گئے، اولادیں تقسیم ہو گئیں، بیویوں نے خاندانہ کرائے۔ یہ تو ہماری خبر ہے۔ کچھ اپنی بھی کہو۔ اس کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ کیل اگر ان لوگوں کو بولنے کی اجازت ہوتی اور یہ بول سکتے تو یہ لوگ جو اب میں یہ کہتے بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ اور پھر رونے لگے اور فرمایا: اسے کیل قبر عمل کا صندوق ہے۔ اور موت کے وقت بات معلوم ہو جاتی ہے۔ سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا۔ مسلمان کا اصل مایہ شرف اس کا تقویٰ ہے، اس کا دین ہے، اس کا حسب ہے۔ اس کی مردت ہے۔ اور اس کا خلق ہے۔

تقویٰ کی کان دانائیوں میں سے بڑی دانائی تقویٰ ہے، اور حماقتوں میں بڑی حماقت بدکاری ہے، سچائیوں میں بڑی سچائی امانت اور جھوٹ میں بدترین جھوٹ خیانت ہے۔ تقویٰ ماتھے میں نہیں ہے کہ اس پر شکن ڈالا جائے، نہ چہرے میں ہے کہ اس کو ترش کیا جائے، نہ رخسار میں ہے کہ اس کو پھیرا جائے، نہ گردن میں ہے کہ اس کو جھکایا جائے، اور نہ دامن میں ہے کہ اس کو اکٹھا کیا جائے۔ تقویٰ تو دلوں میں ہے، تقویٰ ایک ایسی چیز ہے جو کسی کتاب، کان یا دکان سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ دلوں کا مکین ہے، اور اس کے طے کی جگہ کے متعلق سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”ہر شے کی کان ہوتی ہے اور تقویٰ کی کان عارفوں کا دل ہے“

کسی بزرگ سے دریافت کیا گیا۔ بندوں میں سے بزرگ کون زیادہ ہے، فرمایا کہ مردت اور تقویٰ والے۔ پوچھا کہ اعمال میں سے افضل کونسا عمل ہے۔ فرمایا فرائض کا ادا کرنا، حرام چیزوں سے اجتناب کے ساتھ رہنا۔ پوچھا کہ کلام میں سے کونسا کلام سننے کے قابل ہے۔ فرمایا کہ سچ کہنا، ایسے شخص کے سامنے جس سے بیم درجا ہو۔ پوچھا ایمان والوں میں سے کونسا دانا ہے۔ فرمایا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی طاعت پر عمل کرے اور لوگوں کو اس طرف بلا دے۔ پوچھا کہ اہل ایمان میں سے زیادہ خسارے میں کون ہے۔ فرمایا جو شخص اپنے بھائی ظالم کی خواہش میں چلے۔ اور اپنی آخرت دوسرے کی دنیا کے عوض فروخت کرے۔ بشر بن عارض کا قول ہے، کہ سب سے سخت عمل تین ہیں۔ قلت کی حالت میں بخشش کنا، تنہائی میں پرہیزگار رہنا، جس سے ڈرا اور امید ہو اس کے سامنے سچ بولنا۔ بشر بن عارض عانی کی ہمشیرہ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی

خدمت میں آئیں، اور عرض کیا۔ میں اپنے کونٹے پر سوت کا ٹاکرتی ہوں، اس وقت ایک شخص کی روشنی کا عکس مجھ پر پڑتا ہے، کیا اس روشنی میں مجھے سوت کا ٹاکرتا ہے یا نہیں، آپ نے جواب دیا تو کون ہے۔ وہ کہنے لگی میں بشر بن حانی کی بہن ہوں۔ یہ سن کر امام صاحب رو دیئے، فرمایا، یہ ہیزگاری کا ظہور تمہارے ہی گھر سے ہوتا ہے۔ اس روشنی میں تم سوت نہ کاٹا کرو۔

علی عطارؒ فرماتے ہیں۔ میں نے بصرے کی گلیوں میں دیکھا کہ بوڑھے لوگ بیٹھے ہیں، اور لڑکے کھیل رہے ہیں۔ میں نے لڑکوں سے پوچھا ان بوڑھوں کے سامنے تمہیں کھیلنے ہونے شرم نہیں آتی۔ وہ کہنے لگے ان سے شرم کیا آتے۔ ان میں پرہیزگاری کم ہے۔ اس لئے ہمیں ان کا خوف بھی نہیں۔

لباس تقویٰ جنت سے نکالے جانے کے بعد انسان کو بدن ڈھانپنے کے لئے لباس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ ایک فطری ضرورت ہے۔ انسان تنہائی اور پوشیدہ جگہ میں بھی برہنہ ہونے سے عار محسوس کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذہن میں ایسے طریقے اور خیالات ڈال دیئے، جس سے انسان نے مختلف طریقوں سے اپنے بدن کو ڈھانپنا سیکھا۔ اس طرح زمانے کے ارتقا کے ساتھ انسان نے رنگانگ کے لباس تیار کئے اور آج انسان اسی لباس سے سمندر کی گہرائیوں اور فضا کی بے پناہ وسعتوں میں زندگی گزارنے کے عزم کا اظہار کر رہا ہے۔ چنانچہ نبی نوح انسان کو اللہ تعالیٰ نے جب اپنے بدن اور بالخصوص شرمگاہوں کو ڈھانپنے کا شعور دیا۔ تو اسے زمین سے اُگی ہوئی جڑی بوٹیوں سے استفادہ کر کے لباس تیار کرنے کا شعور بھی دیا۔ ارشاد ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اُنزِلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا
يُّوَارِيْ سُرُوْبَكُمْ وَرِيشًا ط وَ لِبَاسٍ
التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ط

اپٹ الاعراف

اے آدم کی اولاد ہم نے تم پر پوشاک آوری جو تمہاری شرمگاہیں ڈھانکے اور آرائش کے کپڑے اتارے اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بہتر ہے۔

لباس شرمگاہوں کے ڈھانپنے کے علاوہ بدن کی سجاوٹ کا کام بھی دیتا ہے۔ دودھ حاضر

کی آنکھ اس کی رنگ دلیوں سے بخوبی آگاہ ہے۔ آج کا ڈیزائن کل پرانا ہوتا ہے، اہل طبیبوں میں سوٹ چند مہنتوں کے بعد بے کار ہو جاتا ہے۔ یہ لباس جو ظاہری سجاوٹ کو نکھارنے اور شرم و حیا برقرار رکھنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ اصل میں ہماری شرم و حیا کا مددگار ہے۔ انسان میں اصل چیز جس سے بدن اور روح کی حفاظت ہوتی ہے، وہ تقویٰ ہے جس کا بڑا حصہ شرم و حیا ہے۔

یہ شرم و حیا اور خوفِ خدا ہی ہے۔ جو انسان کو برائیوں اور بے حیائیوں سے باز رکھتا ہے۔ فحش باتوں اور دیگر غلیظ کاموں سے روکتا ہے، اگر تقویٰ نہ ہو تو صرف لباس گناہوں سے روکنے کے لئے کافی نہیں۔ لباس اللہ کی ظاہری نشانیوں میں سے ایک ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو پاک و صاف رکھنا چاہتا ہے۔ اگر ہم لباس کی حقیقت سے یہ نہ سمجھیں کہ اس کا حتمی مقصد دل کی پاکیزگی ہے، تو ہم نے غور و فکر سے کام نہیں لیا۔ احکام ربانی کی اصل روح کو پانے کی کوشش نہ کی جو ایک مسلمان کی حیثیت سے کرنا ضروری ہے۔

تقویٰ یہ سیکھاتا ہے، کہ انسان کا کھانا، پینا، پہناوا، اور حنا، بچھونا سب کچھ حلال، جائز اور شرعی حدود کے اندر ہونا چاہیے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہر لمحہ اور ہر قدم پر شریعت سامنے ہو۔ دنیا و آخرت میں گرفت کا خون ہو۔ حرص و طمع اور زمانہ سازی کے چکر میں جائز حدود کی دھجیاں نہ اڑائیں، پھر تقویٰ چونکہ لباس کی اصل ہے۔ اس لئے اس کا شرع کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ آج ہم نے جو گونا گون موٹا گانیاں اختیار کر رکھی ہیں۔ یہ باعث گرفت اور گناہ ہیں۔ ماڈرنائزیشن (MODERNIZATION) ہمیں بہت دور لے گئی ہے۔

ظاہری لباس لباس جو کہ انسان کی خوبصورتی اور سجاوٹ میں اضافہ کرتا ہے، اس لئے لباس کا اچھا ہونا بھی ضروری ہے۔ کپڑے سادہ بھی ہو سکتے ہیں اور قیمتی بھی اس میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ البتہ سفید کپڑے کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیادہ پسند فرمایا۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ لوگو! تم سفید کپڑے پسند کرو۔ سفید کپڑا اچھی چیز ہے، اس میں اپنے سردوں کو کفن دیا کرو۔ (ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ سفید کپڑا صاف اور عمدہ ہوتا ہے، اس لئے اس کی تعریف فرمائی گئی ہے۔ اگرچہ دوسرے رنگ کے کپڑے بھی پہننے جائز ہیں بشرطیکہ زمانہ رنگ و وضع کا آئینہ دار نہ ہوں۔ سادگی اور عاجزی کی خاطر اگر لباس میں سادگی اختیار کی جائے تو باعثِ ثواب اور ایمان کی علامت ہے۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت معاذ بن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی نے باوجود قدرت و استطاعت کے غرض سے لباس میں سادگی اختیار کر لی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے بھرے مجمع میں اختیار دے گا اس بندے کو کہ ایمانی حلوں میں سے جس کھلے کو چاہے پسند کرے۔ (ترمذی، ایک اور حدیث پاک ہے۔ حضرت ابوامامہ بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک دن دنیا کا ذکر کر رہے تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لباس کی سادگی ایمان کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔ (البوداؤد)

تو معلوم ہوا کہ سادگی اور تواضع اختیار کرنا، زیادہ پسندیدہ ہے۔ تکبر اور فخر و ربا اور دکھاوے کی خاطر جو لباس پہنا جائے تو وہ حرام اور ناجائز ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک دفعہ کسی نے ریشم کا سلوکہ بطور ہدیہ بھیجا یا۔ آپ نے پہن لیا اور اس کو پہن کر نماز ادا فرمائی۔ نماز سے فارغ ہو کر نہایت نفرت کا اظہار کیا اور اس کو اتار کر فرمایا۔ پرہیزگاروں کے لئے یہ کپڑے مناسب نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا! متقی وہ ہے جو شرک و متقی کون ہے کباثر و فواحش سے بچے بعضوں نے کہا متقی وہ ہے جو اپنے آپ کو

دوسروں سے بہتر نہ سمجھے۔ بعض کا قول ہے۔ تقویٰ حرام چیزوں کا ترک اور فرائض کا ادا کرنا ہے۔ بعض کے نزدیک معصیت (گناہ) پر اصرار و طاعت پر عزم و کثرت کرنا تقویٰ ہے۔ بعض نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ تیرا سوا تجھے وہاں نہ پائے جہاں سے اس نے منع فرمایا۔

ایک قول یہ ہے کہ تقویٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی کا نام ہے۔ مذکورہ بالا تمام معنی مناسب رکھتے ہیں۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں مرکزی

نقطہ سب میں گناہوں سے بچنا اور نیک عمل کرنا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو متقی کہیں گے اللہ تعالیٰ متقین سے اپنی محبت کا اعلان فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ - بے شک پرہیزگار اللہ کو خوش آتے ہیں (مراد محبوب ہیں) (پ - ع)

المختصر متقی وہ ہے جو شرک، کبار و فواحش سے اپنے دامن کو بچالے ہوئے شرعی حدود کے اندر رہ کر اسلامی اصولوں کے مطابق عمل کرے۔ جو کبار (کبیرہ) گناہوں سے بچے جس کی اللہ نے ممانعت فرمائی ہے تو اللہ تعالیٰ اُن کے دیگر گناہ معاف فرمادے گا اور اُن کو عزت و اکرام کے ساتھ جنت میں داخل فرمائے گا۔ ارشاد ہے۔

إِنْ يَجْتَنِبُوا كَبِيرَاتِنَا تُبَوِّبْنَا لَهُمْ وَمَا يُبَوِّبُونَ لَهُمْ إِلَّا أَنْ يَحْكُمُوا لَنَا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ - اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے سن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔ (پ - ناء - ع)

تقویٰ نیکی کی بنیاد ہے ہر نیکی کی بنیاد تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کی قبولیت کا معیار تقویٰ ہے۔ اللہ کے ہاں رنگ و نسل، خاندانی بزرگی دنیاوی مال و دولت، جاہ و چشم، کالے گورے اور عربی عجمی کی کوئی تمیز نہیں، اللہ کے ہاں برگزیدہ وہی ہے جو زیادہ متقی ہے۔ پرہیزگار ہے۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالحجہ کے مہینہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا، لوگو! تمہارا رب ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے۔ عربی کو عجمی اور گورے کو کالے پر کوئی بزرگی کا حق نہیں۔ اب تو بزرگی صرف تقویٰ اور پرہیزگاری سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ کے نزدیک بزرگ وہ ہے جو متقی ہے (زیہقی) ایک اور حدیث پاک میں یوں ارشاد فرمایا!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! لوگو اللہ تعالیٰ نے جاہلانہ غمز کو روک دیا ہے۔ اب یا تو مومن حقیقی ہے یا فاجر شقی

ہے۔ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ (ترمذی)
مطلب یہ ہے کہ حسب و نسب کا فخر ختم ہو گیا۔ اب تو صرف ایمان و تقویٰ کی
عزت ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ غلام تھے۔ حبشی نژاد
تھے۔ ایمان و تقویٰ کی دولت نے دامنِ اقدس

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصیب فرمایا، شاہ لولاک نے امتیہ کی غلامی سے نجات دلانے کے بعد
سر دامنِ اقدس میں لئے محبت و شفقت سے دست مبارک سر پر اور بدن پر پھیرا۔ سب
سے پہلے جنت میں قدموں کی آہٹ سماعت فرمائی اور بشارت دی۔

ابو جہل اور ابولہب ابو جہل اور ابولہب بڑے قریبی رشتہ دار ہیں۔ ابولہب حقیقی
چچا ہے۔ دونوں مالدار ہیں۔ بڑی عزت اور جاہ جلال والے
ہیں۔ لیکن بے ایمانی سے نامرادی کے مستحق ٹھہرے۔

تقویٰ جملہ عبادات اور نیکیوں کی جان ہے کام پاک میں نیکی اور نیک کام
کرنے والوں کی بڑی تعریف کی

گئی ہے۔ بار بار ان کی عظمت کا اظہار کیا۔ اجر و ثواب کا وعدہ دہرایا۔ نیکی بدی کو کھاجاتی
ہے۔ نیکیوں کے طفیل بروں پر بھی رحم کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات بڑے لوگ نیکیوں کے طفیل
رفعت الہی سے محفوظ رہتے ہیں۔ مختلف اعمال و افعال کا ذکر کر کے یہ واضح طور پر بتایا گیا
ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے مال و دولت اور سامان کی ضرورت نہیں وہ احتیاجات سے
بے نیاز ہے۔ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ اس کے ہاں کوئی کمی نہیں وہ دینے والا ہے لینے
والا نہیں۔ اللہ رب العزت نے جو مختلف انداز سے انسان کو قربانی کرنے کے لئے حکم
دیا ہے۔ اس کا مقصد انسان میں تقویٰ کی تعمیر و ترقی ہے۔ مادی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کسی
شے کا محتاج نہیں۔ نیکی اور نیک اعمال کا ذکر یوں فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَيْسَ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ لِلَّهِ يُدْرِكُ أَلْبَانَ
نیکدہی نہیں کہ اپنا منہ مشرق یا مغرب
کی طرف کر لو اور نیکی یہ ہے، جو کوئی ایمان

جانچا جائے۔ اس طرح قربانی کے متعلق ارشاد ہے۔

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومَهَا وَلَا دِمَآؤُهَا
وَكَلَنْ يَنَالَهُ الشَّقْوَى
مِنْكُمْ. (پہا الحج۔ ع)

اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں اور
نہ ان کے خون ہاں تمہاری پرہیزگاری اس
تک باریاب ہوتی ہے۔

خدا کے ہاں قربانی کا گوشت نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ عبادت کے متعلق اس
طرح ارشاد ہوا۔ اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو
پیدا کیا۔ تاکہ پرہیزگار بن جاؤ، عبادت جس میں نمازیں، نوافل، ذکر، دعا اور تلاوت شامل ہیں۔
یہ برائی اور بے حیائی سے بچائی ہیں۔

حج کے دوران تین دن خصوصی عبادت کے لئے ہیں۔ انہیں ایام نحر کہتے ہیں۔ یہ دس،
گیارہ اور بارہ ذوالحجہ ہیں۔ لیکن اگر کوئی بارہویں تاریخ کے بعد بھی ذکر الہی کی غرض سے
وہاں ٹھہرتا ہے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اور اگر کوئی شخص صرف دو ہی دن وہاں ٹھہرنے کے بعد مکہ
روانہ ہو جائے، تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ بعض مجبور یوں کی بنا پر شرعی احکام کی تعمیل میں نرمی
ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ
عَلَيْهِ. وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ
لِمَنِ اتَّقَى (پہا بقرہ ع)

پھر جو کوئی دو ہی دن میں جلدی چلا گیا تو اس
پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو کوئی رہ گیا، تو اس پر بھی
کوئی گناہ نہیں جو کہ ڈرتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بتانا مقصود ہے، کہ اللہ کا ڈر اور خوف یعنی تقویٰ اصل چیز ہے۔ جن
افعال سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ان سے بچنا اس کی اطاعت میں کوئی عذر اور بہانہ تلاش نہ کرنا۔
البتہ حقیقی مجبوریاں قبول ہو سکتی ہیں لیکن یہ اسی صورت میں جائیں گی، جو نیک نیتی، پاک دامنی
اور پرہیزگاری پر مبنی ہوں۔ احکام الہی کی پابندی سے گریز کی گنجائش نہیں۔ گویا ہری شاعر کی پابندی
بھی ضروری ہے۔ لیکن اسلام کا اصل مطمح نظر جو انسان میں پیدا کرنا مقصود ہے۔ وہ تقویٰ ہے۔
اس کے ہوتے ہوئے مجبور کوئی کوتاہی ہو جاتے تو معاف ہو سکتی ہے، احکام خداوندی کا مقصود

انسان کی زندگی میں طہارت پاکیزگی اور عمدگی پیدا کرنا ہے۔ اور اگر ان خصوصیتوں کے ہوتے ہوتے کوئی شخص احکام بجالانے سے کچھ مجبور ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

انصاف اور تقویٰ کسی معاشرہ میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے عدل و انصاف کی مشینری کا ہونا ضروری ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں مائل ہو جائیں گی۔ عدم تحفظ کا احساس بڑھ جائے گا۔ عوام کا حکومت سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ تنازعات میں انصاف قائم کرنا یہ ایک بنیادی ضرورت ہے۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد مبارک کے مطابق حکومت کسی کو کسی کا حق چھیننے نہیں دے گی خواہ وہ کس قدر طاقتور ہو۔ اور نہ کسی کا حق غصب ہونے دے گی۔ خواہ وہ کتنا ہی کمزور ہو۔ عمل اور انصاف کی راہ میں مختلف عناصر مائل ہوتے ہیں۔ اقربا پروری سفارشیں، ذاتی انتقام، مادی اور سیاسی دباؤ، رشوت اور اسی قسم کے دوسرے بہت سے عوامل ہیں جو انصاف کے لئے سدِ راہ ہیں۔ موجودہ دور میں تو اخبارات پر ایک عام نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جرائم کا معاملہ انتہا پر ہے۔ چنانچہ ایسے حالات میں انصاف کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا ایک طرح سے عظیم جہاد ہے۔ کلام پاک میں انصاف سے متعلق ارشاد ہے۔

ارْعِدْ كُفْرًا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ
عدل و انصاف کر دیکو کہ وہ تقویٰ اور پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔ (مائدہ ۸۰)

گزشتہ عوامل کو ملحوظ رکھتے ہوئے، منصف کے لئے نفع و نقصان کے مواقع موجود ہوتے ہیں۔ وقتی فائدے اور خوشنودیاں قیسر آسکتی ہیں۔ ذاتی انتقام لے سکتا ہے۔ مخالف کو ختم کرنے اور کرانے کے لئے، انصاف کی حدیں پھلانگ سکتا ہے، لیکن یہ سب عارضی باتیں ہیں، انسان ہمیشہ ایک حال میں قائم نہیں رہتا۔ لہذا تقویٰ انسان سے یہی تقاضا کرتا ہے کہ ہر حال میں انصاف کیا جائے۔ اس سے کسی صورت میں بھی روگردانی نہ کی جائے۔

دنیا دکھوں کا گھر ہے۔ مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔
مصائب پر صبر انسان مسلسل آزمائش سے دوچار رہتا ہے۔ آزمائش جیسا کہ جہاد کے ضمن میں ذکر آچکا ہے، جان، مال اور اولاد وغیرہ سے ہوگی۔ تکالیف کا سامنا کرنا یہ دل گردے کی بات

ہے۔ بعض اوقات انسان ان پہاڑوں کو کوستا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتا ہے۔ چنانچہ ان سب کو صبر و تحمل سے برداشت کرنا، آسان کام نہیں۔ رضائے الہی کے سامنے سر تسلیم رکھنا یہ بڑی ہمت کی بات ہے۔ ہر کام میں کوئی راز اور مصیبت پوشیدہ ہوتی ہے۔ جسے انسان نہیں سمجھ سکتا۔ کہ آخر نتائج کیا ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔ (پہ۔ آل عمران۔ ۱۷۷)
اگر تم صبر کرو۔ اور تقویٰ اختیار کرو۔ تو بڑی ہمت کی بات ہے۔

مصائب زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہیں۔ عام زندگی جس میں کاروبار، لین دین، سماجی میل ملاپ، دین کی اشاعت کے لئے جدوجہد، برائیوں کی روک تھام ملاخواتی طاقتوں کے حملے کے خلاف وطن کا دفاع اور دیگر اعمال و افعال میں ان کا سامنا ہو سکتا ہے۔ دین اسلام کی یہ بنیادی ہدایت ہے کہ انسان ایسے تمام معاملات میں اللہ پر بھروسہ کرے اور اسی کے سہارے اپنی کشتی کو رداں رداں رکھے۔ صبر کے متعلق اجر و ثواب کا تفصیلی ذکر ایمان اور مصائب کے باب میں گزر چکا ہے۔ صبر والے ہی پرہیزگار ہیں۔ ارشاد ہے۔

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبِئْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبِئْسِ ط أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔ (پہ البقرہ ۱۷۷)
اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی ہیں جنہوں نے اپنی بات سچی کی اور یہی پرہیزگار ہیں۔

تقویٰ پسندیدہ امور کی بنیاد ہے شیخ روٹی فرماتے ہیں۔

خشتِ اول چوں عہد معمار کج ناثریامی رود دیوار کج

جب معمار دیوار کی پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھتا ہے۔ تو وہ آخر تک ٹیڑھی ہی رہتی ہے اس کو بیدھا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ تا وقتیکہ اس کو از سر نو نہ بنایا جائے۔ انسان جب کوئی منصوبہ شروع کرتا ہے، تو وہ اس کی تکمیل کے لئے وسائل کا اندازہ لگاتا ہے، کس قدر اخراجات ہوں گے اور ان کو کہاں سے مہیا کیا جاتے گا۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ میں اسے اپنے وسائل سے مکمل نہیں کر سکتا، تو وہ اپنے دوستوں یا ایسے اداروں کی طرف رجوع کرتا ہے جو اس کی

اعانت کر سکیں۔ پھر حتی الامکان کوشش کی جاتی ہے کہ ایسی فرم یا کمپنی سے معاہدہ کیا جائے جس سے کام کے بدرجہ اتم تکمیل کی ضمانت مل جائے۔ کیونکہ جتنی فرم مالدار اور اہل ہوگی۔ اتنی ہی باعث اطمینان ہوگی۔ کہ گاہک کو وسائل کی کمی کا خوف نہیں رہتا۔ اسلام اسباب دنیا کے ساتھ ساتھ ہر کام کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ و توکل کی تعلیم دیتا ہے۔ دنیوی وسائل کو حادثات پیش آسکتے ہیں۔ یا ایسے دوسرے اسباب کا امکان ہوتا ہے جن کو منصوبہ بندی میں پیش نظر رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ اکثر مشاہدے میں آتا ہے کہ منصوبہ جات مجوزہ مدت سے کہیں زیادہ باہر پائیہ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ اس دین مقین کا حکم یہ ہے کہ انسان اپنے کاموں کی بنیاد تقویٰ پر رکھے۔ انجام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ ایسے ہی کام اللہ کے ہاں پسندیدہ قرار دیئے گئے ہیں۔

ایسے کسی منصوبے کی ابتداء نہ کی جائے جو ملت اسلامیہ میں تفرقہ اور فتنہ و فساد کا باعث ہو۔ اسلام کے پاکیزہ دائرہ کار میں ایسی چیزوں کا وجود بے حد نقصان دہ ہے۔ خواہ ان کا تعلق مادی مسائل سے ہو، یا دینی مسائل سے۔ کلام پاک میں مسجدِ ضرار کی مذمت اور برائی صرف اس لئے کی گئی کہ اس کی بنیاد کا مقصد ملت اسلامیہ میں تفرقہ اور فتنہ و فساد برپا کرنا تھا۔ اس کے برعکس مسجدِ قبا کی تعریف کی گئی۔ کیونکہ اس کی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری پر تھی۔

مسجدِ ضرار مدینہ منورہ سے باہر ایک محلہ قبا تھا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو پہلے اسی محلے میں ٹھہرے۔ قبا میں جہاں آپ نے نمازیں ادا کی تھیں۔ وہاں مسجد تعمیر ہوئی۔ جو مسجدِ قبا کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں محلہ کے تمام لوگ نماز ادا کرتے تھے۔ کچھ لوگوں (منانقین) نے ان کے مقابلے میں وہاں ایک مسجد بنائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ ہم نے یہ مسجد قریب کے لوگوں کے آرام اور سہولت کے لئے تعمیر کی ہے۔ آپ اس میں ایک مرتبہ نماز پڑھ لیں تو یہ مسجد بابرکت ہو جائے گی۔ اس وقت آپ غزوہ تبوک کی تیاری فرما رہے تھے۔ ان سے کہا کہ اس وقت تو فرصت نہیں۔ واپسی پر انتظام کیا جائے گا۔ جب آپ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو مدینہ شریف کے بالکل قریب یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ارشاد ہے۔

اور جنہوں نے بنائی مسجد ضد پر اور کھریج اور
پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں اور گھات لگانے
کو اس شخص کو جو اللہ اور اس کے رسول سے
پہلے سے لڑ رہا ہے۔ وہ قسمیں کھائیں گے
کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی تھی۔ اور اللہ گواہ
ہے۔ کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اس میں کبھی نہ کھڑا
ہو۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول دن سے
پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے، اس لائق ہے
کہ تو اس میں کھڑا ہو۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرًّا وَكُفْرًا
وَتَفْرِيحًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَأَرْضَادًا لِلَّذِينَ
عَارَبَ اللَّهُ دَرَسُو لَهُ مِنْ قَبْلُ وَ
لِيُخْلِفُنَ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ وَ
اللَّهُ لَشَهِيدٌ بِمَا كُفَرْتُمْ
لَا تَقُومِيهِ أَبَدًا لِمَسْجِدٍ أُسِّسَ
عَلَىٰ التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ
أَنْ تَقُومَ فِيهِ ط

(پ۔ توبہ ط (۱-۴-۱۱-۸))

مسجد منازمنا فقیہ نے تعمیر کی تھی۔ وہ اس میں بیٹھ کر اسلام کے خلاف صلاح مشورے کیا
کرتے تھے۔ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور اسلام کی اشاعت میں رکاوٹ ڈالنے کی نیت سے
اسے تعمیر کیا گیا تھا، گویا کہ یہ اللہ کا گھر تھا۔ لیکن اس کی تعمیر کے محرکات اسلام کے خلاف تھے۔
لہذا اسے مٹا دیا گیا۔ حکم ربی سے مسجد کو مسمار کر کے زمین برابر کر دی۔ اس مسجد کی تعمیر کا محرک ابو
عامر تھا۔ یہ مدینہ کے قبیلہ خزرج سے تھا۔ عیسائی ہو کر راہب ہو گیا تھا لوگ اس کی عزت کرتے
تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور اس نے اپنی بات بگڑتے دیکھی
تو اسلام کا دشمن ہو گیا۔ اور ہر غزوه میں کفار کی مدد کی۔ آخر کار شام چلا گیا۔ اور وہاں سے مدینہ کے
منافقوں کو لکھا کہ تم ایک مسجد بنا لو تاکہ ہمارا ایک ٹھکانہ ہو جائے۔ عنقریب میں شام والوں کو
مسلمانوں پر چڑھا کر لاتا ہوں اور وہ ان کا کام تمام کر دیں گے۔ لہذا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کو حکم ہوا کہ اس مسجد میں نماز نہ پڑھیں۔

اس کے بعد مسجد قبا کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرمایا کہ مسجد آپ کے لئے سزاوار ہے جس
کی بنیاد روزِ اول سے پرہیزگاری اور تقویٰ پر رکھی گئی ہے، ہر وہ کام جس کی بنیاد تقویٰ پر ہوگی
اللہ کے ہاں پسندیدہ ہوگا۔

تقویٰ اور معاونت انسان مادی زندگی میں اپنے افعال کی تکمیل کے لئے خواہ وہ اپنے ہوں یا بسے دوسروں کی اعانت کا محتاج ہے۔ مثلاً انسان اکثر

کاموں کو سرانجام دینے سے قاصر ہے۔ چنانچہ وہ دوسروں کو مدد اور تعاون کے لئے پکارتا ہے۔ معاونت کن افعال میں کی جائے اور کن سے گریز کیا جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

تَعَاوَدَ لِرُءِیَ الْبِرِّ وَتَتَّقُوا وَ
لَا تَعَاوَدُوا لِرُءِیَ الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کیا کرو۔

اس طرح تقویٰ معاونت کا ذریعہ ہے۔ ایسے افعال خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی اگر وہ نیکی اور

بھلائی کی طرف رو بہ عمل ہوں تو ان میں اعانت کی جائے، رہنمائی کی جائے۔ اس کے برعکس ایسے افعال جو گمراہی، فتنہ و فساد اور بربائی کی طرف لے جائیں، ان میں اعانت نہ کی جائے۔ یوں تقویٰ معاونت کی کردہی اور نیکی کی عظیم شاہراہ ہے۔

محض اللہ کا ڈر ہو زندگی کے طویل سفر میں مختلف حالات اور اسباب سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ حرص و لالچ، نفع و نقصان سمجھوتوں، بڑوں اور خصوصاً حکام بالا

کی خوشنودی کا معاملہ درپیش رہتا ہے۔ حق کی راہ اختیار کرنے میں مشکلات کا احتمال ہوتا ہے۔ کمزور عقیدہ انسان اکثر دنیاوی نفع و نقصان پر غور و خوض کر کے عزیز رشتہ داروں کی خواہش اور حکام بالا کے دباؤ اور ناراضگی کے پیش نظر حقیقتِ حال سے انحراف کر جاتا ہے۔ حق سے روگردانی کے لئے رنگارنگ کے ڈراوے اس کے سامنے آتے ہیں اور آج کل تو اکثر ڈرا یا دمکا یا جاتا ہے۔ خواہ چوری جیسے ہتھکنڈے عام استعمال ہوتے ہیں، بین الاقوامی سطح پر حکومتوں کے تختے الٹ دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ حکم ہے کہ اللہ ہی سے ڈرا جائے۔ غیر اللہ کا ڈر دل سے نکال دیا جائے۔ ارشاد ہے۔

وَالْتَقُوا اللَّهَ انَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ
دلوں کی باتیں جانتا ہے۔ اب یہاں مطلب کا تعلق باطن سے ہو گیا۔ اگر ظاہر اور باطن میں فرق ہو۔ تو
اللہ کے ہاں منظور نہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔ وَالْتَقُوا اللَّهَ انَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ
لوگو! صرف اللہ سے ڈرو اور ایک مقام پر ارشاد ہے۔ وَ اَنْتُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ اَنْتُمْ اَعْتَدُوا تقویٰ کا یہ ایک اہم

اور دنیاوی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی ذات کا خوف دل میں نہ رکھا جائے۔ وہ خالق و مالک ہے۔ اچھی اور بُری تدابیر سب ہی اس کے احکام کے آگے پہنچ ہیں۔ عزیز اللہ سے ڈر کر۔ کوئی کام کرنا۔ یا کسی نیک کام سے باز رہنا۔ حق بات چھپانا۔ یہ سب تقویٰ کے خلاف ہیں۔ اہل اللہ تو اس پر یہاں تک روز دیتے ہیں عمل کرتے ہیں کہ کبھی کبھی فتویٰ ترک کر دیا جائے۔ اور تقویٰ اپنایا جائے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقویٰ کی بطور خاص تکتین فرمائی۔

تقویٰ الفت و محبت اور دنیا و آخرت کی فلاح کا ذریعہ ہے اللہ سے ڈرنا ایک ایسی خوبی

ہے کہ یہ انسان کو ہر برائی سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ وہ برائی، زیادتی، حلال و حرام اور نیک و بد میں تمیز کر کے ہی کوئی قدم اٹھاتا ہے۔ اگر شیطان اس کے دل میں اپنے بھائی کے لئے کوئی دوسرا ڈالتا ہے، کسی برائی کی طرف مائل کرتا ہے، تو تقویٰ فوراً گرفتِ ربانی کی گھنٹی بجاتا ہے۔ اگر انسان اس سے انتقام نہ لے سکا تو اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اس کی تدبیر سب پر غالب ہے۔ اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ذُو انْتِقَامٍ۔ اللہ غالب انتقام لینے والا ہے، اس طرح وہ برائی اور ظلم کی راہ چھوڑ کر اعتدال اور نیک طرف ہوتا ہے۔ جو بالآخر دنیاوی معاشرہ میں الفت و محبت کا باعث ہوتی ہے۔ یہ ہر دو فوقی کے لئے باعثِ فلاح ہے۔ دنیا میں اچھے کام آخرت میں انجام خیر کے ضامن ہیں۔ کلام پاک میں اس سلسلے میں مختلف آیات ہیں۔ اہل تقویٰ کی کامیابی اور نیک نامی کا ذکر آیا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہے۔ **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ** بیشک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ہے۔ **إِنَّ تَقْوَى اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تَخْلِقُونَ** خدا سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم کامیاب ہو سکو۔ مزید ارشاد ہے۔ **وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا** اور جو آدمی اللہ سے ڈرتا ہے۔ وہ اللہ سے نسیاتہ دُعَاؤُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَخْلِقُونَ۔ اس سے اس کی برائیاں زائل کر دیتا ہے۔ اور اس کو بڑا اجر دیتا ہے۔ برائیاں زائل ہو جائیں یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ جس کے گناہ دھل گئے، وہ جنت کا مستحق ہو گیا۔ گناہوں کی معافی دنیا میں انسان کو بیماری، مصائب اور اس قسم کے دیگر وبالوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس طرح انسان مالی اور بدنی نقصان سے محفوظ رہتا ہے یوں تقویٰ دنیا و آخرت دونوں میں انسان کو فلاح و کامیابی سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں۔ کہ نفس سے سخت تر علاج میں نے کسی چیز کا نہیں دیکھا۔ کبھی تو یہ میرے معین ہوتا ہے اور کبھی مضر۔ حضرت سحر بن معاذ فرماتے ہیں کہ نفس کے ساتھ ریاضت کی طوار سے لڑنا چاہیے۔ اور ریاضت چار طرح پر ہے، تھوڑا کھانا، تھوڑا سونا، بقدر حاجت بولنا، اور سب لوگوں کی ایذا کو سہنا، تھوڑے کھانے سے شہوت مرہلتی ہے، اور تھوڑے سونے سے نیت صاف ہو جاتی ہے، کم بولنے سے آفتوں سے سلامت رہتا ہے۔ آپ ہی نے فرمایا کہ انسان کے دشمن تین ہیں، دنیا، شیطان اور نفس۔ تو دنیا سے زہد کے ذریعے بچنا چاہیے۔ اور شیطان سے اس کی مخالفت کرنے سے ترک شہوات سے بعض حکما کا قول ہے کہ جس شخص پر نفس غالب ہو جاتا ہے وہ اس کی چاہ میں قید ہو جاتا ہے اور بیڑیاں اور طوق پڑ جاتے ہیں۔ باگ اس (نفس) کے قبضہ میں ہوتی ہے۔ جدھر چاہتا ہے لئے پھرتا ہے۔

حضرت امام جعفرؒ فرماتے ہیں کہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ عیش دائمی بے عیش چھوڑے نہیں ملتی۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں جاگا، اور نماز پر کھڑا ہوا، کچھ وہ لذت نہ ملی جو ہمیشہ ہوتی تھی۔ تو ارادہ کیا کہ سو رہوں، یہ بھی نہ ہو سکا، پھر بیٹھا چلا، یہ بھی ممکن نہ ہوا۔ آخر مکان سے نکلا ایک آدمی کبل میں لپٹا ہوا راستے میں لیٹا ہے۔ جب اس نے میری آہٹ سنی تو اس نے کہا اے ابو قاسم اس وقت ذرا میرے پاس آنا۔ میں نے کہا میاں صاحب پہلے سے تو آپ نے اطلاع نہیں فرمائی۔ اس نے کہا ٹھیک ہے کہ میں نے اللہ سے دعا مانگی تھی کہ تمہارے دل کو میرے لئے شوکت دے۔ میں نے کہا یہ تو اللہ تعالیٰ نے کیا۔ اب آپ فرمائیں کیا مطلب ہے۔ اس نے کہا کہ نفس کے درد کا کس وقت علاج ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا جب آدمی خواہش نفس کے خلاف کرتا ہے۔ یہی اس کا علاج اور دوا ہے۔ پس وہ شخص اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوا، اور کہنے لگا کہ میں نے تجھ کو سات بار یہی جواب دیا تھا۔ تو نے نہ مانا اور کہا کہ جنید سے سنوں گا۔ لے اب سن لیا۔ پھر وہ شخص چل دیا اور میں نے نہ پہچانا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس کو شوق جنت کا ہو۔ وہ دنیا میں شہوت سے الگ رہے۔ اس طرح اور بھی علماء حکما کے اقوال ہیں۔ المختصر علماء و حکما کا اس پر اتفاق ہے کہ سعادت اخروی کا طریقہ نفس کو اس کی خواہشات سے روکنے اور شہوات کی مخالفت کے سوا اور کوئی

نہیں ہے۔

ایک بزرگ نے حضرت سفیان ثوریؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ دو پردوں کے ساتھ بہشت میں اڑتے پھر رہے ہیں۔ پوچھا یہ مرتبہ کیسے ملا۔ آپ نے جواب دیا، پرہیزگاری کے باعث حضرت عیسیٰؑ ایک مرتبہ تشریف لے گئے اور مردے کو آواز دی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے مردہ زندہ ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں ممال تھا اور لوگوں کا سامان اٹھا کر لے جایا کرتا تھا۔ ایک روز کسی کی کڑیاں اٹھا کر لے جا رہا تھا۔ ان میں سے ایک خلال (سواک) میں لے توڑ لیا۔ مرنے کے بعد سے آج تک اسی خلال کے مطالبے میں گرفتار ہوں۔

تقویٰ کی تکمیل یعنی پرہیزگاری کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک انسان میں دس خصوصیات پیدا نہ ہوں۔

۱۔ زبان کو غیبت سے بچانے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا يَغْتَاب بَعْضُكُم بَعْضًا مِمَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ (مجادلہ: ۱)۔ ایک دوسرے کو غیبت نہ کرو۔

۲۔ بدگمانی سے بچنے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، بہت بدگمانیوں سے بچو، اس لئے کہ بعض بدگمانی گناہ ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بُرے گمان سے دور رہو، کیونکہ بُرا گمان ایک طرح کا جھوٹ ہے۔

۳۔ ہنسی مذاق اور عظمیٰ کرنے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ترجمہ: مسلمانوں ایک دوسرے سے تمسخر نہ کرو، طعن نہ دو، ایک دوسرے کا نام نہ دھرو (مجادلہ: ۱)۔

۴۔ حرام کی طرف نہ دیکھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ لے پیغمبر مومنوں سے کہہ دو، کہ اپنی نگاہیں ممنوعات سے بند رکھیں۔

۵۔ زبان سے سچی بات کہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جب بات کرو تو انصاف کی کرو۔

۶۔ اللہ کا احسان۔ اپنے نفس پر بھروسہ نہ کرے، نہ اسے اچھا جانے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھ پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تجھے ایمان کا راستہ دکھایا۔

۷۔ اپنے مال کو مستحق افراد پر خرچ کرے۔ نہ کہ ان لوگوں پر جو اس کے مستحق نہیں یا جو باطل کام

کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ مومنوں کی تعریف فرماتا ہے۔ وہ لوگ خرچ کرنے والے ہیں۔ یہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں یعنی گناہوں اور ممنوعات میں خرچ نہیں کرتے اور اللہ کے حکم مطابق خرچ کرنے میں سستی نہیں کرتے۔

۸- بڑے اور بلند مرتبے حاصل کرنے کی خواہش نہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، آخرت کا گھر (بہشت) ہم ان لوگوں کو دیتے ہیں۔ جو دنیا میں بڑے بڑے مرتبوں کی خواہش نہیں کرتے اور نہ فساد کرتے ہیں۔

۹- پانچوں وقت کی نماز ادا کرے۔ سجد اور رکوع اچھی طرح بجالائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تم نمازوں کو نگاہ میں رکھو۔ خاص کر درمیانی نماز یعنی عصر کو اور اللہ کے مابعد ربو۔

۱۰- سنت رسول کی پیروی کرے اور مسلمانوں کے ساتھ شامل رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور یقیناً یہ میری سیدھی راہ ہے، تم اس (سنت) پر چلو۔ دوسری راہ مت اختیار کرو۔ اگر دوسرے راستوں میں داخل ہو گئے، تو اللہ کے سیدھے راستے سے بہک جاؤ گے۔

تقویٰ حکمت و دانائی کا منبع ہے
بندگان دین کا قول ہے، رضا کاشف اسرار ہے، انسان جب تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے

احکام کے مطابق عمل پیرا ہوتا ہے، تو اس میں حکمت و دانائی کی خوبیاں ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اعانت اس کی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے۔ وہ نور الہی سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ”اصل دانائی و حکمت خدا کا خون ہے۔“

تقویٰ کی اہمیت اور فضیلت
تقویٰ کو دین اسلام میں انتہائی اہم مقام حاصل ہے، کلام پاک میں تقویٰ کے متعلق بار بار ارشاد

ہوا ہے۔ تقویٰ اختیار کرنے کا حکم اٹھاسی مرتبہ اور صرف سورۃ بقرہ میں ۱۴ مرتبہ مختلف احکامات کے بعد تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اس کے دیگر امور کا بیالیس بار اور متقی کے اوصاف و خصائص کا پچاسی مرتبہ ذکر آیا ہے، کلام پاک میں غالباً اور کسی چیز پر اتنا زور نہیں دیا گیا، جتنا کہ تقویٰ کا حکم اور اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے، جس سے تقویٰ کی قدر و منزلت کا اظہار ہوتا ہے۔ تقویٰ ایک ایسا جامع لفظ ہے جو تمام تعلیمات کے غلاف کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ

اسلام کی تمام عبادت، دینی معاملات، اخلاقیات اور دعائیات کا مقصد اور نشانہ ہے کہ ایک مسلمان کے دل میں خدا خوفی اور خدا ترسی کی روح پیدا ہو جائے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ تقویٰ تمام نیکیوں کی جان اور اخلاق کی روح ہے، اگر تقویٰ نہ ہو تو تمام معاملات بے روح اور بے جان ہوتے ہیں۔ اعمال کا بناؤ سگھارا اور حسن و خوبی تقویٰ ہے اور آخرت میں درجاتِ عالیہ اور فلاح و کامیابی انہیں کے باعث نصیب ہوگی۔ حدیث پاک ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک نسب مقرر کیا ہے جو تمہارے نسب سے الگ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں نے جسے کو بزرگ بنایا مگر تم نے تسلیم نہیں کیا۔ آج میں تمہارے نسب پست کر دوں گا اور اپنے نسب کو بلند کر دوں گا پھر ارشاد ہوگا۔ بلاؤ متھی کہاں ہیں۔ (طبرانی)

متقین جو اللہ کے ہاں سب سے برگزیدہ قرار دیئے گئے ہیں۔ ان کی متقیوں کی صفات خوبیوں کا کلام پاک میں مختلف آیات میں ذکر آیا ہے۔ ان میں

سے بعض یہ ہیں۔

- | | |
|--|---|
| ۱۔ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ۔ | وہ لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ |
| ۲۔ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَرِمَا كَرْتَهُمْ وَيُنْفِقُونَ۔ | نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ |
| ۳۔ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔ | اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں۔ اس پر جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا۔ |
| ۴۔ بِالْأَخْوَةِ هُمْ يُؤْمِنُونَ۔ | آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ |

مراد تمام آسمانی اور الہامی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ مزید ارشاد ہے۔

- | | |
|---|--|
| الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّا أَلْمَأْنَا | وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے |
| فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقْتَنَا عَذَابِ النَّارِ | سودھارے گناہ بخش دے۔ اور ہمیں دوزخ کے |
| الضَّالِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ | عذاب سے بچا۔ صبر کرنے والے اور سچے اور حکم |

بجالانے والے اور خرچ کرنے والے اور کھلی
رات میں گناہ بخشوانے والے ۔

وَالنَّفِيعِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ
بِالْأَسْحَارِ - (پ - آل عمران - ۱۷)

سے نہ چھوڑنے والے دل نفعان صبح کا ہی امان شاید طے اللہ ہو میں

علائے کرام نے ان مضامین کی یوں تشریح فرمائی ہے کہ متعین ۱۔

۱۔ متعین اپنے تقویٰ اور پرہیزگاری پر مغرور نہیں ہوتے بلکہ وہ عجز و انکسار کے ساتھ اللہ

کے سامنے ہمیشہ اپنے گناہوں کی معافی کے لئے دست بردار ہوتے ہیں ۔

۲۔ مصائب پر صبر کرتے ہیں ۔

۳۔ سچ بات کرتے ہیں ۔

۴۔ اللہ کے احکام بجالاتے ہیں ۔

۵۔ اللہ کی دی ہوئی دولت سے خرچ کرتے ہیں ۔

۶۔ شب کے پچھلے حصے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتے ہیں ۔ مراد شب کے آخری

حصے میں عبادت کرتے ہیں ۔

ابھی بات کا حکم کرتے ہیں اور بڑے کاموں

سے منع کرتے ہیں ۔ اور نیک کاموں پر

دوڑتے ہیں ۔

جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کئے جاتے

ہیں اور غصہ دبا لیتے ہیں ۔

اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں ۔

وہ لوگ جو کچھ کھلا گناہ کر بیٹھیں یا اپنے حق

میں ظلم کر لیں تو اللہ کو یاد کر لیں اور اپنے

گناہوں کی بخشش مانگیں ۔

۶۔ يَا مُرُونَ بِالنُّعُوتِ وَيَسْهَوْنَ

عَنِ الْمُنْكَرِ - وَيَسَارِعُونَ فِي

الْمَخِيرَاتِ (آل عمران - ۱۱۴)

۷۔ الَّذِينَ يَتَّقُونَ فِي السَّرَّاءِ

وَالضَّرَّاءِ وَالْكَلِيمِينَ الْغِيظَ

رَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ط -

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْعَلُوا نَاجِسَةً

أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ

فَاسْتَغْفَرُوا وَإِلَازِمُهُمْ (آل عمران - ۱۳۵)

توچیدہ چیدہ صفات یہ ہوتیں ۔

۱۔ اللہ کی دی ہوئی دولت سے تمگی اور فراخی میں خرچ کرتے ہیں ۔

۲۔ غصہ ضبط کر لیتے ہیں۔

۳۔ دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔

۴۔ غلطی اور گناہ کی صورت میں فی الفور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی مختلف آیات قرآنی میں متقین کی صفات کا ذکر آیا ہے۔ ہمیں قرآنی آیات میں غور و خوض کر کے اپنا موازنہ کرنا چاہیے۔ اپنے اعمال کو اس طرح انجام دینا چاہیے کہ ہم صحیح معنوں میں متقی بن جائیں۔

ارشاد ربانی ہے۔ **إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ**۔ بے شک بھلا انجام **متقین کا اجر** پر ہمیزگاروں کا ہے۔ مزید ارشاد ہے۔

وہ جو لوگ ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔ انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں آخرت میں۔ (اعلیٰ حضرت بریلویؒ)

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ
لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْآخِرَةِ ۚ يَرَوْنَ سَعَةً

اسی کے حاشیہ میں ہے۔

اس خوشخبری سے یا تو وہ مراد ہے۔ جو پرہیزگار ایمانداروں کو قرآن کریم میں جا بجا دی گئی ہے۔ یا بہترین خواب مراد ہے۔ جو مومن دیکھتا ہے۔ یا اس کے لئے دیکھا جاتا ہے جیسا کہ کثیر احادیث میں وارد ہوا۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ دلی کا قلب اور اس کی روح دونوں ذکر الہی میں مستغرق رہتے ہیں۔ تو وقت خواب اس کے دل میں سولے ذکر و معرفت الہی کے اور کچھ نہیں ہوتا، اس لئے جب دلی خواب دیکھتا ہے تو اس کی خواب حق اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حق میں بشارت ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے اس بشارت سے دنیا کی نیک نامی بھی مراد لی ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا اس شخص کے لئے کیا ارشاد فرماتے ہیں جو نیک عمل کرتا ہے۔ اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں فرمایا یہ مومن کے لئے بشارت عاجلہ ہے۔ علما فرماتے ہیں کہ یہ بشارت عاجلہ رضائے الہی اور اللہ کے محبت فرمانے اور خلق کے دل میں محبت ڈال دینے کی دلیل ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اُس کو زمین میں مقبول کر دیا جاتا

ہے۔ حضرت قتادہؓ نے کہا کہ ملائکہ وقت موت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دیتے ہیں۔
 علما کا قول ہے کہ دنیا کی بشارت وہ ہے۔ جو ملائکہ وقت موت سناتے ہیں۔ اور آخرت
 کی بشارت وہ ہے۔ جو مومن کو جان نکلنے کے بعد سنائی جاتی ہے۔ کہ اُس سے اللہ راضی
 ہے۔

وہ لوگ جو دنیا کی رغبت اور کھشش جو کہ ایک فطری بات ہے اور از خود گناہ نہیں
 کے حصول میں جائز حدود کا خیال رکھتے ہیں۔ ان کی محبت میں دین اسلام کی مقرر کردہ حدیں
 نہیں پھلانگتے۔ خواہشات نفسانی جس میں مل و دولت جمع کرنا، بیوی بچوں کی محبت اور دیگر دنیوی
 وسائل سے استفادہ وغیرہ شامل ہے۔ ان میں پرہیزگاری اور حلال و حرام کی تمیز برقرار رکھتے ہیں
 نفس کو ان کی محبت میں مغلوب ہونے سے بچا لیتے ہیں۔ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے دوام
 کے پیش نظر اپنے دامن کو گناہوں کی آلودگیوں سے بچا کر گزرتے ہیں۔ ان سے اخروی زندگی میں
 اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

کہہ کیا میں تمہیں اس سے بہتر بتاؤں۔ پرہیزگاروں
 کے لئے اپنے رب کے ان باغ ہیں جن کے
 نیچے نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے۔
 ستھری عورتیں ہیں۔ اور اللہ کی رضا مندی اور
 اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔

قُلْ اَوْ نَبِّئْكُمْ بِغَيْرِمْ ذٰلِكُمْ هَلْ لِّلَّذِيْنَ
 اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِيْ
 مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
 فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ
 مِّنَ اللّٰهِ هٰذَا الَّذِيْ يَصِيْرُ بِالْعِبَادِ
 (پت۔ آل عمران۔ ۱۵)

اس طرح اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاروں کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں، ہمیشہ
 کی زندگی ہوگی۔ پاکیزہ بیویاں خدمت کے لئے موجود ہوں گی۔ باغ ہوں گے ٹھنڈے اور میٹھے پانی
 کی نہریں ہوں گی ان کی ٹھنڈک اور میٹھاس کا اندازہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں دل کو مسرت
 خوشی اور دائمی اطمینان حاصل ہوگا۔ ایک اور مقام پر یوں ذکر فرمایا:

اُولٰٓئِكَ جَزَاءُ هُم مَّغْفِرَةٌ مِّنْ اٰرْبَابِهِمْ
 وَجَنَّاتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ
 انہیں لوگوں کی جزا ہے۔ ان کے رب سے
 بخشش اور باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں

خُلِدِينَ نَبُهَا وَعَمَّا جُرِّ
الْعَمَلِينَ (پک - آل عمران - ع)

اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ نیک کام کرنے والوں کا اچھا اجر ہے۔

اس سے سابق آیات کا تعلق اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہے کہ وہ ظاہر اور چھپا کر تنگی اور فراخی مہر حال میں اللہ کی محبت میں اس کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں، اپنی غلطی یا گناہ پر اصرار نہیں کرتے بلکہ جیسے ہی غلطی کا احساس ہوتا ہے، فوراً اسے تسلیم کر لیتے اور معافی کے لئے اللہ سے دعا کرتے ہیں۔

جنت جس کا متقیوں سے وعدہ فرمایا۔ اس کی مثال کلام پاک میں جنت کی مثال یوں ارشاد ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ -
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
مُكَلَّاتٍ لَبَّاءُ وَظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ
الَّذِينَ اتَّقَوْا - (پک الرعد ع)

حوال اس جنت کا کہ ڈر والوں کے لئے جس کا وعدہ ہے۔ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اس کے میوے ہمیشہ اور اس کا سایہ۔
ڈر والوں کا تو یہ انجام ہے۔

یہ ایسی جنت ہے جس کے میوے اور سایہ دائمی ہے۔ ان میں سے کوئی زائل یا منقطع نہیں ہو سکتا۔ جنت کا حال عجیب ہے۔ اس میں نہ سورج ہوگا اور نہ چاند اور نہ تاریکی اس کے باوجود سایہ ہوگا۔ یہ متقیوں کا انجام اور اجر ہے۔ مزید ارشاد ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ -
أَدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ أَمِينٍ لَا تَرْجَعُنَا
فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ إِخْوَانًا عَلَى
سُرِّ مُتَقَبِّلِينَ هَلَا يُسْمِعُونَهَا
نَصَبٌ وَنَهْمٌ مِنْهَا بِمُخْرِجِينَ ه
رَبِّ الْحَجْرِ - ع

بے شک ڈر والے باغوں اور چشموں میں ہیں۔ ان میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ امان میں اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کچھ کہنے تھے سب کھینچ لئے۔ آپس میں بھائی ہیں تمہوں پر در برد بیٹھے ہیں۔ نہ انہیں اس میں کچھ تکلیف پہنچے۔ نہ وہ اس میں سے نکالے جائیں۔

متقیوں کو حکم ہوگا جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ پھر نہ یہاں موت آئے گی اور نہ کوئی آفت رونما ہوگی۔ اس میں دائمی عیش اور راحت ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو حسد و غدار

اور عداوتِ دُخْرہ کی مذموم خصلتوں سے پاک کر دے گا۔ اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے والے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مجھے امید ہے کہ میں عثمان، طلحہ اور زبیر انہیں میں سے ہیں۔ یعنی ہمارے سینوں سے بغض و حسد اور عناد و عداوت نکال دیا گیا ہے، ہم آپس میں خاص محبت رکھنے والے ہیں۔ مستقیماً کے اجر کے متعلق مزید ارشاد ہے۔

احوال اس جنت کا جس کا وعدہ پر ہمیز گاردوں سے

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ ۝

ہے۔ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو کبھی

بِهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ ۝

نہ بگڑے اور ایسے دودھ کی نہریں جس کا مزہ نہ

أَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَوِ تَغَيَّرَ طَعْمُهُ ۝

بملا اور ایسی شراب کی نہریں جس کے پینے میں

أَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذِيَّةٍ لِلشَّرِيبِينَ ۝

لذت ہے، اور ایسی شہد کی نہریں جو صاف

وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى ۝ وَلَهُمْ فِيهَا

کیا گیا، اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل

مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۝

ہیں اور اپنے رب کی مغفرت۔

رَبِّهِمْ ۝ (پ۔ محمد۔ ص ۷)

جنت کا پانی ایسا لطیف ہوگا، کہ نہ سڑے، نہ اس کی بو بد لے اور نہ ذائقے میں فرق آتے۔

دنیا کا درد خراب ہو جاتا ہے، گرمی اور سردی اس پر اثر انداز ہوتے ہیں، لیکن جنت کی نہروں

کا دودھ کبھی خراب نہ ہوگا۔ اور نہ ہی مزہ بدلے گا۔ وہاں کی شراب میں لذت ہی لذت ہے۔ ہماری

بنائی ہوئی شراب کی طرح اس کا ذائقہ خراب نہیں نہ اس میں میل کچیل اور خراب چیزوں کی آمیزش، نہ

وہ سڑ کر بنی، اس سے نہ شمار آئے گا، نہ عقل زائل ہوگی اور نہ سر جھکائے گا۔ یہ سب برائیاں دنیا کی

شراب میں پائی جاتی ہیں۔ جنت کی شراب ان تمام معیوب سے پاک ہے۔ نہایت لذیذ اور خوشگوار

ہے۔ جنت کا شہد صاف پیدا کیا گیا ہے۔ دنیا کے شہد کی طرح نہیں کہ مکھی نے بنایا ہو۔ اس میں

سے موم وغیرہ صاف کرنا پڑتا ہے۔ جنت کی نہروں کا شہد ان سب سے مبرا ہے اور مزید یہ کہ

ان کے لئے جنت میں ہر قسم کے پھل موجود ہوں گے، جو چاہیں جہاں سے چاہیں اور جتنا چاہیں کھائیں۔

کوئی حساب کتاب نہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت سے نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے سب مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ (آمین۔ غمہ آمین) مزید ارشاد ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

جس دن ہم پر ہمیز گاردوں کو رحمن کی طرف سے

وَقَدْ لَا تَسْوَى الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ
 جائیں گے۔ یہاں جا کر مجرموں کو جہنم کی طرف
 وِرْدًا رِطًا۔ مریم۔ ع، ہانکیں گے پیاسے۔

مطلب بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ پہنچا رہے گا اور پھر انہیں
 درجات سے نوازا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مومنین، متقیین، حشر میں
 اپنی قبروں سے سوار کر کے اٹھائے جائیں گے۔ اور ان کی سواروں پر طلائی مرصع زینیں اور پٹان ہوں
 گئے، اور مجرموں کو پیاس، ذلت اور اعانت کے ساتھ ہانکیں گے

جو اللہ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو جنتیں ہیں

قرآن کریم ارشاد ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ
 جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرے
 اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔

جو اللہ اور قیامت پر ایمان لایا۔ اسے قیامت کے دن اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔
 اللہ کے روبرو کھڑا ہونا ہے۔ چنانچہ جس شخص کے دل میں خوف ہو کہ اسے ایک دن اللہ کے
 حضور کھڑا ہو کر حساب چکانا ہے، نیکیوں کی جزا اور گناہوں پر گرفت ہوگی، جس شخص کو یہ خون
 دامن گیر رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے دو جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ جنت عدن اور
 جنت نعیم، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک جنت رب سے ڈرنے کا صلہ اور ایک شہوات ترک کرنے
 کا صلہ۔ بعض علما نے اس سے جنت کے دو باغ معنی لئے ہیں۔ بہر حال اللہ جل جلالہ کی حضوری
 کا خوف انسان کو ہر بانی سے محفوظ رکھتا ہے۔ گناہ سے باز رہنے کی گھنٹی بجاتا ہے۔ برائی کی راہ
 چھوڑ کر نیکی کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اس طرح خوف خداوندی
 ہمیشہ ہمیشگی کی فلاح اور کامیابی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

حضرت سیدنا محمد فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک نوجوان عابد و زاہد کو ایک

واقعہ پیش آیا۔ خوفِ خداوندی نے کس طرح اسے برائی سے بچایا اور اجر کیا ملا۔ ملاحظہ فرمائیں۔
 حضرت سحیٰ بن ابی ایوب الخزامی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک نوجوان عابد و زاہد تھا۔ امیر المؤمنین اس کو بہت
 پسند فرماتے اس کا باپ پڑھتا تھا تو جب وہ نمازِ عشاء سے فارغ ہو کر اپنے باپ کی طرف لوٹتا تو
 اس کے راستے میں ایک عورت رہتی تھی جو اس پر فریفتہ تھی۔ چنانچہ وہ اپنے دروازے پر اس کے
 گزرنے کے وقت کھڑی ہوتی اور اس کو دیکھتی۔ ایک رات اس عورت نے اس نوجوان کو بہکانا
 شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ نوجوان اس کے بہکانے میں آ کر اس کے گھر میں داخل ہو گیا تو ایک دم
 اس کو خدا یاد آیا اور وہ اس برائی سے بیزار ہو گیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہوئی۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ ۝
 بے شک جو لوگ پرہیزگار ہیں جب ان کو شیطان کا طائفہ مس کرتا ہے تو وہ (خدا) کو یاد
 کرنے لگتے ہیں تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

اور ایسا خوفِ خدا اس پر طاری ہوا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ عورت مذکورہ نے ایک
 بامدی کو بلایا اور دونوں نے اسی نوجوان کو اٹھا کر اس کے دروازے پر ڈال دیا۔ جب وہ اپنے باپ
 کے پاس نہ پہنچا تو اس کا باپ اس کی تلاش میں نکلا۔ جونہی اس کے باپ نے دیکھا تو اس کو
 دروازے پر بے ہوش پڑا پایا۔ اس نے اپنے بعض گھروالوں کو بلایا اور انہوں نے اس نوجوان
 کو اٹھا کر اس کے گھر میں داخل کیا جب اس کو افاقہ ہوا تو باپ نے کہا بیٹا تجھے کیا ہوا؟ بیٹے
 نے کہا خیر ہے ما باپ نے کہا خدا کے واسطے مجھے بتادے؟ تو بیٹے نے باپ کو واقعہ بتا دیا!
 باپ نے کہا بیٹا تو نے کونسی آیت پڑھی تھی۔ بیٹے نے وہی آیت پھر پڑھی تو پھر اس پر خوف
 طاری ہوا اور پھر وہ بے ہوش کر گر پڑا، باپ نے اس کو بلایا مگر وہ مرجھا تھا گھروالوں نے
 ات ہی رات میں اس کو کفنِ دفن کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو یہ خبر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
 کے پاس پہنچی تو آپ اس نوجوان کے باپ کے پاس تشریف لائے اور تعزیت کی اور فرمایا
 مجھے کیوں نہیں بلایا؟ اس نے کہا اے امیر المؤمنین رات کی وجہ سے آپ کو تکلیف نہ دی تو
 فرمایا اچھا مجھے اس کی قبر پر لے جاؤ۔

فَاتَى عُنُرٍ وَمِنْ مَعَهُ الْقَبْرِ فَقَالَ عُمَرُ
 يَا فُلَانُ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ
 فَأَجَابَهُ الْفَقِيْ مِنْ دَاخِلِ الْقَبْرِ يَا
 عُمَرُ قَدْ أُعْطِيَتْهَا رَبِّي نِي الْجَنَّةِ
 مَوْتَيْنِ =

ذکر جمیل ۱۱۸ - ۱۱۹ بحوالہ

شرح المصابیح

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے
 فلاں! ولین خاف مقام ربہ جنتان (جو اپنے
 رب کے دربار میں اپنے اعمال کی جوابدہی سے
 ڈرتا ہے۔ تو اس کے لئے دو جنتیں ہیں) تو

اُس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا
 اے عمر مجھ کو میرے رب نے دو جنتیں عطا
 فرمادی ہیں۔

حضور انور صحابہ کرام اور تقویٰ

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی کا ہر پہلو، ہر عادت اور ہر خصلت اس قابل ہے کہ اس کو اختیار کیا جائے اور اس کا اتہاس کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے محبوب پاک کی مصاحبت اور رفاقت کے لئے منتخب کیا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں بنی آدم کی بہترین قرن اور زمانہ میں بھیجا گیا ہوں۔ اس لئے یہ زمانہ ہر لحاظ سے خیر کا تھا۔ اور زمانہ کے بہترین آدمی حضور پر نور کی صحبت میں رکھے گئے۔ چنانچہ سید الانبیاء اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات مبارکہ میں پیش آنے والے چند واقعات بضمن تقویٰ نقل ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ
حضور کی ایک جنازہ سے واپسی اور ایک عورت کی دعوت
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

ایک جنازہ سے واپس تشریف لارہے تھے کہ ایک عورت کا قاصد کھانے کی درخواست لے کر پہنچا۔ حضور خدام سمیت تشریف لے گئے اور کھانا سامنے رکھا گیا، تو لوگوں نے دیکھا کہ حضور رقمہ چبا رہے ہیں۔ نگلا نہیں جاتا۔ حضور نے فرمایا، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بکری کا گوشت مالک کی بغیر اجازت کے لیا گیا ہے۔ اس عورت نے عرض کیا، یا رسول اللہ میں نے ریوڑ میں بکری خریدنے کے لئے آدمی بھیجا تھا۔ وہاں ملی نہیں پڑوسی نے بکری خریدی تھی میں نے اس کے پاس قیمت سے لینے کو بھیجا وہ تو طے نہیں، ان کی بیوی نے بکری بھیج دی۔ حضور نے فرمایا کہ قیدیوں کو کھلا دو۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام رات جاگتے رہے اور کریمیں بدلتے رہے ازدواج مطہرات میں سے کسی نے عرض کیا، یا رسول اللہ آج نیند کیوں نہیں آتی۔ ارشاد فرمایا کہ

ایک کھجور پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اٹھا کر کھالی کہ ضائع نہ ہو جائے۔ اب مجھے یہ فکر ہے کہیں وہ صدقہ کی نہ ہو۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی علوشان کے مقابلے میں مشتبہ چیز کا گلے میں اٹک جانا کوئی ایسی اہم بات نہیں۔ حضور کے ادنیٰ غلاموں کو بھی ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک غلام کاہن کے کھانے سے قے کرنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام تھا، جو غلہ کے طور پر آمدنی میں سے آپ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کچھ کھانا لایا اور حضرت نے اس میں سے ایک لقمہ تناول فرمایا۔ غلام نے عرض کیا، کہ آپ روزانہ دریافت فرمایا کرتے تھے، کہ کس ذریعہ سے کمایا ہے۔ آج دریافت نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے دریافت کرنے کی نوبت نہیں آئی، اب بتاؤ۔ عرض کیا میں زمانہ جاہلیت میں ایک قوم پر گزرا اور ان پر منتر پڑھا، انہوں نے مجھ سے وعدہ کر رکھا تھا، آج میرا گزرا دھر کو ہوا تو ان کے ہاں شادی ہو رہی تھی۔ انہوں نے یہ مجھے دیا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کہ تو مجھے ہلک ہی کر دینا۔ اس کے بعد مطلق میں ہاتھ ڈال کر قے کرنے کی کوشش کی مگر ایک لقمہ وہ بھی بھوک کی صورت میں کھایا گیا تھا نہ نکلا، کسی نے عرض کیا، کہ پانی سے قے ہو سکتی ہے۔ ایک بہت بڑا پیالہ پانی کا منگایا۔ اور پانی پی پی کر قے فرماتے رہے، یہاں تک کہ وہ لقمہ نکلا۔ کسی نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، یہ ساری مشقت اس ایک لقمہ کی وجہ سے فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میری جان کے ساتھ بھی یہ لقمہ نکلتا تو میں اس کو نکالتا۔ میں نے حضور سے سنا ہے کہ جو بدن مال حرام سے پرورش پائے آگ کے لئے بہتر ہے۔ مجھے یہ ڈر ہوا کہ میرے بدن کا کوئی حصہ حرام مال سے پرورش نہ پائے۔

بیت المال کے وظیفہ میں کمی خلیفہ بننے کے بعد بھی ذریعہ معاش کے طور پر کپڑے کو تجارت جاری رکھنی چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصرار کیا کہ اس طرح آپ خلافت کے کاموں میں پوری توجہ نہ فرما سکیں گے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصرار پر بیت المال سے وظیفہ لینے پر راضی ہو گئے، اب مسئلہ یہ تھا کہ وظیفہ کی مقدار کیا ہو۔ غور و فکر کے بعد آپ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں حضرات حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امین کا لقب عطا فرمایا تھا۔ ان کے پاس گئے اور وظیفہ کی مقدار مقرر کروائی۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو ایک ہاجرہ کو ادسٹا ملتا تھا، مقرر فرما دیا۔ سبحان اللہ! خلیفہ وقت مواخذہ کے خوف سے اپنا معاملہ دوسروں کے سپرد کر دیتے ہیں ایک مرتبہ اہلیہ محترمہ نے درخواست کی کوئی میٹھی چیز کھانے کو جی چاہتا ہے آپ نے فرمایا۔ کہ میرے پاس دام نہیں کہ خریدوں۔ اہلیہ نے عرض کی۔ کہ ہم روز کے کھانے سے تھوڑا تھوڑا بچا لیا کریں، کچھ دنوں میں اتنی مقدار ہو جائے گی، آپ نے اجازت فرمادی، اہلیہ محترمہ نے کئی روز میں تھوڑے سے پیسے جمع کئے۔ آپ نے فرمایا، کہ تجربہ سے معلوم ہوا، کہ بیت المال سے اتنی مقدار میں زیادہ ملتی ہے، اس لئے جو اہلیہ محترمہ نے جمع کیا تھا۔ وہ بھی بیت المال میں جمع فرما دیا۔ ادا آئندہ کے لئے اتنی مقدار جو روزانہ کے حساب سے جمع کی تھی۔ وظیفہ سے کم کر دیا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفیق نبوت بالاتفاق تمام انبیاء کے بعد افضل البشر ہیں۔ شافع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو جنت کی بشارت دی، بلکہ قیامت کے دن آپ ایک جنتی جماعت کے سردار ہوں گے۔ بہشت کے ہر دروازے سے آواز آئے گی کہ یہاں سے بہشت میں داخل ہوں۔ آپ اپنے نفس کا بڑی سختی سے محاسبہ فرماتے تھے۔ خوفِ خداوندی انتہا درجے پر تھا۔ گھاس پھوس کو دیکھ کر فرماتے کاش میں گھاس کا تنکا ہوتا جسے مولشی کھا لیتے۔ میں پرندہ ہوتا۔ جس سے قیامت کے دن حساب کتاب نہ ہو گا، تاکہ مواخذہ سے بچ جاؤں۔ القصہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذاتی محاسبہ کے بے شمار واقعات ہیں جن سب کا ذکر یہاں محال ہے۔

وظیفہ کی واپسی ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب وفات کا وقت قریب آیا، تو آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ بیت المال ملے کچھ یوں۔ مگر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ مانا کہ وقت ہوگی۔ اور تمہاری تجارت کی مشغولی سے مسلمانوں کا حرج ہوگا۔ اس مجبوری سے مجھے لینا پڑا۔ اب میرا فلان باغ اس کے عوض دے دیا جائے۔ جب آپ کا وصال ہو گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور والد کی وصیت کے مطابق۔ وہ باغ دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جل شانہ تمہارے باپ پر رحم فرمائیں۔ انہوں نے یہ چاہا کہ کسی کو اب کشتائی کا موقع ہی نہ دیں۔

مسلمانوں کے لئے غور کا مقام ہے، اول تو مقدار ہی کیا مقرر کر دانی تھی۔ اور وہ بھی اہل ارادت کے اصرار پر کیا تھا۔ اور اس میں بھی جتنی احتیاط ہو سکتی تھی کر دی۔ بیوی نے سنگی اٹھا کر جو کچھ میٹھے کے لئے جمع کیا تھا، وہ بیت المال میں جمع فرما دیا۔ اور اتنی مقدار مستقل کم کر دی، اور سب سے آخر میں جو کچھ لیا تھا، اس کے معاوضے کا بندوبست فرما دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ دودھ نوش فرمایا۔ اس میں مزہ صدقہ کا دودھ کچھ عجیب نیا معلوم ہوا۔ جن صاحب نے پلایا تھا ان سے دریافت فرمایا کہ دودھ کیسا ہے۔ کہاں سے آیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں جنگل میں صدقہ کے اونٹ چر رہے تھے۔ میں وہاں گیا تو ان لوگوں نے دودھ نکالا۔ جس سے مجھے بھی دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منہ میں ہاتھ ڈالا اور قے فرما دیا۔

مشک کی تقسیم آپ کی خدمت میں ایک مرتبہ بحرین سے مشک آیا ارشاد فرمایا کہ کوئی تولیہ کہ اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دینا۔ آپ کی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا میں تول دوں گی۔ آپ نے سن کر سکوت فرمایا کہ تھوڑی دیر میں وہی ارشاد فرمایا کہ

کوئی اس کو قول دیتا تاکہ میں تقسیم کر دیتا۔ آپ کی اہلیہ نے پھر یہی عرض کیا۔ آپ نے سکوت فرمایا۔ تیسری دنہ ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ تو اس کو اپنے ہاتھ سے ترازو کے پڑے میں رکھے۔ اور پھر ان ہاتھوں کو اپنے بدن پر پھیرے۔ اور اتنی مقدار میرے حصے میں زیادہ آئے۔ جہادِ نفس کے سلسلے میں جو کچھ جہادِ اکبر ہے یہ کمالِ اقباط ہے۔ اپنے آپ کو شبہ سے بچانا مقصود ہے۔ دوزخ جو بھی تولے گا۔ اس کے ہاتھ کو لگے گا۔ لیکن آپ نے یہ پسند نہ فرمایا۔

حضرت علی بن ہند حضرت علی بن ہند ایک محدث ہیں فرماتے ہیں میں ایک کراہیہ کے مکان میں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے کچھ لکھا اور اس کو خشک کرنے کے لئے مٹی کی ضرورت ہوئی کچی دیوار تھی۔ مجھے خیال آیا کہ اس پر سے ذرا سی گھڑچا کر تحریر پر ڈال لوں پھر خیال آیا کہ مکان بکرائے کا ہے۔ جو رہنے کے لئے کراہیہ پر لیا گیا ہے۔ نہ کہ مٹی لینے کے واسطے مگر ساتھ ہی خیال آیا کہ اتنی ذرا سی مٹی میں کیا مضائقہ ہے۔ معمولی چیز ہے۔ میں نے مٹی ل اور رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب کھڑے ہیں جو یہ فرما رہے ہیں کہ کل قیامت کو معلوم ہوگا یہ کہنا کہ معمولی مٹی کیا چیز ہے۔

کل معلوم ہوگا۔ بظاہر مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کے درجات بہت زیادہ ہیں۔ درجہ کمال میں یہ یقینی تھا کہ اس سے بھی استرازا کیا جاتا۔ اگرچہ عرنا معمولی چیز شمار ہونے سے جواز کی حد میں تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ایک شخص کو کسی جگہ کا حاکم بنایا کسی شخص نے عرض کیا کہ یہ شخص حجاج بن یوسف کے زمانے میں اس کی طرف سے بھی حاکم رہ چکے ہیں۔ عمر بن عبد العزیز نے فرمایا کہ بڑا ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ تو اس کے ساتھ ایک دن یا اس سے بھی کم را۔

مراد یہ ہے کہ پاس رہنے کا اثر ضرور پڑتا ہے جو شخص متقیوں کے پاس رہتا ہے۔ اس پر غیر معمولی اور غیر محسوس طریقہ سے تقویٰ کا اثر پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے بڑی صحبت سے روکا جاتا ہے۔

ظ۔ بڑوں کے پاس رہنے سے بڑا ہو جائے گا۔
نیک ہونے کے لئے نیکوں کی صحبت چاہیے۔

حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صبح آدمی کے پاس بیٹھنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مشک والے کے پاس بیٹھا ہے۔ اگر مشک نہ بھی ملے تب بھی اس کی خوشبو سے دماغ کو فرحت ہوگی۔ اور رُبے ساتھی کی مثال آگ کی بھٹی والے کی ہے کہ اگر چنگاری نہ بھی پڑے تو دھواں کہیں گیا ہی نہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبَّ

عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ

الرُّسُلِينَ وَرَحْمَةِ لِلْعَالَمِينَ حَسْبِيَ اللَّهُ تَعَالَى

عَلَيْهِ وَعَلَى إِلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمْ

محتاج دعا
(فرمان علی چودھری)

کتاب کے بارے میں
علماء اور دانشوروں کے تبصرے

شیخ الحدیث، امام المسلمین، غزالی دوراں، رازی زماں، حضرت علامہ سید
احمد سعید شاہ صاحب کاظمی دامت فیوضہم العالیہ متہم و شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ
عربیہ انوار العلوم ملتان و سابق شیخ الحدیث اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور۔



ایمان تقویٰ اور جہاد اسلام کے وہ بنیادی امور ہیں جن پر پورے دین اور
شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عمارت قائم ہے۔ ہر نیک عمل اور خوبی کی
اصل ایمان ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار فرمایا الذین آمنوا و عملوا
الصالحات اس طرح تقویٰ کے متعلق فرمایا۔ ان اگر مکم عند اللہ اتقائم۔ جہاد فی سبیل اللہ
کی جو تاکید اور فضیلت قرآن مجید میں وارد ہے۔ کسی سے مخفی نہیں۔ ارشاد خداوندی
ہے۔ یا ایہا النبی جاہد الکفار والمنافقین۔ نیز فرمایا فضل اللہ للمجاہدین باموالہم و انفسہم
علی القاعدین درجہ ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا۔ مالکم لا تقاٹون فی سبیل اللہ۔

اسی طرح احادیث شریفہ میں بھی ایمان تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کو دین کی اصل اور
دین کی روح قرار دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سارا
دین سمٹ کر آجاتا ہے۔ اس پر آشوب دور میں مسلمانوں کا ایمان بھی انتہائی ضعیف
ہے اور تقویٰ و جہاد کی روح مضحک ہو چکی ہے۔ اگرچہ مختلف اذقات میں متعدد اہل علم
تقریر و تحریر کے ذریعے ایمان، تقویٰ اور جہاد کی خوبیوں کو اجاگر کرتے ہی رہتے ہیں
لیکن جناب صوبیدار فرمان علی صاحب اے۔ ای۔ سی نے مذکورہ عنوانات پر سیر
حاصل بحث کر کے وقت کی اہم ضرورت کو پورا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولف کتاب کو جزائے

خیر عطا فرمائے۔ (آمین)
سید احمد سعید کاظمی عفی عنہ، متہم و شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم ملتان، فروری ۱۹۷۸ء

پیر طریقت، دہر شریعت، مجاہد ملت حضرت مولانا حامد علی خاں صاحب نقشبندی مجددی
دامت برکاتہم العالیہ ملستان



صوبیدار فرمان علی صاحب اے۔ ای۔ سی نے ایمان۔ تقویٰ اور جہاد کے عنوانات
پر اچھی خاصی ضخیم کتاب مرتب فرمائی ہے اور مجھے فرمائش کی ہے کہ میں تبصرہ کروں۔ بیماری
کی وجہ سے میں اس وقت مطالعہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور تبصرہ کے لیے پوری کتاب کا
مطالعہ کرنا مزوری ہوتا ہے۔ سرسری نظر سے فقط کتاب کی فہرست مضامین دیکھی۔ ماشا اللہ
تینوں عنوانات پر بہت کچھ درج کیا گیا ہے۔ جو مسلمانوں کے لیے ضروری مفید باتیں ہیں
انڈاز بیان عام فہم معلوم ہوتا ہے۔ ماخذ کا سوال بھی دیا گیا ہے۔ جو قابل اعتبار ہے۔
مصنف نے مفید مطلب مضامین چننے میں محنت کی ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف
کی سس کو مشکور فرمائے اور عوام مسلمین کے لیے اس کتاب کو مفید بنائے (آمین)؛
بجاء النبی الکریم الرؤف الرحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وعلیٰ آلہ و
اصحابہ اجمعین۔

احقر حامد علی خاں نقشبندی مجددی عفی عنہ

یکم جنوری ۱۹۵۷ء

فاضل جلیل حضرت مولانا مفتی غلام مصطفیٰ رضوی صاحب مدظلہ العالی فاضل انوار العلوم
اہم۔ اے۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور ایم۔ اے اسلامیات انچارج دارالافتاء مدرسہ اسلامیہ
عربیہ انوار العلوم ملتان۔



اس میں شک نہیں کہ پاکستانی فوج جرات، شجاعت اور جذبہ حب الوطنی کے
لحاظ سے پوری دنیا میں ایک خاص مقام رکھتی ہے اور فنون پہ گری میں انہیں مہارت تامہ
حاصل ہے۔ لیکن جناب صوبیدار فرمان علی اے۔ ای۔ سی نے ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل
کے موضوع پر ایک معیاری تصنیف کے ذریعے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہماری پگ انوار
صرف شمشیر و سناں سے ہی نہیں بلکہ قلم کے زور سے بھی جہاد کرنا جانتی ہے۔
زیر نظر کتاب کے بعض حصے میں نے غور سے پڑھے ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے
کہ اس کتاب کی تالیف و ترتیب میں کافی محنت سے کام لیا گیا ہے۔ اس کتاب کے
مضامین قرآن و سنت، اجماع، قیاس اور سلف صالحین کے عقائد کے عین مطابق ہیں۔
اللہ تعالیٰ مصنف کی محنت کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ (آمین)

مفتی غلام مصطفیٰ رضوی۔ مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان ۱۵ فروری ۱۹۷۸ء

جناب بشیر احمد ایم۔ اے اسٹنٹ پروفیسر اسلامیات گورنمنٹ کالج میاں چنوں



موسم صوبیدار فرمان علی کی تالیف ایمان، تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ کے بشیر حصہ
کامیابیوں نے بالائے تعجب مطالعہ کیا، میں نے اسلامیات کا ایک لیکچر دہونے کی حیثیت
سے جب کتاب کے مباحث دیکھے تو دل میں ایک مسرت کا احساس پیدا ہوا کہ یہ کتاب
پاک فوج کے جوانوں میں اسلامی ذہن و قلب کی آبیاری میں بڑی مفید ثابت ہوگی۔
قرآن حکیم کی آیات، احادیث رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ
مؤلف نے اپنی تالیف میں سمودیا ہے۔ اس کا ملک عزیز کی افواج کی تعلیم و تربیت کے
پہلو سے بڑا اچھا اثر مرتب ہوگا۔

مؤلف نے بعض مباحث میں بڑے شرح و بسط سے کام لیا ہے اور اس طرح
بحث میں ایمان اور تقویٰ کے بارے میں بہت سی اسلامی معلومات کا ذکر بھی آگیا ہے
پہر حال تالیف مجموعی طور پر انشاء اللہ مملکت اسلامیہ پاکستان کی عسکری زندگی پر نہایت
خوشگوار اثرات ڈالے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مؤلف کو اپنے مقاصد میں کامیاب فرمائے۔

بشیر احمد اسٹنٹ پروفیسر اسلامیات

۲۶ اپریل ۱۹۷۸ء

جناب مختار حسین ترائی اُردو لیکچرار گورنمنٹ کالج میاں چنوں



چوہدری، فرمان علی صاحب کی کتاب "ایمان - تقویٰ - جہاد فی سبیل اللہ" کو پڑھنے کا موقع ملا۔ کتاب کا ایک ایک لفظ مؤلف کے بے پایاں خلوص کا آئینہ دار ہے۔ اسلامی شعار اور قومی روایات سے محبت، جوش، شہادت اور جذبہ جہاد اول سے آخر تک ساری کتاب میں جاری و ساری دکھائی دیتا ہے۔ مفہوم کو واضح کرنے کے لیے مؤلف نے تفصیلی انداز اپنا یا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ تفصیلی انداز قارئین کے لیے خاص طور پر پاک فوج کے جوانوں کے لیے مفید ہوگا اور اپنے مقصد سے قریب نزلنے میں مدد و معاون بھی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب عوام الناس کے لیے بالعموم اور پاک فوج کے جوانوں کے لیے بالخصوص جذبہ جہاد پیدا کرنے، نور ایمان سے اپنے قلوب کو منور کرنے اور تقویٰ کی دوات سے مالا مال ہونے کے لیے انتہائی مفید ثابت ہوگی۔

مختار حسین ترائی لیکچرار

گورنمنٹ کالج میاں چنوں

۲۵ اپریل ۱۹۷۸ء

